وسیم بریلوی کی شاعری میں
ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی

تحقیقی مقالہ برائے پی۔ایچ۔ڈی

مقالہ نگار
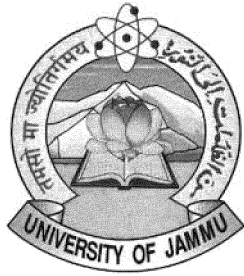
محمد شکور

نگراں

ڈاکٹر عبدالرشید منہاس

شعبۂ اُردو جموں یونی ورسٹی، جموں ۱۸۰۰۰۶

۲۰۱۸ء

WASIM BRAILLVI KI SHAIRI MAIN HINDUSTANI TAHZEEB-O-MUHASHRAT KI AKASI

Dissertation

SUBMITTED FOR THE AWARD OF DEGREE OF DOCTOR OF PHILOSOPHY IN URDU
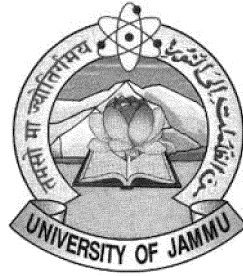
Submitted by
MOHD SHAKOOR

Supervisor
Dr.A.R MANHAS

DEPARTMENT OF URDU

University of Jammu, Jammu-180006

2018

POST GRADUATE DEPARTMENT OF URDU

UNIVERSITY OF JAMMU ,JAMMU ,180006
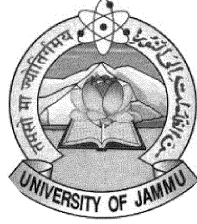
CERTIFICATE

*This is to certify that the dissertation entitled :**"Wasim Braillvi Ki Shairi Main Hindustani Tahzeeb-o- Muhashrat Ki Akasi"** Submitted by **Mohd Shakoor** has been completed under my supervision.*

The dissertation is of worthy consideration for the award of degree of Doctor of Philosophy (Ph.D) in Urdu.

1) *That the dissertation embodies the work of the candidate himself.*
2) *That the candidate worked under my supervision for the period required under statues.*
3) *That the candidate has put in the required attendance and seminar's in the deptt.during the research period.*
4) *That the candidate has fulfilled the statutory condition as laid down under statues.*

Countersigned by :
H.O.D.
Dept.of Urdu
University of Jammu

Supervisor
Dr. Abdul Rashid Manhas
Dept.of Urdu
University of Jammu

DECLARATION

I, ***Mohd Shakoor* S/o Mohd Bashir** Research Scholar Department of Urdu, University of Jammu Completed my research under the supervision of Dr. Abdul Rashid Manhas do hereby declare that my Ph.D Dissertation work entitled ***"Wasim Braillvi Ki Shairi Main Hindustani Tahzeeb-o-Muhashrat Ki Akasi"*** undertaken by me is original and not copied from other sources without due acknowledgement.
And is also free from any Degree of Plagiarism as per the report of Urkund analysis report.

S ***Mohd Shakoor***
Ph.D Resarch Scholar

H.O.D
Department of Urdu
University of Jammu

Supervisor
Dr. Abdul Rashid Manhas

فہرست

لفظ تحقیق کا مادہ حق (ح،ق،ق) ہے۔حق کے لغوی معنی ہیں سچ، ثابت ، انصاف وغیرہ وغیرہ۔لفظ تحقیق حق سے مشق ہے جو باب تفعیل کے وزن پر ہے۔ نیز اس کا معنی ہے سچ کو ثابت کرنا مگر تحقیقی نقطۂ نظر سے تحقیق ، انوسندھان اور Research سے مراد حق کو دلائل و براہن کی روشنی میں ثابت کرنا نیز مثبت اور منفی پہلوؤں کو واضح کرنا۔

راقم کے لئے تحقیقی مقالہ برائے ڈاکٹر آف فلاسفی اُس خواب کی تعبیر ہے جس کا مجھے ۱۵ جون ۲۰۱۲ء سے قبل کوئی تصور ہی نہ تھا۔ اگر چہ ماسٹر آف اُردو کی سند جموں یونی ورسٹی سے بذریعہ فاصلاتی تعلیم سے راقم سند یافتہ تھا مگر بضاعت دامن گیر تھی اس لیے تحقیقی سفر کے آغاز کا تصور بھی نہ تھا۔

قدرتی اور تقدیری فیصلے انسانی شعور سے بالاتر ہوتے ہیں جب ایم ۔اے کے دوران راقم نے ایک پرائیوٹ ادارے میں درس وتدریس کا پیشہ اختیار کیا تو چند دن بعد عزیزم اشفاق الحق بھی اُسی ادارہ میں ہم پیشہ ہو گئے تھے۔ جو حال میں بطور پٹواری اپنے فرائض منصبی سرانجام دے رہے ہیں۔انہوں نے نہ صرف مجھے مشورہ سعید سے نوازہ بلکہ NET کے امتحان میں بیٹھنے تک قدم قدم پر رہنمائی بھی کی۔ نیز ۱۵ جون ۲۰۱۲ء کو بذریعہ موبائل مبارکباد پیش کی اور کہا آپ نے صرف NET بلکہ J R F بھی کولائی فائی کر دیا ہے۔ میں عزیزم اشفاق الحق کا شکر گزر ہوں۔

کچھ اور عرض کرنے سے قبل میں اُن تمام اساتذہ اکرام کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکرایہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے میرے تعلیمی سفر کے دوران (گورنمنٹ ہائر سکنڈری اسکول

کالا کوٹ) گام گام پر مجھے استادانہ شفقت سے نوازتے رہتے تھے۔ رنجیت کھجوریہ، راجیش شرما جو حال میں لکچرار آف انگلش ہیں، فرخندہ گل اور محترم رحمٰن چودھری نیز دیگر تمام اساتذہ اکرام کا بھی شکر گزار ہوں بالخصوص جنق راج شرما سابق پرنسل کا بھی شکر گزار ہوں جو راقم کو ہمہ وقت حصولِ علم کا وعظ کرتے تھے۔ علاوہ ازیں بارہویں کے امتحان کی فیس یہ کہہ کر ادا کی کہ اب آپ کی نہیں چلے گئی تم جا رہے ہو اور یہ میری طرف سے آپ کو تحفہ ہے۔ جس طرح وسیم بریلوی صاحب کے طالبِ علمی کے دوران ایم۔ اے فائنل کے امتحان کی فیس اُن کے استاد عثمان نے ادا کی تھی۔

گورنمنٹ ڈگری کالج راجوری کے طالبِ علمی کے دوران جن اساتذہ اکرام کے دامن میں زانوے تلمذ تہ کرنے کا شرف حاصل ہوا میں اُن تمام کا شکر گزاروں ہوں بالخصوص پروفیسر جاوید مغل کا قلب کی عمیق گہرائیوں سے شکر گزار ہوں جن کے بصیرت افروز خطبات نے راقم کے علمی شوق کو از سرِ نو برانگیختہ کیا۔

میں عرض کر رہا تھا تحقیق، تحقیقی مقالہ اور ۱۵ جون ۲۰۱۲ تحقیق چونکہ ایک خشک و روکھا موضوع ہوتا ہے۔ خارزار، دل دوز اور جگر سوز وادیوں سے گذرنے کا نام ہی تحقیق ہے گام گام پر دست و پا کے لہولہان ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔ تحقیق سے مراد ہے حق کو ظاہر کرنا، سچ کو ثابت کرنا اور موضوع سے انصاف کرنا جبکہ حق سچ اور انصاف کی ہمیشہ مخالف ہوتی ہے۔ حضرت علی نے سچ و حق کی پہچان ہی مخالفت بتائی ہے۔ بقول حضرت علی:

''حق بات کی پہلی نشانی ہے کہ اس کی ہمیشہ مخالفت ہوتی

ہے جس کی کوئی مخالفت نہیں وہ قطعاً حق نہیں۔"

جھوٹ کے آگے پیچھے دریا چلتے ہیں
سچ بولا تو پیاسا مارا جائے گا

(وسیم بریلوی)

اور تحقیق کسی بھی داشتہ کو برداشت ہی نہیں کرتی الحاصل تحقیق تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہے آخر کار قدرتی اور تقدیری فیصلہ نے راقم کے تحقیقی سفر کی راہ کو ہموار کر دیا تو میں نے یقینِ محکم کرلیا کہ انشاء اللہ جموں یونی ورسٹی کے شعبۂ اُردو سے ہی تحقیقی سفر کا آغاز کرنا ہے۔ نیز یہ سفر ۲۷ نومبر ۲۰۱۳ء کو شروع ہو ہی گیا۔ بقول علامہ اقبال

یقینِ محکم ، عملِ پیہم ، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

۱۴ ستمبر ۲۰۱۴ کو گیارہ تازہ وارد ریسرچ اسکالرس کے موضوعات و سپروائزر کے انتخاب کی خاطر شعبۂ اُردو کے صدر کے آفس میں ایک نشست کا انعقاد ہوا جس میں راقم نے ڈاکٹر عبدالرشید منہاس صاحب کو اپنا سپروائزر منتخب کرنے کی تجویز پیش کی۔ صدر نشست و اراکین نشست نے میری یہ تجویز منظور کر لی جس کیلئے میں تمام اراکین و صدر شعبۂ اُردو کا شکر گزار ہوں۔

جہاں تک موضوع کے انتخاب کا مسئلہ ہے۔ ایک تازہ وارد اسکالر کے لیے موضوع کے انتخاب پیچیدہ مسئلہ ہوتا ہے۔ اس لئے میں نے اپنے سپروائزر کے انتخاب کردہ موضوع "تبسمِ غم کی روشنی میں وسیم بریلوی کی شاعری" پر تحقیقی مقالہ تیار کر کے ۲۰۱۵ء کو ماسٹر آف

فلاسفی کی سند حاصل کی۔ پہلے باب میں وسیمؔ بریلوی کی حیات وشخصیت (خاندان، پیدائش ،تعلیم وتربیت، ملازمت،عقداور اولاد،آغاز،شاعری،کتب بینی اوراشتیاقِ فن باقاعدہ آغاز شاعراور اصلاحِ سخن،مشاعروں میں شرکت اوراعزازات وانعامات) کو بیان کیا گیا ہے۔

دوسرے باب میں وسیمؔ بریلوی کی غزلیہ شاعری کوموضوعات (حسن وعشق،آزادہ روی، تصوف، حب الوطنی،غم، جگر کے زخم زمانہ اورگردش زمانہ، موت، زندگی، دیگر اہم موضوعات اور جدید موضوعات) کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے۔تیسرے باب میں وسیمؔ بریلوی کی نظمیہ شاعری کو موضوعات (رُومان،حب الوطنی، تقسیم وطن،ہجرت،واقعاتی موضوعات) کےحوالے سے پیش کیا گیا ہے۔چوتھے باب میں ''وسیمؔ بریلوی کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی'' (لفظ، ہندوستان کی وجہ تسمیہ،تہذیب، معاشرت اور ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی) کو پیش کیا گیا ہے۔پانچویں باب میں وسیمؔ بریلوی کی شاعری کوفن،اسلوب وڈکشن (ہیئت،صنائع لفظی، اسالیب،تخاطب،خودکلامی اور استفہامیہ،تخلیقی زبان،تشبیہ،استعارہ، پیکر اور علامت) کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے اور چھٹے باب میں حاصل مطالعہ کوپیش کیا گیاہے۔

تحقیقی سفر کے دوران اسکالرس کوکن کن دشوار وخارزار وادیوں سے گذرنا پڑتا ہے یہ کسی بھی اسکالراورسپروائزر سے پوشیدہ نہیں ہے۔بہر کیف راقم بھی تحقیقی سفر کے دوران نہ جانے کس خارزار وادی میں گم ہو جاتا اگر اپنے کرم فرما وکرم گستر ذی شعور، ذی آبرو، ذی حِس و ذی روح، سپروائزر ڈاکٹر عبدالرشید منہاس کی رہنمائی گام گام پر راہ نمانہ ہوتی جس

کے لیے میں اُن کا قلب کی عمیق گہرائیوں سے شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ مدتِ مدید تک اُن کی رہنمائی راقم پر سایہ افگن رہے مگر: ''حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا''

میں سابق پروفیسر سکھ چین، پروفیسر ضیاء الدین، ڈاکٹر محمد ریاض احمد، ڈاکٹر چمن لعل بھگت، ڈاکٹر فرحت شمیم، لائبریرین عظمت چودھری اور دیگر ملازمین شعبۂ اُردو تمام کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں۔ علاوہ ازیں شعبۂ اُردو کی جان، شان اور پہچان جن سے میری مراد ہے پروفیسر شہاب عنایت ملک صدرِ شعبۂ اُردو جو انفرادی شخصیت کے مالک ہیں اُن کا دل کی عمیق گہرائیوں سے شکر گزار ہوں۔

میں وسیمؔ بریلوی کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ملاقات کا وقت دیا اور راقم کے استفسار پر بتایا کہ '' کامیابی کا دارومدار اُس پر نہیں ہے جو ہم نے پالیا ہے بلکہ جو ہم نہ پا سکے اُس کو پالینے میں ہے'' ساہوکار بازار، چھوٹا دروازہ کے نزدیک اسی مکان میں جہاں وسیمؔ بریلوی پیدائش بروز ویروار ۸ فروری ۱۹۴۰ء کو ہوئے تھے ڈاکٹر جاوید نسیمیؔ (رامپور) کے بقول یہ مکان انھوں نے اب خرید لیا ہے بقول علامہ اقبالؔ:

گزر اوقات کر لیتا ہے کوہ و بیابان میں
کہ شاہین کے لیے ذلت ہے کار آشیاں بندی

اور میں جاوید نسیمیؔ کا شکر گزار ہوں جنھوں نے دورانِ ملاقات قیمتی آرا سے نوازا۔

میں فیصل ریاض کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے مواد کی فراہمی میں دستِ تعاون فراہم کیا تھا۔

شعبۂ اُردو کے تمام سینئر اسکالرس، اسکالرس کا شکر گزار ہوں بالخصوص اُن اسکالرس کا

جنہوں نے راقم کو تحقیقی سفر کے دوران آرا سے نوازا نیز مواد کی فراہمی میں بھی دستِ تعاون دراز کیا۔ میں مسعود بھائی کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے مقالے کی کمپوزنگ کی۔

میں اُن طالبِ علموں کا بھی شکر گزار ہوں جو طالبِ علمی کے دوران راقم کے ہم جماعت رہے وقتاً فوقتاً اپنی آرا سے بھی نوازتے رہتے تھے۔ میں اپنے بھائیوں اور حقیقی بہنوں نیز اُن کے اہلِ خانہ تمام کا بھی شکر گزار ہوں جن کے احسانات کو میں کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا ہوں۔ خصوصاً اپنی بہنوں کے شغف و خلوص کو کبھی بھی سہو و نسیان کے پردہ میں پنہاں نہیں رکھ سکتا ہوں۔ میں تمام ننھیالی اور ددھیالی رشتہ داروں کا بھی شکر گزار ہوں جنہوں نے وقتاً فوقتاً دامے درمے قدمے سخنے دستِ تعاون دراز کئے تھے۔

میرے پاس وہ الفاظ ہی نہیں ہیں جن سے میں اپنے والدین کا شکر یہ ادا کر سکوں جنہوں نے طوفانی سمندر کی موجوں کے منجھدار میں رہ کر پرورش و پرداخت کی نیز تعلیمی اخراجات بھی پورے کئے بارگاہِ ایزدی میں دعا گو ہوں کہ خالقِ کل اُن کا سایہ مدتِ مدید تک ہم پر سایہ افگن رکھے۔ نیز انہیں جسمانی، روحانی اور ایمانی طور پر صحت یاب و سلامت رکھے۔

''پھر آرکھوں قدمِ مادر و پدر پہ جبیں''

محمد شکور

ریسرچ اسکالر شعبۂ اُردو

جموں یونی ورسٹی، جموں

۱۸۰۰۰۶

باب اول

وسیم بریلوی: حیات وشخصیت

- خاندان
- پیدائش
- تعلیم وتربیت
- ملازمت
- عقداوراولاد
- کتب بینی اوراشتیاق فن
- آغازِ شاعری اوراصلاح سخن
- تخلیقات
- مشاعروں میں شرکت
- اعزازت وانعامات

خاندان :۔ وسیم بریلوی کے آبا واجداد کا تعلق مراد آباد سے تھا۔ اُن کے آبا و اجداد صاحب جاہ ومنصب، باوقار اور جاگیردار تھے۔ اُن کے دادا مقصود حسن، والد شاہد حسن نسیم، والدہ رفعیہ بیگم اور نانا شیخ انتظام اللہ تھا۔ شیخ مقصود حسن کے فرزند مرحوم شاہد حسن نسیم جنہوں نے اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے ماموں منشی الطاف حسن کے سایۂ عاطفت میں پرورش پائی۔ نسیم مراد آبادی کی صغرسنی تک دولت ان کے گھر کی کنیز تھی۔ روزمرہ کے استعمال کی تمام اشیاء کے لئے ذاتی کمرہ ہوتا تھا۔ مثلاً جوتوں کا کمرہ الگ، کپڑوں کا کمرہ الگ، خورد ونوش کی اشیاء کا کمرہ الگ وغیرہ۔

نسیم نے نویں جماعت سے شاعری کا آغاز کیا۔ جگر، رئیس، قمر سے شاگری کا شرف حاصل ہوا۔ پھر اپنے ہم سخنوں کی طرح اپنے شہر کے ادبی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا تھا۔ جب دسویں جماعت میں زیرِ تعلیم تھے تو عدالت نے بالغ قرار دیا اور منشی الطاف حسن کو ولی بھی مقرر کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد نسیم اپنے ماموں کے گھر سے فرار ہوئے تو شیام سندر وکیل جن کا تعلق مراد آباد سے تھا کو اپنی ساری وراثت بلا اُجرت لکھ دی جس کی اُجرت اُس وقت کے اعتبار سے دس لاکھ بتائی جاتی ہے۔ اس کا ذکر وسیم بریلوی نے بھی دوران باضابطہ گفتگو کیا ہے۔

جب زمانے کا ورق اُلٹ گیا نسیم مراد آبادی کو اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا تو وراثت کی حصول کی خاطر باقیہ تمام مال وزر کو مقدمہ بازی میں صرف کیا۔ مگر خالی ہاتھ لوٹے۔ منشی الطاف حسن نے اُسی اُمید کے پیشِ نظر وسیم بریلوی کے نانا کا گھر تلاش کیا جن کا تعلق بریلی کے ایک زمیندار گھرانے سے تھا۔ شاہد حسن نسیم مراد آبادی کی شادی شیخ انتظام

اللہ کی صاحب زادی رفیعہ بیگم سے ہوگئی۔ نسیمؔ کے خسر دور اندیش، معاملہ فہم اور صاحبِ جاہ ومنصب آنریری مجسٹریٹ تھے۔

نسیمؔ مرادآبادی اپنی وراثت سے ہاتھ دھوکر اپنے سسرال میں اپنی ازدواجی زندگی گذارنے لگے اسی دوران پھر وراثت کی بازیابی کی کرن از سرنو پیدا ہوئی تو شیخ انتظام نے اپنے داماد کو مشورہ دیا کہ اب تم نہ تو مقدمہ جیت سکتے اور نہ ہی وہ وراثت حاصل کر سکتے ہو بلکہ بہتری اس میں ہے کہ حصولِ وراثت کا خیال چھوڑ کر کوئی ملازمت کرو۔ اس مشورہ سے نسیمؔ مرادآبادی کو تسلی نہ ہوئی تو سسرال کی سکونت ترک کی اور اپنے ایک دوست منشی سید کا ردعلی کے یہاں سکونت پذیر ہوئے۔ کچھ عرصہ بعد ہائی کورٹ الہ آباد نے بھی شاہد حسن نسیمؔ کے خلاف فیصلہ صادر کیا۔ جو شیخ انتظام اللہ کے مشورہ سعید کے مترادف تھا۔ اس کے باوجود اپنے عزم محکم، عمل پیہم اور ثابت قدمی سے تعلیم جاری رکھی۔ ایم۔ اے۔ بی۔ ٹی منشی کامل وغیرہ میں کامیابی حاصل کی۔ علاوہ ازیں قلندرانہ مزاج کی وجہ سے کئی ملازمتیں کیں اور بہت سی جگہ قیام کیا۔

عندالتحقیق یہ واضح ہوتا ہے کہ مرحوم شاہد حسن نسیمؔ کا تعلق ایک علم دوست، ذی مرتبہ، باوقار، معزز اور جاگیردار گھرانا سے تھا اگرچہ وہ ننھیال ہو، ددھیال ہو یا پھر سسرال ہو، اس طرح وسیمؔ بریلوی کا نسب نامہ قطب الاقطاب حضرت مخدوم سماء الدین سے جا ملتا ہے۔ شاہد حسن نسیمؔ مرادآبادی کی اولاد علی حسن افروز، عطیہ پروین، زاہد حسن وسیمؔ بریلوی، راشد حسن اور صفیہ پروین

پیدائش:۔ وسیم بریلوی کا نام زاہد حسن جو شاہد حسن نسیم مرادآبادی کے پیر و مرشد سید غالب میاں نے تجویز کیا تھا۔ گھر کا نام پرویز اور تخلص وسیم ہے۔ بروز ویروار ۸ فروری ۱۹۴۰ء میں مردم خیز خطۂ ارض بریلی میں ننھیال میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:۔ وسیم بریلوی کی تعلیم و تربیت میں والدہِ وسیم نے سرسید احمد خان کی والدہ کی طرح اہم رول ادا کیا۔ وہ چاہتی تھیں کہ میری اولاد اعلیٰ تعلیم کے زیور سے مزین ہو اور جاگیرداری و زمینداری سے پہلو تہی کرے۔ نیز گودِ والدہ اولاد کے لیے اولین تعلیم گاہ و تربیت گاہ ہوتی ہے۔ وسیم بریلوی نے دینی تعلیم مولانا ظہورالدین سے حاصل کی۔ اُن کی ابتدائی تعلیم نواب گنج اسکول سے ہوئی۔ چوتھی جماعت منوہر بھوشن اسکول سے فرسٹ ڈویژن میں پاس کی پانچویں جماعت ۱۹۴۷ء میں اسلامیہ اسکول سے پاس کی۔ تقسیمِ ملک کی بنا پر قیامت خیز فسادات نے اور شدت اختیار کی۔ جس کی زد میں بریلی بھی آ گیا تھا۔ اس لیے وسیم کے نانا (شیخ انتظام اللہ) نے انہیں رام پور منتقل کر دیا۔

بریلی آنے کا حکم:۔ وسیم بریلوی کی عمر دس سال تھی تو اُن کے نانا نے رفیعہ بیگم کو حکم جاری کیا کہ تم واپس بریلی آ جاؤ کیونکہ میری ساری جائیداد آپ کے نام ہو چکی ہے۔ انہوں نے حکم بجالایا۔ مع اولاد بریلی آ گئیں تو گھر کا ماحول بے حد کشیدہ دیکھ کر کشیدہ خاطر نہ ہوئیں اور خودداری، دیانتداری و ایمانداری نیز صبر و تحمل سے کام لیا اپنے بھائی کو تنہائی میں جا کر کہہ دیا کہ میں آپ کا حق دبانا نہیں چاہتی صرف اپنا حقِ دختری لینا چاہتی ہوں اور منصفانہ فیصلہ چاہتی ہوں۔

ایک دن وہ اپنے بھائی کے ساتھ عدالت میں گئی تو اپنے حق کے علاوہ ساری جائیداد بھائی کو لکھ دی۔حقِ دختری میں رفیعۂ بیگم کو تحصیل نواب گنج کے مواضعات گریم اور رچھولا کفایت اللہ میں قطعہِ زمین اور گڑھیا محلّہ میں مکان کا بالائی حصہ،حصہ میں آیا۔مختصر یہ کہ خدا کے فضل و کرم سے وسیؔم بریلوی پھر اپنے پیدائشی مکان میں آباد ہوئے۔

ثانوی حیثیت کا احساس:۔ وسیؔم بریلوی چونکہ اپنی صغرسنی سے ہی حساس و ذکی الحس تھے جب اُن کی والدہ اور ماموں کے مابین منصفانہ فیصلہ ہوا اور وسیؔم کے نانا (شیخ انتظام اللہ)اس فیصلہ کے خلاف تھے۔رفیعہ بیگم نے اپنے بھائی سے صحبت آمیز برتاؤ کیا پھر بھی اُن کی اولاد شفقت اور سر پرستی سے محروم رہی سب کو یہ احساس ہوا کہ ہم ددھیال نہیں بلکہ ننھال میں پل رہے ہیں اور یہاں کی ہر چیز پر ہمارا حق ثانوی ہے۔بالخصوص وسیؔم بریلوی کو ثانوی حیثیت کا شدید احساس ہوا جس کا اندازہ اس شعر سے بھی ہوتا ہے:

ہمارے بارے میں لکھنا ہو تو بس یہی لکھنا
کہاں کی شمعیں ہیں کن محفلوں میں جلتی ہیں

وسیؔم بریلوی نے رام پور کے مرتضیٰ اسکول سے چھٹی ،ساتویں اور آٹھویں جماعت پاس کی۔جب حالات بہتر ہوئے تو وہ واپس بریلی آ گئے۔بریلی کے بوائز کرسچن اسکول سے نویں اور دسویں جماعت ۱۹۵۲ء میں پاس کی۔تعلیم کے ساتھ ساتھ گانوں اور ڈراموں میں بھی شرکت کرتے تھے۔شرمیلے اور دبولڑکوں سے ہمیشہ پہلو تہی کرتے تھے۔جہاں رہتے وہاں اپنے ہم نواؤں کی ایک جماعت تیار کر لیتے اور خدا داد صلاحیت کی بنا پر نمایاں نظر آتے

تھے۔ وسیم بریلوی کے ان اوصاف کا ذکر ڈاکٹر جاوید نسیمی نے کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

''دورانِ تعلیم وسیم نے گانوں اور ڈراموں وغیرہ میں بھی حصہ لیا۔ دراصل وہ کبھی بھی شرمیلے یا دبو قسم کے لڑکوں میں نہیں رہے ۔ جہاں بیٹھے وہاں نمایاں ہو جاتے ......''[1]

وسیم بریلوی نے بریلی اسلامیہ انٹر کالج سے گیارہوں جماعت اور بارہویں جماعت پاس کی۔

بریلی کالج:۔ بریلی کالج ۱۸۳۱ء میں قائم ہوا تھا۔ اس کا شمار ہندوستان کے چھ قدیم ترین کالجوں میں ہوتا ہے عمارت بھی عمدہ ہے۔ نیز یہ کالج بڑے بڑے ذہنوں کی تربیت کا ضامن بھی ہے۔ علاوہ ازیں اُس وقت یہ کالج آگرہ یونی ورسٹی کہ ماتحت تھا۔ انہوں نے بریلوی کالج سے سولہ سال کی عمر میں بی۔اے پاس کر لی۔ انگریزی میں سب سے زیادہ نمبرات حاصل کئے۔ انگریزی کے صدر شعبہ (دیوی چرن شرما) کی تجویز کے برعکس ایم۔ اے اُردو میں داخلہ لیا۔ آخر کار ہمیشہ کی طرح جون ۱۹۵۸ء میں فرسٹ پوزیشن میں ایم۔ اے اُردو میں آگرہ یونی ورسٹی سے پاس کی۔ یہ دور وسیم بریلوی کے لیے نہایت ہی صبر آزما دور تھا۔ وسیم بریلوی کے نانا (شیخ انتظام اللہ) دار العمل سے دار البقا میں منتقل ہو گئے جن کے مالی تعاون سے وسیم کے گھر کے اخراجات پورے ہوتے تھے اور وسیم بریلوی کے والد اپنی فقیرانہ روش پر قائم و دائم تھے۔ وسیم بریلوی با ذات خود نانی کے زمینداری کے اقرار نامہ بنا کر گھر کے اخراجات پورے کرتے تھے۔ یہ دور وسیم بریلوی کے لیے انتہائی صبر آزما دور تھا ۔اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جب وہ ایم۔اے۔ فائنل میں تھے۔ تو مالی حالت

اتنی خستہ تھی کہ اپنی فیس بھی جمع نہ کرا سکے جس کے باعث وسیم بریلوی کو امتحان دینے کا اجازات نامہ نہیں دیا گیا۔ جب پیپر کی گھنٹی بجی تو باقی طلبا امتحان گاہ پہنچ گئے جب کہ وسیم بریلوی کبیدہ خاطر کلاس روم کو دیکھتے رہے تھے۔ اتفاق سے اُن کے استاد عثمان وہاں پہنچے وسیم بریلوی سے پریشانی کا سبب معلوم کیا تو خود پرنسپل کو فیس دے کر وسیم بریلوی کو امتحان گاہ میں بیٹھا کر احسانِ عظیم کیا جس کے وسیم بریلوی احسان فراموش نہ ہوئے۔ ڈاکٹر جاوید نسیمی رقمطراز ہیں:

''اسی وقت ان کے اُردو کے استاد عثمان صاحب تشریف لائے اور جب وسیم کی پریشانی کا حال سُنا تو دوڑتے ہوئے پرنسپل کے پاس گئے۔ اپنی جیب سے فیس کی رقم جمع کر کے وسیم کو امتحان میں شامل کرایا۔''[۲]

وسیم بریلوی نے ایک خط میں لکھا ہے کہ:

''ماں کی شفقتیں، بردباری، خدا پرستی اور اُن کی عظمت کردار مشعل ہدایت بنی، سفر جاری رہا۔ تعلیمی اور تربیتی مرحلے طے کرتے ہوئے میں نے شروع ہی سے کلاسوں میں امتیاز حاصل کیا اور بچپن سے ملی ہوئی محرومیوں کو اپنی قوتِ عمل اور خدا داد صلاحیتوں سے زیر کرنے کی نہ صرف کوشش کی بلکہ چاہا کہ اپنی دنیا آپ بنا سکوں۔''[۳]

الحاصل وسیمؔ بریلوی کے لیے عثمان نے مالی تعاون سے تعلیمی سفر کو ہموار کیا اور والدہِ وسیمؔ کی تمام تعلیمی وتربیتی خدمات کا پتہ چلا ہے جو وسیمؔ کے لئے مشعلِ ہدایت بنی۔

سنبھل :جب وسیمؔ بریلوی نے زندگی کے انیسویں پڑاؤ پر قدم رکھا تو ماہ جوالائی ۱۹۵۸ء میں وسیمؔ بریلوی کا تقرر بحیثیت اُستاد بمقام سنبھل انٹر کالج (مرادآباد) ہوا۔ اس عہدہ پر باضابطہ ملاقات سے قبل مجلسِ تقرر (Appointment committee) کے ارکین ما سوا سنبھل کے تحصیل دار و منصف مجسٹریٹ جن کو مجلسِ تقرر میں کلیدی حیثیت حاصل تھی نے رشتہ داری کی وجہ سے ایک اُمیدوار مصور سبزواری کا تقرر ہونا طے ہو چکا تھا۔ باضابط ملاقات کے دوران اُمیدواروں میں صرف وسیمؔ بریلوی ہی فرسٹ کلاس فرسٹ تھے۔ اور وسیمؔ نے دوران باضابطہ ملاقات سوالات کے بالکل درست جوابات دے کر منصف کو بے حد متاثر کیا۔ آخر کار منصف نے اراکین کی مخالفت کے باجود وسیمؔ بریلوی کا ہی تقرر کیا۔ ڈاکٹر جاوید نسیمیؔ رقمطراز ہیں جو منصف کے منصفانہ فیصلے کا ثبوت اور وسیمؔ بریلوی کے تقرر کا گواہ بھی ہے:۔

''منصف صاحب اڑے رہے کہ اسی امیدوار کا تقرر ہونا چاہیئے حالانکہ منصف صاحب غیر مسلم تھے وسیمؔ سے ان کی رشتہ داری کا تو سوال ہی نہیں اُٹھتا ، شنا سائی تک نہ تھی لیکن وسیمؔ کی قابلیت نے اُنہیں اس درجہ متاثر کیا کہ انہوں نے آخر میں یہاں تک کہہ دیا کہ اگر اس لڑکے کا تقرر نہ ہوا تو میں کمیٹی سے مستعفی ہو

جاؤں گا۔ منصف صاحب کے اس منصفانہ فیصلے کے آگے آخر کار
سب کو ہتھیار ڈالنا پڑے اور وسیم کا تقرر ہو گیا۔''[۴]

وسیم بریلوی کو آغازِ ملازمت میں پچھتر روپے ماہ بطور تنخواہ ملتے تھے۔ وہاں نویں جماعت کو انگلش پڑھاتے تھے اور انگریزی نظموں کا اُردو میں ترجمہ بھی کیا۔ انہوں نے سنبھل میں تقریباً سال سوا سال ملازمت کی۔

دہلی :۔ ماہ اکتوبر ۱۹۵۹ء میں وسیم بریلوی کا تقرر یہ دہلی یونی ورسٹی کے ہندو کالج میں بحیثیت لکچرار ہوا تھا وہاں سے وسیم کو ہر ماہ ایک سو پچاس روپے بطور تنخواہ ملتے تھے۔ جو اُن کے اپنے خورد و نوش قیام و طعام اور گھریلو اخرجات کے لئے ناکافی تھے۔ کئی میل تک پیدل سفر کرتے، کئی دنوں تک دو پہر کا کھانا بھی نہیں کھاتے تھے۔ نیز علم حاصل کرنے کا شوق روز افزوں ہو رہا تھا۔ اس لیے دہلی یونی ورسٹی میں Linguistic Course میں داخلہ لیا۔ ایک سال تک مطالعہ کیا مگر حاضری کم ہونے کی وجہ سے امتحان نہ دے سکے۔ پھر بھی اس مطالعہ سے اُن کے علم میں اضافہ ہوا اور شاعری میں بھی مدد ملی۔

قیامِ دہلی میں وسیم بریلوی کو اس ملازمت کے دوران اُس دور کے ممتاز و منفرد شعرا جوش ملیح آبادی، گلزار دہلوی، ساغر نظامی، سلام مچھلی شہری، رفعت سروش وغیرہ سے ہم نشینی اور مشاعرہ خوانی کے مواقع ملے۔ کم و بیش ڈھائی سال ہندو کالج میں ملازمت کی۔

بریلی: جب تسنیم نے بریلی کالج کے شعبۂ اُردو سے سبکدوشی (Retirement) لی تو اُن کی جگہ پُر کرنے کے لیے جون ۱۹۶۲ء میں انٹرویو ہوا جس میں وسیم بریلوی کو منتخب کیا

گیا۔ ۱۶/ جولائی ۱۹۶۲ء کو بریلی کالج کے شعبۂ اُردو سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۷۹ء میں شعبۂ اُردو کے صدر بن گئے۔ کچھ عرصہ گذرنے کے بعد روہیل کھنڈ یونیورسٹی میں فیکلٹی آف آرٹس کے ڈین مقرر ہوئے اور ۲۰۰۰ء تک اس منصب پر فائز رہے۔

روہیل کھنڈ یونی ورسٹی سے وسیمؔ بریلوی کی نگرانی میں درجن سے زائد اسکالرس نے پھولوں اور خوشبوؤں کی وادی سے گزر کر ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگریاں حاصل کیں اور ہمہ وقت اُن کے لیے علم کے دروازے کھلے رہتے تھے۔ ڈاکٹر ایم۔ قیصر رقم طراز ہیں:

> ''مگر وسیم صاحب کی فقیرانہ طبیعت کی بدولت ان کی نگرانی میں تحقیق کرنے والے اسکالرس نے پھولوں اور خوشبوؤں کی وادی سے گزر کر اپنی اپنی منزل حاصل کی ہے۔ وسیمؔ صاحب کے علم کدہ کے دوروازے اپنے اسکالرس کے لیے ہر وقت کھلے نظر آئے۔''[۴]

وسیمؔ بریلوی حساس و زکی الحسن ذہن و علم دوست اور فقیرانہ طبیعت کے مالک ہیں۔ انہوں نے بحیثیت نگراں نا قابل فراموش خدمات سرانجام دیں ہیں۔ آخر کار ۲۰۰۰ء میں صدر شعبۂ اُردو ڈین کے عہدہ سے سبکدوش ہوئے۔ وسیمؔ بریلوی قومی کونسل برائے فروغ اُردو زبان (NCPUL) کے Vice chairman بھی رہ چکے ہیں۔ علاوہ ازیں وسیمؔ بریلوی سیول ڈیفنس بریلی کے چیف وارڈن بھی رہ چکے ہیں۔ نیز وسیمؔ بریلوی ادبی، سماجی، تعلیمی اور ثقافتی خدمات آج بھی سرانجام دے رہے ہیں۔

عقد و اولاد:۔ اگر چہ وسیمؔ بریلوی نے چھ یا سات معاشقوں کی حوصلہ شکن شکست کے

بعدعقد نہ کرنے کا عہد کرلیا تھا مگر روزِ ازل سے اُن کی قسمت میں عقد لکھا جا چکا تھا۔ جب وسیمؔ نے زندگی کے ۳۵ ویں پڑاؤ میں قدم رکھا تو والدہ وسیمؔ سخت علیل ہوگئیں ۔ دورانِ علالت وسیمؔ سے کہا بیٹا میری مرضی ہے کہ میں اپنے ماتھا کی آنکھوں سے آپ کی رفیقہ حیات کو دیکھ لو۔تو وسیمؔ بریلوی نے والدہ کے حکم کی تعمیل ۔

۷نومبر ۱۹۷۵ء کو نکہت سے عقد ہوا جو میرٹھ کے زبیری خاندان کی نورنظر ہیں۔علی گڑھ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ ، باسیرت و باصورت ، طائرہ وشاعرہ ،جن کے بطن سے باصرہ وسیم ، منزہ وسیم اورموزون وسیم پیدا ہوئے ، والدہ وسیمؔ کی طرح نکہت نے بھی اپنی اولاد کی تعلیم وتر بیت میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں مگر وسیمؔ بریلوی کی خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ۔انہوں نے اپنی اپنی تعلیم گاہوں میں ممتاز ومنفرد مقام حاصل کیا۔موزون وسیمؔ ایک کامیاب Engineer ہے ۔وسیمؔ بریلوی نے اولاد کے فرائض کی ادائیگی میں کوئی کسر باقی نہ رکھی ۔تینوں کے عقد ذی عزت وذی وقار گھرانوں میں کرائے ۔تینوں بااولاد ہیں ۔بمبئی اورکنیڈا میں کامیاب زندگی گزار رہے ہیں ۔وسیمؔ بریلوی کی اولاد، داماداور بہو مطیع وفرمانبراد، باخلاص و باشعور نیز خدا نے اُنہیں منفرد اوصاف سے نوازا ہے۔

مرغوب اطعمہ ومشروبات اور ممنوعات سے دور:۔ چائے ،نہاری، پائے ،سیخ، کباب ،اصلی گھی کے پکوان ڈبل زیرو کے پان ، دیسی گھی کی جلیبی ، دہی کے ناشتے وغیرہ وسیمؔ بریلوی کے مرغوب اطعمہ ومشروبات میں شامل ہے ۔ بادہ نوشی سے دور مگر سگریٹ نوشی اُن کی طبیعت ثانیہ ہے۔ڈاکٹر جاوید نسیمیؔ نے لکھا ہے جو اُن کی سگریٹ نوشی پر دلالت کرتا ہے۔

''گولڈفلیک ایسی مہنگی سگریٹ کے کئی کئی پیکٹ روز پی جا
تے تھے۔''[۶]

ملبوسات :۔ وسیم بریلوی نے اپنی صغرسنی میں کئی سالوں تک عیدین کے دن بھی نیا لباس صرف یہ سوچ کر زیب تن نہ کیا کہ نہ جانے کتنی اولادِ آدم کو آج بھی ملبوسات میسر نہ ہوں گے۔ اُن کے پسندیدہ ملبوس میں Pant ,shirt,tie اور کوٹ ہے۔ یہی لباس زیب زیب تن کئے ہوئے وہ مشاعروں میں داخل ہوئے۔ لباس پر اعتراض ہوا تو انھوں نے کہا لباس سے شاعری کا کوئی تعلق نہیں۔ دورانِ ملاقات اختر سعیدی کو وسیم بریلوی نے بتایا:

''اُس دور کے مشاعروں میں تمام شعراء کا ایک جیسا لباس ہوتا تھا، شیروانی، ٹوپی، آڑا پاجامہ، جب میں مشاعروں میں آیا تو میرا لباس وہی تھا جو میں کالج میں پہنتا تھا۔ اس پر بھی اعتراض ہوا کہ یہ لباس مشاعرے کا نہیں ہے۔ میں کہا نے لباس کا شاعری سے کیا تعلق؟ شاعری، شاعری ہے۔ جب میں اس میدان میں آیا تو اس طرح کی شاعری چل رہی تھی۔

رُخ سے پردہ ہٹا دے ذرا ساقیا
بس ابھی رنگ ِ محفل بدل جائے گا

میں مشاعروں میں اس طرح کی شاعری لے کر دخل ہوا کہ

یہی بزمِ عیش ہو گی ، یہی دورِ جام ہو گا
مگر آج کا تصور یہاں کل حرام ہو گا
میں کچھ اس طرح جیا ہوں کہ یقین ہوگیا
مرے بعد زندگی کا بڑا احترام ہو گا'' ؎

جب راقم ملاقات کے لیے بریلی محلّہ پھوٹہ دروازہ اُن کے گھر پہنچا تو وسیمؔ بریلوی کُرتا، پاجامہ، زیبِ تن کئے چندنو جوانِ ملت کے ساتھ بذاتِ خود بھی ہاتھ میں جھاڑو لئے محلّہ کی صفائی کررہے تھے۔ کیونکہ صفائی نصف ایمان ہے۔

قد و قامت :۔ حسین، شکیل اور متفکر چہرہ، گہر پاش پرکشش آنکھیں طویل القامت عضوِ سانس، تبسم ریز ہونٹ، clean shave اور سر کے بال کندھوں تک یعنی وجیہہ و متبسم چہرہ اور قدِ رعنا کے مالک ہیں۔ خالقِ کائنات جس کو جیسا چاہتا ہے ویسا ہی تخلیق کرتا ہے۔ اس کی وجہ موجہ آیت قرانی کا ترجمہ ملاحظہ کریں: ''وہی ہے کہ تمہاری تصویر بناتا ہے ماؤں کے پیٹوں میں جیسی چاہئے۔''

شاعری کا آغاز، کتب بینی اور اشتیاقِ فن :۔ شاعری ایک عطیہ ایزادی ہے جو وسیمؔ بریلوی کو وارثت میں ملی ہے۔ نسیمؔ کی اولاد میں شعر و ادب کا اشتیاق صرف وسیمؔ صاحب کے خمیر میں تھا۔ وسیمؔ بریلوی کے خاندانی شعراء میں خادم حسین خادمؔ، ظہور حسن شاربؔ، عشرت انورؔ اور والد وسیمؔ، شاہد حسن نسیمؔ قابلِ ذکر ہیں۔ اس سے خوب ظاہر ہے ہے کہ وسیمؔ کو شاعری بطورِ وارثت ملی۔ وسیمؔ بریلوی کے قیامِ رام پور کے دوران افسر میاں نامی جو وسیم بریلوی کے

ہمسایہ، شعروشاعری کے دل رُبا اور شعروشاعری کی مجالس کا انعقاد بھی کرتے تھے۔ جہاں شعرا کی آمدورفت تھی وہاں وسیم بریلوی کو ان ہی مجالس میں صبا افغانی، بے تک رامپوری نیز دیگر اساتذہِ عہد کو سننے کا موقعہ بھی ملا۔ وسیم بریلوی نے بہزاد لکھنوی جن کا اُس عہد میں بہت تذکرہ تھا کی زمین میں ایک غزل کہی اگرچہ ایک مصرعہ کے سوا باقی غزل موجود نہیں ہے۔

ہمیں تو شامِ غم میں کاٹنی ہے زندگی اپنی (بہزاد لکھنوی)

عجب کچھ کشمکش میں پڑ گئی ہے زندگی اپنی (وسیم بریلوی)

اس زمین میں وسیم بریلوی نے دس سال کی عمر میں ایک غزل کہی اور اپنے والد کو دکھائی تو وہ انہیں اپنے استاد جگر مرادآبادی کے پاس لے گئے جب انہوں نے وسیم کے اشعار سُنے تو حوصلہ افزائی کی۔ ڈاکٹر جاوید نسیمی رقم طراز ہیں:

''یہ واقعہ ۱۹۵۰ء کا ہے جب کہ وسیم کی عمر صرف دس برس کی تھی۔ جگر جیسے استادِ وقت کی حوصلہ افزائی سے وسیم کو بہت سہارا ملا۔'' ۸

با قاعدہ آغاز شاعری کا اور اصلاحِ سُخن :۔ وہ شاعری جس کی ابتدا رام پور سے ہوئی تھی۔ زیرِ تعلیم ہونے کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لئے رُک گئی تھی۔ اگرچہ وسیم بریلوی مرتضٰی اسکول میں تعلیم کے ساتھ ساتھ بیت بازی اور طرحی مشاعروں میں بھی حصہ لیتے تھے۔ وسیم بریلوی کو اپنی صغرسنی میں بڑی بڑی شخصیات کو اپنے گھر پر چائے پلانے کا شرف حاصل ہوا۔ ابتدا میں والد سے اصلاحِ سخن لی بعدہ ایڈوکیٹ منتقم حیدری سے اور تقریباً تین سال تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اُن کا تعلق سیتھل سے تھا۔ سیتھل کے ادبی و ثقافتی ماحول نے شاعری کو

نکھارا جس سے وسیم بریلوی کوشہرت عام اور بقائے دوام حاصل ہوئی۔

وسیم بریلوی نے جب شاعری کی دنیا میں قدم رکھا تو جگر، جوش، فیض، فراق، ندیم، حفیظ وغیرہ کے تذکرے فضاء شاعری میں ہو رہے تھے۔ وسیم بریلوی نے میر فانی، جوش، جگر، فراق، مجاز کا بخوبی مطالعہ کیا۔ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں:

''اُس عہد کے دیگر شعراء بھی زیر مطالعہ رہے۔ مگر لوٹ پھر کر نظر جاتی تو میر و فانی پر ہی جاتی جو تنہائی دل کی سطح پر اپنی عظمتِ فن کا لوہا منواتے دکھائی دیتے۔''9

خاندانی شاعری، عظیم شخصیت کی صحبت داری، ادبی محافل کی شرکت، شعراء کلام کے مطالعے، قدم قدم پر شکست وریخت، ذات اور ذات سے جوڑے محرکات نے غبارِ دل کو شاعری کا روپ عطا کیا۔ وسیم بریلوی کی ابتدائی شاعری کی امثلہ ملاحظہ کریں۔

خوب سمجھے حیات کا مفہوم
لب تبسم سے ہوگئے محروم
ہنس رہا ہوں کہ لوگ ہنستے ہیں
دل کی حالت کسی کو کیا معلوم
ہم اس لیے نئ دنیا کے ساتھ چل نہ سکے
کہ جیسے رنگ یہ بدلی ہے ہم بدل نہ سکے

وسیم بریلوی کو شاعری کا شوق اُس وقت پیدا ہوا جب وہ زندگی کے آٹھویں پڑاؤ

سے گذر رہے تھے ۔ نیز رامپور کے مرتضٰی اسکول میں ساتویں جماعت کے طالبِ علم تھے
فاروق رحمانی نے لکھا ہے جو ابتداء شاعری کی وجہِ موجہ ہے:

''شاعری کی ابتداء لڑکپن سے ہی والد صاحب نسیم مرادآباد
کے زیرِ سایہ ہوگئی تھی ۔'' [۱۰]

کچھ دیر تک یہ شوقِ سفرِ شاعری اُن کی تعلیمی مصروفیات کی بنا پر رُک گیا تھا۔ آخر کار پروفیسر تسنیم صدیقی و پروفیسر محمد عثمان قریشی کے بصیرت افروز لیکچروں نے وسیم بریلوی کے شوقِ سفر کو از سرِ نو برانگیختہ کر دیا باقاعدہ شاعری کا آغاز دسمبر ۱۹۵۵ء کو ہوا اور آج پوری اُردو دنیا میں اُن کی شاعری کے ڈنکے بج رہے ہیں ۔ اب تک سفر جاری و ساری ہے ۔ انہوں نے غزل نظم، قطعات، نوحہ، گیت اور نعت میں طبع آزمائی کر کے منفرد و ممتاز مقام حاصل کیا ہے ۔ اور رشحاتِ قلم نبضِ وقت پر ہیں ۔ باقاعدہ شاعری کی عمر ترسٹھ سال ہوئی ہے ۔

یہ عطیۂ ایزادی وسیم بریلوی کا دردمند، بہترین ذریعۂ اظہار، تذکیۂ نفس و تسکین دل کا ذریعہ بنا نیز اُن کی زندگی کے نشیب و فراز کے لیے آلہ مقاومت بھی ہے ۔ علاوہ ازیں دلوں کو بھی اسیر بھی کرتا ہے اور روحوں کو تازگی و فرحت بھی بخشتا ہے ۔ وسیم بریلوی کے شعری مجموعے ہاتھوں ہاتھ لیے جاتے ہیں اور شائقین نئے مجموعۂ کلام کے انتظار میں رہتے ہیں ۔ اُن کے مندرجہ ذیل شعری مجموعے منظرِ عام پر آ چکے ہیں ۔

۱۔ تبسمِ غم — جون ۱۹۶۶ء
۲۔ آنسو میرے دامن تیرا — ۱۹۷۲ء (دیوناگری)

۳۔ مزاج ۱۹۹۰ء

۴۔ آنکھوں آنسو ہوئی ۲۰۰۰ء

۵۔ میرا کیا ہے اپریل ۲۰۰۷ء

۶۔ آنکھوں آنکھوں رہے اپریل ۲۰۰۷ء

۷۔ موسم اندر کے باہر جون ۲۰۰۷ء

۸۔ اندازِ گزارش فروری ۲۰۰۹ء

مشاعروں میں شرکت :۔ علی گڑھ یونیورسٹی کی اسٹوڈنٹس یونین کی طرف سے ہر سال سالانہ مشاعرے کا انعقاد ہوتا ہے ۔ ۱۹۶۱ء کے سالانہ مشاعرے میں جن حضرات کو مشاعرہ پڑھنے کی دعوت دی تھی ۔ اُن حضرات میں سلام مچھلی شہری ، دلاور فگار ، نشور واحدی ، شمیم کرہانی ، فرقت کاکوری ، مشیر جھنجھانوی وغیرہ اسی مشاعرے میں وسیم بریلوی کو بھی مشاعرہ پڑھنے کی دعوت دی تھی ۔ یہ مشاعرہ دونشستوں پر محیط تھا ۔ پہلی نشست میں دلاور فگار کے علاوہ کوئی نہ مستقل پڑھ سکا ۔ دوسرے نشست میں جب بصیر احمد خان جو مشاعرے کے ناظم تھے نے وسیم بریلوی کو مشاعرہ پڑھنے کی دعوت دی تو انہوں نے شروع میں سامعین سے کہا میں صرف دوشعر پڑھوں گا اور آپ اطمینان سے سُن لیں ۔ پھر ایک قطعہ پڑھا کر آلہ مکبر الصوت (Mike) سے واپس لوٹ آے تو سامعین نے تکرار کیا تو دوبارہ بلائے گئے پھر چار غزلیں پڑھیں یہ تھا مذبح اور ہوٹنگ فیسٹول میں وسیم بریلوی کا پہلا مشاعرہ مسحور کن طرز میں ، سادہ و عام فہم زبان میں چند اشعار گوش گزار کرتے ہیں جو سامعین کے دلوں کو اسیر بھی

اور شعری دنیا کے مسافروں کو نئی جہت بھی عطا کرتے ہیں۔ سامعین وسیم بریلوی کے کلام سے محفوظ ہونے کے لیے رات کے آخری حصے تک مشاعروں کی زینت بنے رہتے ہیں۔ وسیم بریلوی نے جہاں میلوں ٹھیلوں کے مشاعروں میں شرکت کی وہاں عظیم الشان مشاعروں میں بھی ہندوستان کے علاوہ پاکستان، امریکہ، دبئی، شارجہ، قطر، مسقط، کینڈا، سعودی عرب اور بحرین میں شرکت کی ہے۔ مشاعروں کے بے تاج بادشاہ اور مقبول ومعتبر شاعر ہیں اور دنیا کے قابل الذکر مشاعروں میں وسیم بریلوی کی موجودگی کامیابی کی ضمانت ہے اور اُردو دنیا میں اُن کی شاعری کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ پروفیسر آفاق صدیقی نے لکھا ہے:۔

''مشاعروں کے بڑے کامیاب شاعر جن کے ڈنکے دنیا کے ہر

اس ملک میں بج رہے ہیں جہاں شاعر اور مشاعرے موجود ہیں۔''[11]

وسیم بریلوی کے کلام کا جادو نہ صرف سامعین و قارئین بلکہ عظیم شعراء کے سروں پر بولتے دیکھا گیا ہے۔ مثلاً خمار بارہ بنکوی، کنور مہندر سحر، شمیم جے پوری، شمیم کریانی، ناظر خیامی، کیف بھوپالی وغیرہ۔ کھرے، سچے، خوش اخلاق، ایماندار و رواداد، خودار و پرہیزگار، مخلص دوست، رفیق و شفیق استاد، معتبر پیکر روحانیت، فیاض منبع علم و عمل، صاحب ادراک و صاحب اختیار، صاحب دیوان و صاحب زبان صاحبِ غیرت و صاحبِ سیرت، صالح و متقی، صادق القول اور مرکز دل و نگاہ شخص زاہد حسن وسیم بریلوی ہے جو از شباب تا ایں دم با وضو رہتے ہیں۔ نماز و روزہ کے پابند ہیں لیکن تشہر کبھی نہیں کرتے دورانِ سفر مزاروں سے گزرتے وقت دستِ دعا ضرور اُٹھاتے ہیں اور صاحبِ مزاروں سے روحانی فیوض حاصل

کرتے ہیں جو اُن کی روحانی غذا ہے ۔ ۶ فروری ۱۹۷۲ء کو جشنِ وسیم منعقد ہوا تھا۔ وسیمؔ بریلوی کی شخصیت میں علمیت و روحانیت کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے ۔ اُن کی شخصیت کا ایک منفرد پہلو تدریسی خدمات بھی ہے ۔ ڈاکٹر ایم قیصر نے لکھا ہے جو اس عظیم شخص ، کامیاب شاعر اور رفیق و شفیق استاد کی شخصیت پر دلالت کرتا ہے:

''بیشتر طلبا ان کی غلامی پر فخر کرتے ہیں ......شخصیت یقینی طور پر ایک انجمن کا درجہ رکھتی ہے ۔ اُن کے قالب میں فطری اور خدا داد شاعر......''[۱۲]

معظم علی اپنے تاثر میں لکھتے ہیں جو وسیمؔ بریلوی کی طہارت اور ایمانداری پر دلالت کرتا ہے:

''وسیمؔ صاحب جو کل تھے وہی آج ہیں انہوں نے اپنی گھنیری گھنیری جوانی کے دنوں میں اپنے آپ کو باوضو رکھا ۔ اب ایسے باکمال اور بے مثال کردار کو تولنے کے لیے میرے پاس کوئی ترازو نہیں ۔''[۱۳]

الحاصل اس عظیم شخص کی شخصیت اہم خصوصیات سے مملو ، ذات جملہ اوصاف سے متصف اور فطری اور خدا داد شاعر عطیۂ ایزادی کے لوزامات سے پُر ہے ۔ علاوہ ازیں حُب و جذبۂ خدمتِ خلق و ادب اُن کی نس نس میں سرایت کر چکا ہے ۔ اس لئے وسیمؔ بریلوی کی شخصیت ایک انجمن کا درجہ رکھتی ہے ۔ قومی اُردو کونسل کے صدر دفتر میں انہوں نے کہا کہ:

''زردوزی، نقاشی، برتن سازی اور دستکاری جیسی صنعت و حرفت سے جڑا طبقہ محنت کی تھوڑی ہی اجرت پاتا ہے۔اور گمنامی کی زندگی جی رہا ہے۔''[۱۴]

الحاصل وسیم بریلوی کی اس دارالعمل کے ہر طبقے کے ہر فرد پر نظر بہت گہری ہے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مزدور کو پوری اجرت ملنی چاہیئے اور صاحبِ حق کے حق پر غاصبانہ قبضہ نہیں ہونا چاہیئے۔وسیم بریلوی کی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ وہ اپنی خودی کو کبھی بھی مجروع نہیں ہونے دیتے۔شاعری کی طرح شخصیت کا یہ نمایاں ومنفرد پہلو بھی اُن کو مرحوم رفیعہ بیگم سے بطورِ وراثت ملا ہے۔خودی کو انہوں نے شاعری میں بھی برقرار رکھا ہے:

یہ سر عظیم ہے جھکنے کہیں نہ پائے وسیم
ذرا سی جینے کی خواہش پر مرجانا نہیں آتا

وہ اشعار جو زبان زد ہوں شاعری کی جان اور شخصیت کی پہچان ہوتے ہیں۔ وسیم بریلوی کے بہت سے اشعار زبان زد ہو چکے ہیں۔جن کی رسائی سیاسی، سماجی اور ادبی جلسوں سے لے کر لوگ سبھا اور راجیہ سبھا تک ہی محدود نہیں بلکہ شکستہ دلوں کو پیغامِ زندہ دلی بھی دیتے ہیں۔اشعار ملاحظہ ہوں:

اصولوں پر جہاں آنچ آئے ٹکرانا ضروری ہے
جو زندہ ہو تو زندہ نظر آنا ضروری ہے

غریب لہروں پر پہرے بیٹھائے جاتے ہیں
سمندروں کی تلاشی کوئی نہیں لیتا

اس دور منصفی میں ضروری نہیں وسیمؔ
جس شخص کی خطا ہو اسی کو سزا ملے

تھکے ہارے پرندے جب بسیرے کیلئے لوٹیں
سلیقہ مند شاخوں کا لچک جانا ضروری ہے

جو مجھ میں تجھ میں چلا آرہا ہے برسوں سے
کہیں حیات اُسی فاصلے کا نام نہ ہو

جہاں رہے گا وہیں روشنی لٹائے گا
کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

وسیمؔ بریلوی نے نصرت ظہیر کے ایک سوال کے جواب میں کہا۔ ملاحظہ کریں:

''زندگی کے ہر مرحلے پر میرا رویہ مثبت رہا ہے مشاعروں اور ادب کی دنیا میں رقابتیں، سازشیں اور گروہ بندیاں چلتی رہتی ہیں مگر میں کبھی ان میں شریک نہیں رہا۔ میں منفیت کا قائل نہیں ہوں۔'' [۱۵]

''اُردو دنیا'' کے اداریہ نے لکھا ہے کہ:

''اُردو مشاعروں کی ''نصف صدی'' کا دوسرا نام ہے وسیم بریلوی۔ دنیا کا کون سا ایسا خطہ، براعظم، ملک یا شہر ہوگا جہاں اُردو والوں کی محفلیں جمتی ہوں اور وہاں کسی نہ کسی مشاعرے میں پروفیسر وسیمؔ بریلوی کو شرکت کے لیے نہ بلایا گیا ہو............اب تک انہوں نے کتنے مشاعروں پڑھے ہیں اس کا کوئی باضابطہ ریکارڈ اُن کے پاس نہیں ہے۔ ہوتا تو ان کا نام گنز بک آف ریکارڈ میں اُردو کے سب سے زیادہ مشاعرے پڑھنے والے شاعر کے طور پر درج ہو چکا ہوتا۔''[۱۶]

الحاصل وسیمؔ بریلوی کی شخصیت ہمہ گیر ہے نیز فعال انجمن اور زندہ ومحترک تحریک ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کی حیات وشخصیت میں منفرد چمک دل کشی ہے۔

وسیمؔ بریلوی کی شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ کی طرح اُن کے ہاں دوستی میں مذہب کی کوئی قید نہیں ہے۔ جہاں دوستی کے آثار دیکھتے تو بلا مذہب دوستی کے حقوق بخوبی ادا کرتے ہیں اگر کوئی ذرہ ترچھی آنکھ سے دیکھتا ہے تو اس کی طرف کبھی بھی نہیں دیکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں انہیں اپنے دوستوں کے روٹھ جانے کا شدید احساس بھی ہوتا ہے۔ جس کا اس واقع سے بخوبی پتہ چلتا ہے۔ جب وسیمؔ بریلوی رام پور کے مرتضیٰ اسکول میں زیرِ تعلیم تھے۔ اُن کا ایک دوست جس کے والد ڈاکٹر تھے جب وہ

دوست وسیم بریلوی کے گھر آیا تو اُن کے کچے گھر اور طرزِ زندگی کو دیکھ کر وسیم سے بہت بے دل ہوا نیز تعلقات بھی ترک کر دیے جس کا وسیم کو بے حد احساس ہوا۔

اگر چہ وسیم بریلوی کے دوست واحباب کی فہرست بہت لمبی ہے۔اختصاراً پیش کرتا ہوں ۔ فاروق رحمانی،مشکور علی ،محشر بدایونی ،مرحوم نعیم خان ،منظور احمد،اختر نظامی ،مرحوم رئیس احمد صدیقی ،مرحوم محمد عابد،علوی وغیرہ وغیرہ وسیم بریلوی کے احباب کا حلقہ نہ صرف قومی سطح تک محدود ہے بلکہ بین الاقوامی سطح تک پھیلا ہوا ہے۔علاوہ ازیں اُن کی ہمہ گیر شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ وہ صرف اُردو شاعری کے شاعر ہی نہیں بلکہ ہندی زبان کے بھی شاعر ہیں جنہیں اُردو مشاعروں کی طرح ہندی شاعری کی محفلوں میں مقبولیت حاصل ہے۔

انعامات واعزازات :۔ جہاں تک وسیم بریلوی کے انعامات اعزازات کا تعلق ہے وہ نہایت خوداراور ایماندار ہیں ۔کبھی بھی انھوں نے کسی انعام واعزاز کے حصول کی خاطر کسی کے در پر جا کر دریوزہ گری نہیں کی ۔ وہ ایک خط میں لکھتے ہیں ’’دومرتبہ مجھے بتایا گیا کہ یوپی سے آپ کا نام منظور ہوا ہے ’’پدم شری ایوارڈ‘‘ کے لئے ۔آپ اس کے حصول کے لئے دہلی سے کوشش کریں ۔ میں نے اُن سے کہا کہ اگر انعام اور ایوارڈ کوششوں سے ملتا ہے تو میں اس سلسلے میں بہت نا کارہ ہوں میں ایوارڈ کے حصول کے لیے کسی کے گھر نہیں جاؤں گا۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ مجھے لوگوں نے پسند کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وسیم بریلوی نے حصولِ انعام واعزاز کی خاطر دریوزگرہ نہیں کی ہے مگر اُن کی ادبی ،سماجی ،تعلیمی

خدمات کے علاوہ عالمی شاعری اور مشاعروں میں اُن کی شہرت اور مقبولیت نیز روز افزوں عوام کی پسندگی کے ساتھ ساتھ ان کی ہمہ گیر شخصیت کو دیکھ و پرکھ کر نہ صرف ریاستی وقومی سطح پر بلکہ بین الاقوامی پر بھی انعامات سے نوازہ ہے

نمبرشمار:	انعامات واعزازات	ادارے
۱۔	امتیاز میر	میر تقی میر اکادمی لکھنؤ
۲۔	غزل	ہندی اُردو سنگم لکھنؤ
۳۔	اعلیٰ تخلیقی	کلا اسمرتی لدھیانہ
۴۔	سائیتہ ایوارڈ	کل ہندی اُردو لکھنؤ
۵۔	غزل	انجمن امروہہ کراچی پاکستان
۶۔	غزل	ایلٹ کالج کراچی پاکستان
۷۔	نسیم ایوارڈ	دی عثمانینس شکاامریکہ
۸۔	ساہتیہ سارسوت	ہندی ساہتیہ سمیلن پریاگ
۹۔	ادبی اعزاز	گہوارہ ادب یو اس اے
۱۰۔	آنریری سٹیزن شپ اور گڈ ول المبیسڈر	ہیوسٹن سٹی کاؤنسل ٹیکساس امریکہ
۱۱۔	فراق انٹرنیشنل	
۱۲۔	سردار جعفری لٹریری ایوارڈ	ٹیکساس امریکہ
۱۳۔	کیفی اعظمی ایوارڈ	

۱۴۔ NSA Us Maniar Grealir Aaward

۱۵۔ جدہ ایوارڈ جدہ

۱۶۔ ہندی اُردو ایوارڈ لکھنؤ

۱۷۔ مسلم یونیورسٹی مشاعرہ ایوارڈ علی گڑھ

۱۸۔ منیز نیازی پاکستان

۱۹۔ حمیرہ رحمٰن نیویارک

۲۰۔ عشرت آفریں

۲۱۔ ہوسٹس امریکہ

۲۲۔ حیات ایوارڈ، فراق ایوارڈ، سردار جعفری ایوارڈ

حوالہ جات

۱۔ لمحے لمحے (وسیم بریلوی نمبر) ص،۲۹۴

۲۔ لمحے لمحے (وسیم بریلوی نمبر) ص،۳۴

۳۔ لمحے لمحے (وسیم بریلوی نمبر) ص،۳۴

۴۔ لمحے لمحے (وسیم بریلوی نمبر) ص،۳۶۴

۵۔ لمحے لمحے (وسیم بریلوی نمبر) ص،۳۰۵

۶۔ لمحے لمحے (وسیم بریلوی نمبر) ص،۱۳۰

۷۔ لمحے لمحے (وسیم بریلوی نمبر) ص،۲۹۱

۸۔ اُردو دنیا ص،۲۶

۹۔ ایضاً۔ ص،۳۲۶

۱۰۔ ایضا۔ ص،۱۸۸

۱۱۔ ایضاً۔ ص،۳۲۳

۱۲۔ ایضاً۔ ص،۹۵

۱۳۔ اُردو دنیا۔ ص۹

۱۴۔ لمحے لمحے (وسیم بریلوی نمبر) ۱۸۸

۱۵۔ ایضاً ص،۱۲۳

۱۶۔ ایضاً ص،۹۵

باب دوم

وسیمؔ بریلوی: غزلیہ شاعری (موضوعات)

- غم
- زخمِ جگر، غبارِ دل
- زمانہ اور گردشِ زمانہ
- موت
- زندگی
- معرکۂ حق و باطل
- معاملہ بندی
- حب الوطنی
- دیگر اہم موضوعات
- جدید موضوعات
- خمر، جام، ساقی اور ساغر
- آزادہ روی
- حسن و عشق
- تصوف

موجودہ اردو دنیا بالخصوص شاعری کی دنیا کے عالمی منظرنامے میں ایک غزل گو جن سے میری مراد زاہد حسن ہے جن کو غزل گوئی پر دسترس حاصل ہے جن کا شمار صف اول کے شعراء حضرات میں ہوتا ہے جن کو شاعری کی دنیا میں ''وسیؔم بریلوی'' کے نام سے جانا پہچانا اور مانا جاتا ہے۔ راقم کا دعویٰ ہے کہ وسیؔم بریلوی نہ صرف صف اوّل کے غزل گو بلکہ غزل خواں وغزل سرا شاعر ہیں۔ جن کو ایوان ادب اور مشاعرے کے پنڈال میں یکساں قبولیت حاصل ہے۔ ''قبول خاطر ولطفِ سخن خداداد است'' کے مصداق جن کا کلام عوام وخواص دونوں کے لئے نہ صرف فیض نشاں ہے بلکہ فیض گستر ہے اور شب کے آخری حصے تک سامعین اُن کے کلام سے فیوض حاصل کرنے کے لئے منتظر رہتے ہیں اگر چہ انتظار کے لمحے دل سوز ہوتے ہیں ڈاکٹر ایم قیصر رقمطراز ہیں کہ:

> ''بریلی کالج کی دہلیز پر قدم رکھتے وقت میں جانتا تھا کہ وسیم صاحب کا شمار ملک کے نامور شعراء میں ہوتا ہے۔ بریلی جونیئر کلب اور نگر پالیکا کرمچاری سنگھ کی جانب سے منعقد کئے جانے والے کل ہند مشاعروں میں میں ان کی شاعری اور ان کے فن کا جادو جب نہ صرف سامعین بلکہ خمار بارہ بنکوی، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، شمیم جسے پوری، کیف بھوپالی، شمیم کرہانی اور ناظؔر خیامی جیسے شعراء کے سروں پر بولتے ہوئے دیکھا''[1]

مندرجہ بالا سطور اور حوالہ سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کے فن کا جادو نہ صرف

سامعین و قارئین، عوام و خواص بلکہ اُردو شاعری کے اہم شعراء حضرت کے سروں پر بھی بولتا ہے جو اُن کے فن پر دسترس کا پختہ ثبوت ہے۔ وسیم بریلوی کے با قاعدہ ادبی سفر کے آغاز سے ۱۹۶۵ء تک کا کلام ''تبسم غم'' میں موجود ہے۔ اس مجموعۂ کلام کی سرغزل ملاحظہ کریں ۔

خوب سمجھے حیات کا مفہوم
لبِ تبسم سے ہو گئے محروم

اجنبی دل میں مسکراتا رہا
تیرا غم بھی ہے کس قدر معصوم

فیصلہ حسن و عشق کا نہ ہوا
کون ظالم ہے کون ہے مظلوم

ہنس رہا ہوں کہ لوگ ہنستے ہیں
دل کی حالت کسی کو کیا معلوم

حسن سب ناز عشق سارا نیاز
پھر بھی دونوں ہیں لازم و ملزوم

تیری دنیا میں آکے بھول گیا
زندگی کا بھی تھا کوئی مفہوم

کون ہے میکدے میں میرے سوا
التفات و شراب سے محروم

شعر و آنسو میں فرق کیا ہے وسیمؔ
دونوں رکھتے ہیں ایک غم منظوم

مندرجہ بالا غزل آٹھ اشعار پر محیط ہے اشعار 'شعر' کی جمع ہے نہ کہ 'شیر' کی جمع ہے جو جنگلی جانور اور جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے شعر موزوں، مقفی و مسجع با معنی اور منظوم کلام ہوتا ہے جو حساس و موزوں طبع کی ایجاد ہوتا ہے اور شعر وہ ظرف جو اپنے اندر ہر موضوع کو پیش کر سکتا ہے۔ غم کے موضوع کو وسیمؔ بریلوی نے مندرجہ بالا غزل کے مقطع میں پیش کیا ہے جو شعر کی تعریف بھی ہے ملاحظہ کریں ۔

شعر و آنسو میں فرق کیا ہے وسیمؔ
دونوں رکھتے ہیں ایک غم منظوم

میں نے دو الفاظ ایک 'شعر' اور دوسرا 'شیر' کا ذکر کیا ہے اب ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ شعر کے ساتھ شیر کا بیان کیوں ہوا ہے۔ اگر اس کا مدلل و مناسب جواب نہ دیا جائے تو یہ تحقیق کی حق تلفی ہوگی۔ جہاں تک اول الذکر لفظ 'شعر' کا تعلق ہے شاعری کی دنیا میں یہ لفظ لکھا تو جا رہا ہے مگر وقت ادائیگی اس کا تلفظ اکثر و بیشتر ''شیر'' ہوتا ہے جو اول الذکر لفظ کے معنی کو واضح نہیں کر سکتا۔ الحاج مولوی فیروز الدین نے لغت ''جامع فیروز اللغات'' میں اول الذکر لفظ کا تلفظ ''شعر'' لکھا ہے جو عربی زبان کا لفظ ہے اور جنس کے اعتبار سے مذکر ہے۔ جس کے کئی معانی ہیں۔ مثلاً جاننا، کسی باریک چیز کا جاننا، موزوں مقفیٰ کلام، سخن موزوں۔ اس کے علاوہ قرآن کریم جو عربی زبان کا مخزن و منبع ہے، بھی مذکورہ بالا اول الذکر

لفظ کے تلفظ پر دلالت کرتا ہے سورہ یاسین جو ترمذی کی حدیث کے مطابق قرآن کریم کا دل ہے، کی ایک آیت وجہ موجہ ہے۔ وَمَا عَلَّمْعه الِشّعر . (اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا)

مندرجہ بالا آیہ قرآنی کا سب نزول، مفسر قرآن حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے تفسیر خزائن العرفان میں لکھا:

''کفار قریش نے کہا تھا کہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) شاعر ہیں اور جو وہ فرماتے ہیں یعنی قرآن پاک وہ شعر ہے اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ (معاذ اللہ) یہ کلام کاذب ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ان کا مقولہ نقل فرمایا گیا ہے: ''بل افتراہ بل ھو شاعر'' اسی کا اس آیت میں رد فرمایا گیا ہے''۔ ۲

آمد برسر مطلب'' غم کے موضوع کا ذکر ہو رہا تھا ایک طرف وسیم بریلوی نے شعر و آنسو کو غم منظوم قرار دیا ہے تو دوسری طرف انہوں نے محبوب کے غم کی معصومیت کو بھی غزل کا موضوع بنایا ہے۔ ملاحظہ کریں

اجنبی دل میں مسکراتا رہا
تیرا غم بھی ہے کس قدر معصوم

وسیم بریلوی نے عشقیہ موضوع کو مذکورہ قبل الذکر غزل میں بیان کیا ہے عشق جو زندگی کی علامت ہے، موت کی خواہش نہیں۔ امثلہ ملاحظہ کریں

فیصلہ حسن و عشق کا نہ ہوا
کون ظالم ہے کون ہے مظلوم

حسن سب ناز عشق سارا نیاز
پھر بھی دونوں ہیں لازم و ملزوم

وسیمؔ بریلوی نے خمر کو موضوعِ سخن بنایا ہے مثال ملاحظہ کریں

کون ہے میکدے میں میرے سوا
التفات و شراب سے محروم

وسیمؔ بریلوی نے آزادہ روی کو بھی موضوعِ سخن بنایا ہے جو غزل کے تین اہم موضوعات میں سے ایک اہم موضوع ہے جس میں ہدفِ طنز کے علاوہ قواعد وضوابط کی زنجیریں حیات کے حقیقی مفہوم سے برطرف و نا آشنا کر دیتی ہیں امثلہ ملاحظہ کریں :

تیری دنیا میں آکے بھول گیا
زندگی کا بھی تھا کوئی مفہوم

خوب سمجھے حیات کا مفہوم
لب تبسم سے ہو گئے محروم

غزل کے تین اہم موضوعات میں سے ایک اہم موضوع تصوف بھی ہے۔تصوف کے معنی ہیں تزکیۂ نفس اور دل کی خواہشات کو برطرف کر کے خالق کائنات سے لو لگانا۔اس اہم موضوع کو بھی وسیمؔ بریلوی نے مذکورہ قبل الذکر غزل میں برتا ہے مثال ملاحظہ کریں:

اجنبی دل میں مسکراتا رہا
تیرا دل بھی ہے کس قدر معصوم

اگر چہ ''غزل'' کا نشان امتیاز ہیئت ہے ہیئتی صنف سخن ہونے کے باوجود غزل اپنے نہایت اہم موضوعات کی وجہ سے بھی نمایاں و ممتاز مقام کی حامل ہے۔ اہم موضوعات (حسن و عشق، تصوف اور آزادہ روی) ہیں۔ علاوہ ازیں غزل کے دیگر تمام موضوعات کا منبع و مصدر یہی ثلاثہ موضوعات ہیں۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ صنف غزل کا خمیر کس سے وجود میں آتا ہے تو اس سوال کا جواب انہی مندرجہ بالا ثلاثہ موضوعاتِ غزل میں پنہاں ہے بالخصوص غزل کا خمیر عشقیہ موضوعات سے اٹھتا ہے۔ جب عشقیہ موضوعات سے صنف غزل کا خمیر اُٹھتا ہے تو پھر یہ پودا جذبہ کی زمین میں اپنی نشو و نما کی منزل طے کرتا ہے۔ جذبہ ایک پائیدار و برقرار شے ہے جس کا مصدر و مخزن دل ہے۔ حس ظاہری، حسن باطنی، نیز حسن مشترک سے محسوس کی ہوئی صورتوں کو قبول کر کے ایک خزانے میں جمع کر دیتی ہے یہ خزانہ خیال ہے یہ صورتیں خیال کی انتہائی حد تک آتے آتے اپنے اپنے نقوش دل پر ثبت کر دیتی ہیں۔ یہ مستند ہے کہ ایک عام آدمی کے مقابلے میں شاعر کی قوت حس زیادہ سرگرم ہوتی ہے۔ ایک شاعر کے مقابلے میں صف اول کے شاعر کی قوت حس اس سے بھی زیادہ سرگرم ہوتی ہے اور وہ شاعر جس کو ادبی حلقوں اور مشاعروں میں یکساں پذیرائی بھی حاصل ہو غزل گوئی و غزل خوانی کے علاوہ غزل سرا بھی ہو تو اس کی قوت حس نہایت سرگرم ہوتی ہے نیز شاعر بھی بین الاقوامی ہو تو اس کی قوت حس بے مثل و بے مثال ہوتی ہے۔

ڈبو رہا ہے کہاں دور عاشقی مجھ کو
بہت قریب سے تکتی ہے زندگی مجھ کو

کون تخیل کی وادی میں ہے آہستہ خرام
رہ گئے چھا کے خیالات کے اوپر سکتے

عالم عشق وفا سے آرہی ہے یہ خبر
راہِ میں تاریکیاں ہیں روشنی منزل میں ہے

خوشیوں سے اُترتے ہیں جب سینے میں غم پہلے
احساس کی منزل پر جمتے ہیں قدم پہلے

کتنا محسوس کیا تھا غم دنیا ہم نے
تیری محفل میں بھی پہنچے تو پریشان رہے

زمانے ! راہ میں چھوڑے تو جارہا ہے مجھے
مری کمی تجھے محسوس ہر قدم ہو گئی

یہ نکتہ یاد رہے کہ عشقیہ مضامین، جذبہ، حواس اور حوصلہ چار عنصر مٹی ،ہوا، پانی اور آگ کی طرح غزل کی نشو ونما میں وہی کار منصبی سرانجام دیتے ہیں جو مندرجہ بالا چار عنصر انسانی حیات میں سرانجام دیتے ہیں۔صنف غزل کا بیج عشقیہ مضامین سے تیار ہو کر جذبہ کی زمین میں اگتا ہے پھر حس وحواس اس پودا کو تمازتِ آفتاب عطا کرتا ہے جس سے یہ پودا ہرا بھرا رہتا ہے اگر حس وحواس باختہ ہیں تو یہ پودا مرجھا جائے گا ورنہ حس وحواس بیدار ہونے کی

بناء پراس کی ہریالی روزافزوں ہوگی اوراگرکاشت کار(شاعر) حوصلہ مند ہےتو یہ پوداثمردار وپھلدار ہوگا۔اگرکاشت کار پست حوصلہ ہےتو یہاں پھراس کےمرجھانے کاامکان ہے۔

غم سے گھبرا کے یہ چاہا تھا کہ مر جائیں وسیمؔ
جذبۂ عشق پکارا کہ نہیں مر سکتے

میں گردش دوراں کو سمجھنے کے لئے آج
الجھا کے تری زلف کے خم دیکھ رہا ہوں

ہر ایک گام پہ خاروں نے پیش گامی کی
رہ وفا میں مسافر نواز کم نہ ملے

کب دل مرا اُداس نہیں آنکھ تر نہیں
یہ میرا ظرف ہے کہ تمہیں کچھ خبر نہیں

آسان نہیں سورج کی دنیا میں پہنچ جانا
شبنم نے بھی رکھے تھے شعلوں پر قدم پہلے

خشک آنکھیں ہیں تو دل ہی مرا ویران ہے
کچھ تو اے گردشِ دوراں تری پہچان رہے

میں مسافر غمگین ہوں جس کے ساتھ وسیم
خزاں کے دور بھی کچھ دور چل کے چل نہ سکے

فیصلہ حسن وعشق کا نہ ہوا
کون ظالم ہے کون ہے مظلوم

حسن سب ناز عشق سارا نیاز
پھر بھی دونوں ہیں لازم وملزوم

مندرجہ بالا اشعار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وسیم بریلوی کی حس وحواس باختہ نہیں بلکہ بیدار ہونے کے ساتھ باہمت اور باحوصلہ ہے۔ چونکہ غزل کی زبان اشاروں کی زبان ہوتی ہے اور غزل کا اہم اعجاز اختصار وایمائیت ہے ڈاکٹر نجم رحمانی رقمطراز ہیں:

''غزل اشاروں کی زبان ہے یہاں اندازِ سخن جتنا بالواسطہ ہوگا اتنا ہی دلنشین قرار دیا جائے گا''۔[۳۲]

وسیم بریلوی نے ایجاز واختصار کو مدنظر رکھتے ہوئے موضوعِ غم کو نہایت فنی دسترس و قدرتِ زبان کیساتھ مغموم دل کی ترجمانی کی ہے۔اشعار بطور نمونہ ملاحظہ کریں

رشتوں کو بار بار سمجھنے کی آرزو
کہتی ہے پھر ملے تو کوئی بے وفا ملے
ملال بھی ہو تو لب آشنا نہیں ہوتا

جہاں دلوں میں فاصلہ نہیں ہوتا
تیرے غم سے کنارہ کش ہوکر
دل ہے اور دل کی بے لباسی
یہ دل کہ جس کی رسائی میں کیا نہیں ہوتا
دکھے بغیر کسی کامِ کانہیں ہوتا
چاہوں بھی ، تو دل میں تیرے گھر نہ کرسکوں
یہ اعتبار کا رشتہ اک ایسا نشہ ہے
کہ میں بچھڑ کے بھی تجھ سے جدا نہیں ہوتا
(آنکھوں آنکھوں رہے، وسیم بریلوی)
آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات تو کرکے دیکھتا
اتنا بھی اعتماد اُسے اپنی نگاہ پر نہیں
تمام عمر نہ جڑنے کا غم اٹھاتے ہیں
وہ اعتبار کے رشتے جو ٹوٹ جاتے ہیں
طرح طرح ترے بارے میں سوچ کر دیکھنا
مگر کسی بھی طرح اعتبار کم نہ ہوا
نہ آس ٹوٹی ، نہ آنکھوں سے انتظار گیا
اک اعتبار پر میں ایک عمر ہار گیا

(وسیمؔ بریلوی)

جدائی، بدگمانی، اقرار فی انکار، شکوہ وشکایت اور اعتبار موضوع عشق کے بعض اہم پہلو ہیں جن کا تذکرہ وسیمؔ بریلوی نے کیا ہے الغرض مندرجہ بالا اشعار میں اعتبار اُٹھ جانے کو موضوع سخن بنایا ہے نیز استقامت علی اعتبار کی دعوتِ فکر بھی دی ہے:

وسیمؔ بریلوی نے ''آنسو لفظ اور پھیلتے رنگ'' میں لکھا ہے کہ ''غزل میری ذاتی جذباتی تربیتی مجبوری رہی''۴؎ اور ''سوچتے لمحے، جاتی دھوم'' میں وسیم بریلوی نے لکھا ہے کہ:

''کہنا صرف یہ ہے کہ غزل کی فکر انگیز لفظی ومعنوی تعمیم ہی آج اسے ایسے مقام پر لائی ہے کہ دیگر اصناف سخن اسے رشک سے دیکھنے پر مجبور ہیں۔ اردو شاعری کے ہر دور کا بڑا شاعر غزل گو ہی ہوا ہے۔ شاید اس لئے کہ غزل سے بڑھ کر کوئی دوسری صنف سخن انسانی مزاج کی ہر لمحہ بدلتی کیفیات کو اتنے واقعاتی انداز میں موضوع فکر بنا ہی نہیں سکتی...... اس لئے غزل کم سے کم لفظوں میں بڑی سے کہہ جانے کا ہنر جاتی ہے''۵؎

نصرت مہدی نے وسیمؔ بریلوی کو وارث میرؔ کہا ہے وہ رقمطراز ہیں:

''وسیم بریلوی کا کمال ہے کہ اُن کی غزل میں غم مسکراتا نظر آتا ہے''٦؎

خشک آنکھیں پلک بھی نم نہیں
اب کوئی آنسو شریک غم نہیں

کب دل مرا اداس نہیں آنکھ تر نہیں
یہ میرا ظرف ہے کہ تمہیں کچھ خبر نہیں

وسیم بریلوی کے مندرجہ بالا اشعار سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ وسیم بریلوی کا دل ہمہ وقت شدت غم کی وجہ سے اُداس رہتا ہے نیز آنکھ بھی ہر وقت تر رہتی ہے مگر ثبوت غم کے لئے نہ ہی آنسو ہیں اور نہ ہی لہو ہے بلکہ اعلیٰ ظرفی سے ہجوم غم کا مقابلہ کرتے ہیں مثال ملاحظہ کریں:

میں شراب پی رہا ہوں مرے پاس کیسی فرصت
کسی اور وقت غم سے کہو میرے پاس آئے

پلا اور اتنی کہ ایمان ڈگمگا جائے
ترا وسیم اسیر غم نجات نہیں

مندرجہ بالا اشعار سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ وسیم بریلوی نہ ہی غم کے اسیر ہیں اور نہ ہی غم سے غم آلودہ وغم زدہ ہیں بلکہ طوفان غم کے غواص ہیں اور ثبوتِ غم کے لئے اُنہوں نے اپنی آنکھ کبھی بھی تر نہیں کی ہے:

مری اُداس نگاہیں وسیم کافی تھی
ثبوتِ غم کے لئے آنکھ تر نہ کی میں نے

علاوہ ازیں وسیم بریلوی جہاں طوفانِ غم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہم کلام ہوئے وہاں اس طوفان کی موجوں کے نشیب وفراز سے مسافرانِ راہ کو باخبر بھی کرتے ہیں:

آنکھ لگنے نہ پائے کہیں راہ میں
پھر زمانہ کوئی چال چل جائے گا

وسیم بریلوی نے ذاتی غم کو اور اجتماعی غم کو بھی اصلاً بیان کیا ہے دونوں کی ایک ایک مثال ملاحظہ کریں:

جس کو لوگ آپس میں مل کر بانٹ لیں
زندگی ایسا بھی تیرا غم نہیں
اور کتنا محسوس کیا تھا غم دنیا ہم نے
تری محفل میں بھی پہنچے تو پریشان ہے

وسیم بریلوی نے آنسوؤں کے دریا میں نہانے کو اپنے اپنے کلام میں موضوع سخن بنا کر پیش کیا ہے۔ ''تبسم غم'' کی غزل ملاحظہ کریں۔

دل مغموم کیسا رونا ہے
کونسا گھر تجھے ڈبونا ہے
مسکراؤ ہمارے رونے پر
آج غم میں خوشی سمونا ہے
صبح گلشن سے کتنی دور ہیں وہ
جن کی صحرا میں شام ہونا ہے
بجلیوں پھونک دو نشیمن کو

ہو ہی جائے جو بات ہونا ہے

زندگی ہے تو زندگی کے لئے

زندگی بھر وسیمؔ رونا ہے

اشک آنکھوں میں آگئے ہیں وسیمؔ

آج افشائے راز ہونا ہے

وسیمؔ بریلوی کے کلام میں ایجاز واختصار، کنایات واشاریت اور پردہ داری بدرجہ اتم موجود ہے۔ موضوعِ غم کا ذکر ہورہا تھا اس موضوع سے متعلق شمیم کرہانی رقمطراز ہیں:

''غم کی تسلیم شدہ حقیقت کو میر تقی میرؔ سے لے کر آج تک کے شعراء نے موضوعِ سخن بنایا ہے، ہماری شاعری میں اس غم کی کہیں ہلکی اور کہیں گہری پرچھائیاں ملتی چلی آئی ہیں۔ میرؔ کا غم داخلی غم ہے، کہیں وہ اس سے بھی ہمیشہ ناکامیوں میں کام لیتا ہے۔ فانیؔ کے یہاں یہ غم پرستی اور بھی داخلیت اختیار کر لیتی ہے، جب وہ اس غم انگیز حیات کے دیوانے سے تعبیر کرتا ہے لیکن ہمارے اس عہد کا نوجوان مفکر وسیمؔ بریلوی اس داخلی غم سے سماجی اور انسانی غموں کا نشاطیہ درماں تلاش کرتا ہے اس کے یہاں وہ فنکار قلم ہے جو انسانی حیات کے اس حزنیہ پہلو کو بھی بھرپور تاثر کے ساتھ پیش کرنے پر قادر ہے اور ایک انبساط انگیز اور حوصلہ افزا مستقبل کو جنم دینے کی سعی کرتا

ہے‘‘وسیم کے یہاں ’’غم‘‘ علامت مرگ ہوتے ہوئے بھی زندگی کا
عکاس ہے اس نے کوشش کی ہے کہ وہ اس کرہ ارض پر بسنے والے
تمام انسانوں کو چھوٹے بڑے داخلی اور خارجی مسائل غم کو صرف پیش
کر کے چھوڑ نہ دے بلکہ ایسا راستہ بھی بتا دے جس پر چل کر غمزدہ
انسان دائمی مسرت پرنورِ اُفق کو چھولے‘‘۔[۷]

مندرجہ بالا حوالہ سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ وسیمؔ بریلوی نے ’’غم‘‘ کو موضوع سخن
بنا کر سماجی غموم اور انسانی غموم کا صرف ذکر ہی نہیں کیا ہے بلکہ نشاطیہ علاج بھی عطا کیا جس
سے غم آلودہ انسان فرحت جاوداں سے لطف اندوز ہوسکتا ہے۔موضوعِ غم سے متعلق کئی
امثلہ پیش کر چکا ہوں لہٰذا یہاں نشاطیہ علاجِ غم کی چند امثلہ ملاحظہ کریں:

عالم عشق وفا سے آرہی ہے یہ خبر
راہِ میں تاریکیاں ہیں روشنی منزل میں ہے

شمع محفل جل اُٹھی اور جل گیا پروانہ بھی
دیکھنا یہ ہے اُجالا کس کے مستقبل میں ہے

بدل دیا تبسم کو چند اشکوں میں
بہت عزیز ہے دنیا! تیری خوشی مجھ کو

تری نگاہ کرم کو سمجھ کے کیا ہوگا
کہ اس سے اور مرے غم کی عمر کم ہوگئی

وسیمؔ جانب منزل قدم اٹھائے چلو
حیات راہ میں کام آئے کوئی بات نہیں

علاوہ ازیں غم وہ سرمایہ ہے جس کو رب العالمین چاہے اس کو یہ سرمایہ عطا کر دیتا ہے، نہ ہی اس سرمایہ کو اس دارالعمل میں آپس بانٹا جاسکتا ہے اور نہ ہی مال وزر کے عوض میں خریدا جاسکتا ہے۔اس کو وسیمؔ بریلوی نے موضوع سخن بنایا ہے ملاحظہ ہو

جس کو لوگ آپس میں مل کر بانٹ لیں
زندگی ایسا بھی تیرا غم نہیں

وسیمؔ بریلوی نے حادثات، درون بینی وکیفیت دل اور حیات کی مجبوریوں کو موضوع سخن بنایا ہے کلام سے مثال ملاحظہ کریں:

یہی حادثاتِ غم ہیں تو یہ ڈر ہے جینے والو
کوئی دن میں زندگی کا کوئی اور نام ہوگا

ہنس رہا ہوں کہ لوگ ہنستے ہیں
دل کی حالت کسی کو کیا معلوم

گلے میں ڈال کر باہیں غزل یہ کہتی ہے

چلو وسیم کہیں چل کر دل کی بات کریں
بجلیوں پھونک دو نشیمن کو
ہوہی جائے جو بات ہونا

مجھے حیات کی مجبوریاں نظر آئیں
نظر سے جب کوئی لوحِ مزار گذری

خوب سمجھے حیات کا مفہوم
لب تبسم سے ہوگئے محروم

حیات انھیں مل جن کو غم حیات نہیں
وہاں چراغ جلے جہاں پہ رات نہیں

روکے شب کاٹنی ہے جلتی ہے
شمع خود اپنی زندگی سے

ہر چند ہم نے روکے گذاری مگر وسیم
اس زندگی سے پھر بھی گریزاں نہیں رہے

جس کو لوگ آپس میں مل کر بانٹ لیں
زندگی ایسا بھی تیرا غم نہیں

میں کچھ اس طرح جیسا ہوں کہ یقین ہوگیا ہے
مرے بعد زندگی کا بڑا احترام ہوگا

اُس کو کاندھوں پہ لے جا رہیں وسیمؔ
اور وہ جینے کا حق مانگتا رہ گیا
وسیمؔ جینا وہیں تک بہت غنیمت ہے
کہ یہ جہاں تک کسی پہ بار نہ ہو
تلخیاں عمر بن گئیں وسیمؔ
زندگی کوئی بددعا سی ہے
نہ ہو آس کا سہارا تو وسیمؔ زندگی ہے
وہ صدا جو دی نہ جائے وہ دعا جو کسی نہ جائے
زندگی ہے اور دل ناداں ہے
کیا شعر ہے اور کیا سامان ہے
میں نے ہنس ہنس کر گزارا ہے تجھے
زندگی تجھ پہ مرا احسان ہے
ترے ساتھ رہنے پہ بس نہیں تجھے بولنا بھی محال ہے
میں کہاں گزاروں پہ زندگی میرے سامنے یہ سوال ہے
مشکلیں تو ہر سفر کا حسن ہیں
کیسے کوئی راہ چلنا چھوڑ دے
میں کتنے رنگوں میں ڈھلتا کب تک خود سے لڑ پاتا

جیون ایک سفر تھا جس نے روز نیا اک موڑ لیا
جیون کو اک جنگ سمجھ کر لڑنے والے ہی
دشمن سے چوکنے دوست سے بچ کے رہتے ہیں
زندگی بس میں تھی زندگی ہار دی
ایک تو تھا جو مجھ سے ہارا نہ گیا
سانس کا مطلب جان نہیں ہے
جینا کوئی آسان نہیں ہے
زندگی پھول سی نازک ہے مگرخوابوں کی
آنکھ سے دیکھو تو کانٹا سی نظر آئے ہے
تم کسی راہ سے آواز نہ دینا مجھ کو
زندگی اتنے سارے پہ ٹھہر جائے گی
آج بھی اس زندگی کی لاش میں
ہم لوگ زندگی کے لئے معتبر نہ تھے
ایک مجبور کے تبسم میں
اور سب کچھ ہے زندگی کم ہے

الحاصل مندرجہ بالا اشعار میں وسیم بریلوی نے محرومِ تبسم غمِ حیات ، بےبسی حیات ، روکے گذاردی ، ذاتی غم زندگی احترام ، زندگی بعدازموت ، جنازہ ، زیست ، قطرہ اوس ہے

زندگی ،حق زندگی ،عزم رہ زندگی ،تسلسل زندگی ، لاش زندگی غنیمت ہے جینا ، لاش اٹھائے تلخیاں زندگی ، صداودعاہے زندگی، مسافر ہے صاحب زندگی، سفر وسامان زندگی کہاں گذاروں، دکھاوے کی زندگی عجیب میدان جنگ،حسن سفر ہیں مشکلیں ، نیا موڑ سفر زندگی، جنگ جیون بارِ زندگی ، کانٹا و پھول ہے زندگی ، لاش زندگی انتظار زندگی اور مجبور تبسم جو راز ونشیب وفراز زندگی ہیں کو واضح کر کے موجودہ زندگی اور صاحب زندگی کی ترجمانی کی ہے۔

وسیم بریلوی حصولِ منزل کے تمنائی نہیں بلکہ سرراہ گذر بھٹکنے پر مطمئن ہیں۔ وسیم بریلوی نے بھی شعری روایت کو قائم رکھتے ہوئے سرراہ گذر کو موضوع سخن بنایا ہے۔

چھوڑ دو تم بھی مجھے سب کی طرح
راستو! میری کوئی منزل نہیں
سر راہگذر بھٹکنے پہ وسیم مطمئن ہوں
یہ سنا ہے جب سے منزل پہ سکون عام ہوگا

وسیم بریلوی

وسیم بریلوی نے شعری روایت کو قائم رکھتے ہوئے جہاں غبارِ دل اور خاموشی کو موضوع سخن بنایا ہے وہاں نسخہ وصل کو موضوع سخن بنایا ہے۔اشعار بطور نمونہ ملاحظہ کریں:

میرے شعروں کو تیری دنیا میں
میرے دل کا غبار لایا ہے

وسیم بریلوی

میری خاموشی کو سمجھے تو کوئی
اتنی شعروں میں بھی گہرائی نہیں

وسیم بریلوی

ہماری شاعری کی ایک روایت یہ بھی رہی ہے کہ غم کا ذریعہ نجات موت کو قرار دیا جاتا رہا ہے موت کو رحم کا سرچشمہ بھی ٹھہرایا ہے۔اس روایت کو وسیم بریلوی نے بھی قائم رکھا ہے مگر اُس موضوع کو نیا پہلو بھی عطا کیا ہے جو مندرجہ شعر سے اظہر من الشمس ہے:۔

اک تسلسل ختم ہو جاتا ہے وسیم
موت آجاتی اگر آرام سے
آج آجائے تو لمحاتِ جدائی کٹ جائیں
آج کی نیند کا آنکھوں پہ احسان رہے
عمر بھر کتابِ زندگی کا اک ورق
اورہوا کا ایک ہی جھونکا اُڑالے جائے گا
موت کو یوں یاد کرتے ہو وسیم
جیسے مرجانا بہت آسان ہے
زندگی نے کچھ ایسے لئے امتحاں
موت کاخوف تھا وہ بھی جاتا رہا

وسیم بریلوی

الحاصل وسیم بریلوی نے مندرجہ بالا اشعار میں آج آجائے ، ہوا کا ایک ہی جھونکا اورموت کا خوف تھا کے ذریعہ واضح کیا ہے کہ یہ موت ہی ہے جس سے انسان ڈرتا بھی ہے اور لمحات جدائی سے تنگ آکر موت ہی کو ذریعہ نجات بناتا ہے۔مگر موت کے بعد کیا ہوگا اس کو بھی وسیم بریلوی نے موضوع سخن بنایا ہے۔نیز تلخی موت اور بعد از موت کی جگر سوزِ منازل کی راہ کی طرف اشارہ بھی کیا ہے

میں گناہ گار بھی ہوں، میں گناہ گر بھی ،لیکن
مجھے کوئی ایسا ٹوکے جو گناہ گار کم ہے
اک آرزو کی تباہی کے ذمہ دار نہ ہو
گنہ سے روکنے والو ! گناہ گار نہ ہو،
کل رات اپنا جائزہ لے کر پتا چلا
مجھ سے بڑا تو کوئی گناہ گار ہی نہ تھا
عجب احساس ہے گرد گنہ چھوکر گزر جائے
تو اپنے آپ کو ہم دیر تک میلے سے لگتے ہیں
اس اک گناہ کی قیمت نہ جانے کیا ہوگئی
یہ سوچ کر میں ذرا دیر مسکرا نہ سکا

الحاصل مندرجہ بالا اشعار میں وسیم بریلوی نے گناہ احساس گناہ اور گناہ گار کو موضوع سخن بنا کر ان چہروں کو واضح کیا جو گناہوں میں ملبوس ہونے کے باوجود پاک دامنی کا مظاہرہ

کرتے ہیں اور دوسروں کو گناہ سے بچنے کا نسخہ دے رہے ہیں جس کی ترجمانی وسیم بریلوی نے کی ہے

خوشی کی دھوپ میں تلخی تھی، اس لئے اے دوست
حیات سایۂ غم میں گذار دی میں نے
شرطیں لگائی جاتیں نہیں دوستی کے ساتھ
کیجئے مجھے قبول مری ہر کمی کے ساتھ
میری ہی کمیوں پر جس کی نگاہ رہتی تھی
وہ کوئی اور کہاں ایک دوست تھا میرا
شام کے ساتھی عجب ہیں گھر پہ چھوڑیں گے کہاں
اک سے بچ بھی گئی تو دوسرا لے جائے گا

حضرت علی کا قول ہے کہ کمزور ہے وہ شخص جو کسی کو دوست نہ بنا سکے اور اس سے بھی کمزور وہ شخص ہے جو بنا ہوا دوست کھو دے" ایک قول حضرت علی کا یہ ہے کہ جس کو کسی ایسے دوست کی تلاش ہو جس میں خامی نہ ہو اسے کبھی دوست نہیں ملتا۔"

الحاصل مندرجہ بالا اشعار اور اقوال کے بغور مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ مخلص دوست کے بغیر انسان یتیم ہے اگرچہ دوست میں کوئی نہ کوئی خامی ضرور ہوتی ہے بقول حضرت علیؓ دنیا اس کو یتیم سمجھتی ہے جس کے ماں باپ نہ ہوں لیکن میں اس کو یتیم سمجھتا ہوں جس کے اچھے دوست نہ ہوں۔ علاوہ ازیں دوستی میں شرائط لگا غیر مفید اور بے سود ہیں اور

دوستی سمندر دل کی متقاضی ہوتی ہے۔ بقول حضرت علیؓ ''دوستی کا بھرم صرف وہی لوگ رکھ سکتے ہیں جن کے وجود میں سمندر جتنا دل ہو۔'' الحاصل ''حساب دوستاں دردل'' کے مصداق وسیمؔ بریلوی نے کہا ہے

جہاں رہے گا وہیں روشنی لٹائے گا
کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

میں اندھیروں کے سفر ناموں کا عنوان ٹھہرا
مجھ سے کیوں شمع جلانے کو کہا جائے ہے

یہ کیا ہے کہ آندھی کی مانند ہوتے جاتے ہیں
وہی چراغ بجھاتے جسے بجھانا تھا

جلاکے رکھ لیا ہاتھوں کے دامن تک
تمہیں چراغ بجھانا بھی تو نہیں آتا

صبا! مزاج کی تیزی بھی اک نعمت ہے
اگر چراغ بجھانا ہی ایک کام نہ ہو

روشنی دے گا مرے گھر کو کہاں ایسا چراغ
تیرے چہرے کی بدولت جو دکھائی دیتا ہے

وہ دل آپ مٹ رہیں گے تراغم اٹھا نہ جن سے
وہ چراغ کیا چلیں گے جنہیں شب نہ راس آئی

میں اُن چراغوں کی عمرِ وفا کو روتا ہوں
جوایک شب بھی مرے دل کے سات جل نہ سکے
مٹے وہ دل جو ترے غم کو لے کے چل نہ سکے
وہی چراغ بجھائے گئے جو جل نہ سکے

''نیکی کر دریا میں ڈال''اور''نیکی کرو خدا سے چاہو'' کے مصداق وسیم بریلوی نے چراغ کو اپنا موضوع سخن بنا کرواضح کیا ہے کہ جس طرح چراغ کسی گھر کا متقاضی نہیں ہوتا اسی طرح مجاہد بھی کسی صلہ کا خدا کے سوا طلب گار نہیں ہوتا۔الحاصل وسیم بریلوی نے مندرجہ بالا اشعار میں دل کی ترجمانی چراغ کے روپ میں کی ہے۔

جھوٹ کے آگے پیچھے دریا چلتے ہیں
سچ بولا تو پیاسا مارا جائے گا
چاہیئے جیسا کہ بھی بگڑ جائے زمان کا چلن
جھوٹ سے ہارتے دیکھا نہیں سچائی کو
دوستی سے صداقتیں روٹھیں
رہ گئی دشمنی میں سچائی

''سچ بولنا آدھی لڑائی مول لینا ہے'' کے مصداق وسیم بریلوی نے سچ کو موضوع سخن بنایا ہے نیز واضح کیا ہے کہ سچا جائے روتا آئے جھوٹا جائے ہنستا آئے۔

عندالتحقیق یہ واضح ہوجاتا ہے کہ وسیم بریلوی کا نوشتۂ تقدیر پر ایمان و یقین ہے یہ

قرآن کریم کے مطالعہ سے اظہر من الشّمس ہے کہ جب رحم مادر میں انسان میں فرشتہ روح کے ساتھ وہ خاک بھی اس حمل میں ڈال دیتا ہے جہاں وفات کے بعد اس انسان کی لاش رکھی جائے گی اور اسی وقت اس کا نوشہ تقدیر بھی تیار کیا جاتا ہے۔ اس پر ہر مومن کا ایمان و یقین ہے اس موضوع کو وسیم بریلوی نے موضوع سخن بنایا ہے ملاحظہ کریں

یہ راہِ صنم خانہ ہے وہ راہِ حرم ہے
کس راہ پہ اُٹھتے ہیں قدم دیکھا رہا ہوں
زمین کی کیسی ہی وکالت ہو پھر نہیں چلتی
جب آسماں سے کوئی فیصلہ اُترتا ہے
خواب دیکھوں خواب سے تعبیر ہوسکتی نہیں
جو بدل جائے مری تقدیر ہوسکتی نہیں

تقدیر عربی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی معنی ہے اندازہ ، مقدار قسمت ، نصیب ، فیروز اللغات میں مولوی فیروز الدین نے تقدیر کی تعریف کی ہے کہ ''وہ اندازہ جو حق تعالیٰ نے روز اوّل ہر چیز کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ الحاصل مندرجہ بالا اشعار میں وسیم بریلوی نے ''تقدیر سے زور نہیں'' اور ''تقدیر کے لکھے کو کون میٹے'' کے مصداق واضح کیا ہے کہ ہر معاملہ خدا کے سپرد ہے اور زمانہ اور گردشِ زمانہ کو موضوع بنایا ہے۔

میں گردش دوراں کو سمجھنے کے لئے آج
اُلجھا کے تری زلف کے خم دیکھ رہا ہوں

آرزوؤں کے بہت خواب تو دیکھو ہو وسیمؔ
جانے کس حال میں بے درد زمانہ رکھے
میرے قلم پہ زمانے کی گرد ایسی تھی
کہ اپنے بارے میں کچھ بھی نہ لکھ سکا یارو
یہ حوادثِ زمانہ بڑی دورے گئے ہیں
مجھے اپنی زندگی سے یہ نہیں کہ پیار کم ہے
بہت دنوں میں زمانے کی ٹھوکروں میں رہا
کہو زمانے سے اب میرا انتظار کرے
یہ ستم کا دور تو ہے مگر یہ نہیں کہ اس سے مفر نہیں
کوئی ایسی شام بتایئے جو کہے کہ میری سحر نہیں
وہ وقت کی گرد میں رہ گیا وقت ہی
لوگ باتیں ہوئے لوگ قصے ہوئے
معیار زمانہ تو کبھی کچھ ہے ، کبھی کچھ
تو کیسی ترازو میں مجھے تول رہا ہے
بڑے بڑوں کی طرح داریاں نہیں چلتیں
عروج تیری خبر جب زوال لیتا ہے

تیز رفتاری کی عجب دوڑ میں
سانس لینے کو ذرا انساں ٹھہرے

الحاصل میں گردش دوراں کو سمجھنے کے لئے آج ، کچھ تو گردشِ دوران تیری پہچان رہے، جانے کس حال میں بے درد زمانہ رکھے ۔ یہ حوادثِ زمانہ بڑی دور لے گئے ہیں بہت دنوں میں زمانے کی ٹھوکروں میں رہا، وقت کی گرد میں رہ گیا وقت ہی ، معیار زمانہ تو کبھی کچھ ہے کچھ ،عروج تیری خبر زوال لیتا ہے اور تیز رفتاری کی عجیب دوڑ میں سے نہایت ہی واضح ہے کہ گردش زمانہ اور معیار زمانہ کبھی بھی ایک حالت پر نہیں رہتا ۔الحاصل مندرجہ بالا اشعار میں گردش دوراں کو موضوع بنایا ہے۔

دنیا کو دوسروں کی نظر سے نہ دیکھئے
چہرے نہ پڑھ سکے ، تو کتابوں میں کیا ملے
اُمیدیں ساری دنیا سے وسیم اور خود میں ایسے گم
کس پہ کچھ نہ ظاہر ہو ،تو کوئی مہرباں کیوں ہو
بابا دنیا جیت کے میں دکھلا دوں گا
اپنی نظر سے دور تو مجھ کو جانے دے
بچھڑ گئے تو کسی روز بھی مل جاؤ گے
یہ دنیا ایسی کہاں کہ بہت بڑی ہے میاں
آنکھیں زخمی ہیں، تو وسیم اب شکوہ اور شکایت کیا

تم نے بھی تو دیکھنا چاہا دنیا کو ہر پہلو سے

دل کے خلاف چیزوں پہ جب سے نظر گئی

دنیا میری نگاہ سے کیسی اتر گئی

کتنا دشوار تھا دنیا پہ ہنر آنا بھی

تجھ سے ہی فاصلہ رکھنا تجھے اپنانا بھی

دنیا مرے خلاف کھڑی کیسے ہوگئی

میری تو دشمنی بھی نہ تھی کسی کے ساتھ

دنیا کو بے وفائی کا الزام کون دے

اپنی ہی نبھ سکتی نہ بہت دن کسی کے ساتھ

جیسا چاہا تھا تجھے دیکھ نہ پائے دنیا

دل میں بس ایک یہ حسرت ہی رہی جاتی ہے

تجھے ہی ڈھونڈنے نکلے تھے تیرے دیوانے

تو یہ ہوا تیری دنیا سے پیار کرنے لگے

میں تیرے کام کا دنیا کبھی نہ ہوپاؤں

تو مجھ کو لگتا ہے میری نجات ہوجائے

اس نے میری راہ نہ دیکھی اور وہ رشتہ توڑلیا

جس رشتے کی خاطر مجھ سے دنیا نے منہ موڑ لیا

وہ مجھے کیا بتانا چاہتا ہے
جو دنیا سے چھپانا چاہتا ہے

الحاصل مندرجہ بالا اشعار میں دنیا کو موضوع بنا کر واضح کیا ہے کہ ''گیہوں کی روٹی کو فولادی پیٹ چاہئے'' کے مصداق دنیا کے سفر کو طے کرنے کے لئے جگر و گردہ چاہئے۔

سجدہ وہاں اک سر کی ورزش
سر پہ جہاں تلوار نہیں ہے
ستم کے ہاتھ پہ بیعت تو ہو نہیں سکتی
اب امتحان کی گھڑی ہے تو ٹال دیں کیسے
میں یہ نہیں کہتا کہ مرا سر نہ ملے گا
لیکن میری آنکھوں میں تجھے ڈر نہ ملے
سب اندھیروں سے کوئی وعدہ کئے بیٹھے ہیں
کون ایسے میں مجھے شمع جلانے دے گا
مشکلیں تو ہر سفر کا حسن ہیں
کیسے کوئی راہ چلتا چھوڑ دے
قلم کرنا کہاں ہے اس کا منشا
وہ میرا سر جھکانا چاہتا ہے
مجھ کو دیکھو کہ میں اس کو ہی چاہوں

جسے سارا زمانہ چاہتا ہے
خوشبوئیں تو قبیلوں میں بٹتی نہیں
نام لے کر مجھے کیوں پکارا جارہاہے
رحم کھانے کی فرصت کسے تھی یہاں
وہ جو جیتا رہا وہ جو ہارا گیا
سرپر تو بٹھانے کو ہے تیار زمانہ
لیکن تیرے رہنے کو یہاں گھر نہ ملے گا
جاتی ہے ، چلی جائے یہ میخانے کی رونق
کم ظرفوں کے ہاتھوں میں تو ساغر نہ ملے گا
دنیا کی طلب ہے ، تو قناعت ہی نہ کر
قطرے ہی سے خوش ہو تو سمندر نہ ملے

سچ بات کڑوی لگتی ہے، کے مصداق جب میدانِ کربلا میں امام حسین نے حق اور ایمان افزا معرکہ حق و باطل میں تن من دھن کو راہ خدا میں پیش کیا ، اسی معرکہ کے بعض پہلوؤں کو وسیم بریلوی نے مندرجہ بالا اشعار میں واضح کیاہے۔ نیز واضح کیا ہے کہ میدانِ جنگ میں بھی حق بندگی ادا کردیا۔

سجدہ وہاں اک سر کی ورزش ہے
سرپہ جہاں تلوار نہیں ہے

(وسیم بریلوی)

وہ سجدہ روحِ زمین جس سے کانپ جاتی ہے
اُس کو آج ترستے ہیں سبز و محراب

(اقبال)

جبیں سجدہ کرتے ہی کرتے گئی
حق بندگی ہم ادا کرچکے

(میر)

الحاصل وسیم بریلوی نے معرکۂ حق وباطل کو پیش کیا ہے نیز امام حسین کی ادائیگی عبادت کوبھی موضوع سخن بنایاہے۔وسیم بریلوی نے تغیرات زمانہ، احترامِ زندگی جنازہ زیست،حادثاتِ غم،تغیرات زندگی، زندگی کی سانسوں کوموضوع سخن بنایا ہے مندرجہ ذیل غزل ملاحظہ کریں جو مذکورہ تمام موضوعات کی نمائندہ ہے۔

یہی بزم عیش ہوگی یہی دور جام ہوگا
مگر آج کا تصور یہاں کل حرام ہوگا
میں کچھ اس طرح جیا ہوں کہ یقین ہوگیا ہے
مرے بعد زندگی کا بڑا احترام ہوگا
مری زیست اک جنازہ ہے جوراہ وقت میں ہے
جوتھکیں گے دن کے کاندھے تو سپردِ شام ہوگا

یہی حادثاتِ غم ہیں تو یہ ڈر ہے جینے والو
کوئی دن میں زندگی کا کوئی اور نام ہوگا
سر راہ گذر بھٹکنے پہ وسیم مطمئن ہوں
یہ سنا ہے جب سے منزل پہ سکون عام ہوگا
میرے شعر مری سانسیں ہیں وسیمؔ زندگی کی
یہ نہ ہوں تو سارا قصہ ہی مرا تمام ہوگا

مندرجہ بالا غزل اور حوالہ وسیمؔ بریلوی کی غزلوں کی مقبولیت و افادیت، فضا غزل، موضوعات غزل، شعری کائنات، اندازِ بیان، فنی مہارت کی وجہ موجہ ہیں۔ پروفیسر وسیمؔ بریلوی نے جگر کے زخموں کو اشعار کی صورت عطا کر کے تمام زخم خوردگان کی زخم دوزی کی ہے تا کہ زخموں کے صوف بھی بھر جائیں مظالم کو احساسِ ظلم بھی ہو نیز مظلوم کی ہوک و کسک بھی ظالم کے دل کے پردوں پر دستک دے تا کہ وہ مظلوم کے زخموں کو سمجھ کر ظلم سے باز آجائے اس موضوع کو بھی وسیمؔ بریلوی نے اپنے کلام میں جگہ دی ہے جس سے زخم خوردہ دلوں کی ترجمانی بھی ہوتی ہے اور احساسِ زخم بھی محسوس ہوتا ہے۔ اشعارِ غزل بطور نمونہ ملاحظہ کریں:

زندگی کتنے زخم کھائے ہے
پھر بھی کیا شے ہے مسکرائے ہے

اور کچھ دیر مسکراتے ہیں
پھر وہی ہم وہی اداسی ہے
ہر اک اپنے لئے میرے زخم گنتا ہے
مرے لئے بھی کوئی ہو جو مجھ سے پیار کرے
لاش ہے اپنے تبسم کی وسیم
پھول کی آغوش میں شبنم نہیں
رونے والے مسکرانا سیکھ لے
ہوسکے تو پھول بن شبنم نہیں
کھولئے چل کے غم دل کی دوکاں اور کہیں
ماند پڑجائیں نہ زخموں کے نشاں اور کہیں

زخم خوردہ کا زخم جب اندرمال پانے لگتا ہے تو زخم بھرنے سے قبل زخم مسکراتا ہوا نظر آتا ہے یا پھر جب زخم کے ٹانکے ٹوٹ جاتے ہیں تو پھر بھی مسکراتا ہوا نظر آتا ہے۔ الغرض وسیم بریلوی نے تبسم زخم کو موضوع سخن بنا کر زخم کے اندمال کے پہلو کو اضح کیا ہے کہ اس مقام پر زخم میں یا تو انگور آنے لگتا ہے یا پھر زخم بولنے لگتا ہے جو زخم خوردہ سے قوتِ برداشت کا تقاضا کرتا ہے نیز زخم نوردہ کے زخموں کی گنتی اُس کے لئے نہیں بلکہ اپنے لئے کی جاتی ہے جس کی ترجمانی وسیم بریلوی نے شعری روایت کو برقرار رکھتے ہوئے اس طرح کی ہے۔

وسیم سن لئے دنیا نے شعر میرے مگر
جگر کے زخموں پر کس کی نظر گئی ہوگی
خوشیوں سے اُترتے ہیں جب سینے میں غم پہلے
احساس کی منزل پر جمتے ہیں قدم پہلے
اک نگاہ کرم آغاز اِدھر بھی ساقی
زخم دل جام نہیں ہیں کہ بھر سکتے

وسیم بریلوی

ان مندرجہ بالا اشعار سے زخم خوردہ دل کی کسک و ہوکا بخوبی اندازہ ہوتا ہے جو زخم خوردہ دلوں کی ترجمان بھی ہے اور ذکی الحس وحساس شاعر کی شاعری کی پہچان و جان بھی ہے جو مجروح دل کی ہوس کو زینت قرطاس عطا کر کے تمام مسافرانِ سفر کو باخبر بھی کرتا ہے نیز زخم خوردہ دل کی حالت کی ترجمانی بھی کی ہے۔

وسیم بریلوی نے جہاں زمانے کی بے مروتی کا ذکر کیا وہاں اُنہوں نے زمانہ حال، زمانہ ماضی اور زمانہ مستقبل کو بھی موضوع سخن بنا کر یہ واضح کر دیا کہ انسان کو ان تینوں زمانے کا سامنا کرنا ہے اور یہ بھی واضح کیا ہے کہ انسان کی وجہ سے ہی اس جہان کی تمام کہانیاں وجود میں آئی ہیں اشعار بطور نمونہ ملاحظہ کریں،

آج آجائے تو لمحاتِ جدائی کٹ جائیں
آج کی نیند کا آنکھوں پر بھی احسان ہے

آج تک جس کی سزا کاٹ رہے ہیں جو وسیم
زندگی لے کے بڑا جرم کیا تھا ہم نے

اپنے ماضی کو نہ دوہراؤ وسیمؔ
سب کے سینے میں تمہارا دل نہیں

میرے جو اشک بہہ رہے ہیں کہ چراغ جل رہے ہیں
مرے بعد راہ غم میں کبھی روشنی نہ ہوگی

یہی حادثاتِ غم ہیں تو یہ ڈر ہے جینے والو
کوئی دن میں زندگی کا کوئی اور نام ہوگا

معاملہ بندی

ہائے وہ اُن سے سرراہ ملاقات وسیمؔ
بعد جس کے وہ جھجک کر بڑی مشکل سے چلے

مجھے بے زبان کرکے مراحال پوچھتے ہو
تمہیں کیا خبر کہ دل پر مرے کیا گذر رہی ہے

تجھے جو دیکھا تو آنکھوں میں آگئے آنسو
تری نظر سے تیری آرزو چھپا نہ سکا

میری جانب ہوں نگاہیں دل میں کوئی اور ہو

اتنی لاپرواہ تیری تصویر ہوسکتی نہیں
تجھے گنوا کے کئی باد یہ خیال آیا
تری انا ہی میں کچھ تھا نہ میری آن میں تھا
ہم دونوں ایک پیاس کے مارے خالی خالی بیٹھے تھے
اور ہماری رگ رگ میں ایک پاگل دریا بہتا تھا
اس نے مڑ کر نہ دیکھا تو شکوہ ہی کیا
مجھ سے بھی تو اسے کب پکارا گیا
اک ذرا سی انا کے لئے عمر بھر
تم بھی تنہا رہے میں بھی تنہا رہا
میں تجھ سے ملتا ہوں تفصیل میں نہیں جاتا
مری طرف سے ترے دل میں جانے کیا نکلے

ہائے وہ اُن سے سرراہ ملاقات، مجھے بے زبان کر کے میرا حال پوچھتے ہو، تجھے جو دیکھا تو آنکھوں میں آ گے آنسو، دل میں کوئی اور ہو، تجھے گنوا کے کئی بار خیال آیا، ہم دونوں ایک پیاس کے مارے ہم دونوں ایک پیاس کے مارے، تم بھی تنہا رہے میں بھی تنہا رہا، میری طرف سے تیرے دل میں جانے کیا نکلے کے ذریعہ وسیم بریلوی نے معاملہ بندی کے موضوع کو بیان کیا ہے۔

اسلامیات کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب رب العالمین نے حضرت آدم کو

جنت سے نکلنے کا حکم دیا تو فرشتوں نے حضرت آدم حضرت حواء سانپ اور شیطان کو جنت سے نکال کر الگ الگ مقام پر ڈال دیا۔تفاسیر کی کتب میں ''جاء فی الہند'' کے الفاظ حضرت آدم کیلئے استعمال ہوئے ہیں یعنی حضرت آدم جو سب سے پہلے انسان ہیں ان کا وطن روح زمین پر ہندوستان ہے اس کے بعد جب نسل انسانت کا باقاعدہ آغاز اپنی ترقی کی منزل طے کرتا ہے تاریخ کے مطالعہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے جب ہندوستان کے قدرتی ماحول، آب و ہوا، مادی ذخائر پر تن کے گوروں اور من کے کالوں کی نظریں جم گئیں تو Robert Clive نے ہندوستان میں برٹش کے سیاسی نظام کا بیج بویا تھا اور اسے دو بار (60-1757 اور 67-1767) بنگال کا گورنر بھی بنایا گیا پھر R.Clive کا سیاسی ہم سر (Political Rival) ہندوستان آیا تو اس کی آمد کے بعد Robert Clive واپس اپنے وطن پہنچ کر خودکشی کر لیتا ہے علاوہ ازیں ہندوستان میں برٹش سلطنت کے قیام کا نقطہ آغاز Battle of Plassey ہے آخرکار انگریزوں نے مدتِ مدید تک اس ملک پر اپنا غاصبانہ قبضہ کرلیا تن من دھن سے ہندوستان اور ہندوستانیوں کو لوٹا تو عام ہندوستانیوں کے دل مرجھا گئے اور محبانِ وطن کے دلوں پر جذبہ آزادی سر چڑھ کر بولنے لگا کہ ہم آزادی کے متوالے ہیں۔آزادی کی زندگی جینا چاہتے ہیں۔آخرکار ۱۹ر دسمبر ۱۹۲۹ء کو انڈین نیشنل کانگریس کے لاہور کے اجلاس جو مرحوم جواہر لال نہرو کی صدارت میں منعقد ہوا تھا، مکمل آزادی کو مقصد و منشاءِ اجلاس دیا اس دن سے لے کر ہندوستان کے آزاد ہونے تک اس ملک کے محبان نے اپنا خون جگر کھا کر، لہو کی ہولی کھیل کر تن کے گوروں اور من کے کالوں کا خون خشک کر دیا تو برٹش پارلیمنٹ

نے۴ جولائی ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کی آزادی کا ایکٹ پاس کیا مگر اس وقت شیطان اُن کے سر پر سوار تھا اس لئے انہوں نے جاتے جاتے ایک تن کے دو بدن کر کے نفرت کا بیج بو دیا تھا اس مدت مدید کے دوران ہندوستان کی عوام اور خواص کا گذر کن خارزار وادیوں سے ہوا، کن کن تکالیف کو سہنا پڑا اور کن کن مقامات پر تن من اور دھن کو لٹایا، یہ سب کچھ کسی سے بھی پوشیدہ نہیں۔ ادباء، شعراء، مورخین، محققین، مبلغین ومقررین وغیرہ نے ان کو اپنا موضوع بنا کر حق واضح کرنے کی سعی سعید کی ہے اور کر رہے ہیں اور خون لگا کر شہیدوں میں داخل ہونے والوں کی نقاب کشائی بھی کی ہے۔ بقولِ وسیم بریلوی:

وسیم جانب منزل قدم اٹھائے چلو
حیات راہ میں کام آئے کوئی بات نہیں
وسیم ایسے زمانے میں اس مزاج کے ساتھ
یہ کم نہیں ہے کہ ہم زندگی گذار چلے
دیوار سمجھتی ہے کہ در کر نہ سکوں گا
ہمت ہے تو کیا معرکہ سر کر نہ سکوں گا
ہوا خلاف ہو موجوں پہ اختیار نہ ہو
یہ کیسی ضد ہے کہ دریا کسی سے پار نہ ہو
تاریخ کی آنکھوں میں دھواں ہوں گئے خود ہی
تم کو تو کوئی گھر بھی جلانا نہیں آتا

سفر یہ آج وہی کشتیاں نکلتی ہیں
جنھیں خبر ہے ہوائیں بھی تیز جلتی ہیں

اہل منزل میں شمار اُن کا ہے اے آزادی
دو قدم بھی جو تیری راہ میں مشکل سے چلے

چمن سے روکے نہ یونہی سحر گئی ہوگی
چھری بہار کے دل میں اُتر گئی ہوگی

اے دور نو! ہمارا مقدر وہی رہا
کیا ہم شریک گردش شام و سحر نہ تھے

راستوں میں بھی تو لٹنے کی روایت ہے وسیمؔ
ہر مسافر کی یہ منزل پہ نظر کیسی ہے

مندرجہ بالا اشعار محبانِ وطن کے راستوں کی رکاوٹوں کو بھی واضح کرتے ہیں۔ دو چہرگی کی نقاب کشائی بھی کرتے ہیں اور بے جا غرور کو بھی بے معنی قرار دیتے ہیں۔ نیز حقداروں کو حقوق سے محروم کرنے کی روایت پر طنز و تعریض کے وار بھی کرتے ہیں۔

تعلقات کبھی ایک سے نہیں رہتے
اسے گنوا کے بھی جینے کا حوصلہ رکھنا

خود چلو تو چلو ،آسرا کون دے
بھیڑکے دور میں راستہ کون دے
بابا دنیا جیت کے میں دکھلا دوں گا
اپنی نظر سے دور تو مجھ کو جانے دے
وسیم اس کی تڑپ ہے، تو اس کے پاس چلو
کبھی کنواں کسی پیاسے کے گھر نہیں جاتا
بس وہی اب ہوا کی نگاہوں میں ہیں
جن چراغوں میں کچھ روشنی رہ گئی
ان یہ جاں باز پرندوں نے بسیرا چاہا
جن پہاڑوں سے کبھی برف پگھلتی بھی نہیں
کلیجہ چاہیئے دشمن سے دشمنی کے لئے
جوبےعمل ہے وہ بدلہ کسی سے کیا لے گا
یہ روشنی کے ارادوں کی بات تھی
ہوا کے سامنے تھا سا اک دیا کیاہے
پروں میں سمٹا ، تو ٹھوکر میں تھا زمانے کی
اُڑا تو اک زمانہ مری اُڑان میں تھا

الحاصل قدم اٹھائے چلو، ہم زندگی گذار چلے، معرکہ سرنہ کرسکوں گا، کون ابھرنے

دے گا ،جنھیں خبر ہے ہوائیں بھی تیز چلتی ہیں ،دنیا جیت کے میں دکھلا دوں گا ، کنواں کسی پیاسے کے گھر نہیں آتا ،ہوا کی نگاہوں میں، کلیجہ چاہئے دشمن سے دشمنی کے لئے ، ہوا کے سامنے ننھا سا اک دیا اور اُڑا تو اک زمانہ میری اُڑان میں تھا، کے ذریعہ واضح کیا ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے ۔جس کی عکاسی وسیمؔ بریلوی نے کی ہے ۔اگرچہ وسیمؔ بریلوی نے ہمت کو موضوع بنایا مگر کم ہمتی کو اپنے کلام میں نمایاں مقام عطا کیا ہے امثلہ ملاحظہ کریں۔

اسی خوشی کی تمنا میں تم بھی نکلے ہو
وسیمؔ جس کے تعاقب میں ایک زمانہ تھا
مجبوریوں کا شہر تھا بے گانگی کا دور تھا
بُرے زمانے کبھی پوچھ کر نہیں آتے
خوشی کا ساتھ ملا بھی تو دل پہ بار رہا
میں آپ اپنی تباہی کا ذمہ دار رہا
ہمارے ظرف کا یہ امتحان کم نہ ہوا
خوشی کے دور میں رسوا تمہارا غم نہ ہوا

انسانی زندگی میں بہار وخزاں کی طرح خوشی اور غمی کے دو موسم ضرور آتے ہیں بقدر جگر وگردہ ہر انسان اُن کے مضرات ومحاسن کا طوعاً یا کرہاً سامنا کرتا ہے۔الغرض وسیمؔ بریلوی نے مندرجہ ذیل اشعار میں خوشی اور خوشی کے نشیب وفراز کے بعض پہلوؤں کو واضح کیا ہے کہ

خوشی کی آنکھ میں آنسو کی بھی جگہ رکھنا
بُرے زمانے کبھی پوچھ کر بھی نہیں آتے

اہل منزل میں شمار اُن کا ہے اے آزادی
دوقدم بھی جوتیری راہ میں مشکل سے چلے
پھول سے رنگ جدا ہونا کوئی کھیل نہیں
اپنی مٹی کو کہیں چھوڑ کے جائیں کیسے
کاہے کہ حیش میاں وہ ہم ہوئے یا تم ہوئے
کس نے یہ ہندوستان ہندوستان رہنے دیا
ایسے بازار میں آئے ہی کیوں وسیمؔ
اپنی بولی جہاں خود لگانا پڑے
اپنے ہر ہر لفظ کا خود آئینہ ہوجاؤں گا
اس کوچھوٹا کہہ کے میں کیسے بڑا ہوجاؤں گا
دبائے جانے سے اک موج بے وقت نہیں ہوئی
یہی خطرہ لگا رہتا ہے کب طوفان ہوجائے
نہ کوئی عہدہ نہ ڈگری نہ نام کی تختی
میں رہ رہا ہوں یہاں میرا گھر بتانا ہے

آگ، ہوا، پانی سے جو بھی رشتہ ہو
مٹی کے ہیں مٹی میں مل جانا ہے

''حب الوطن من الایمان'' کے مصداق وسیمؔ بریلوی نے مندرجہ بالا اشعار میں حب الوطن کو موضوع بنا کر واضح کیا ہے کہ جہاں ایک طرف سچے عاشق وطن ہیں وہاں دوسری طرف وہ کاغذی عاشق بھی ہیں جو لہو لگا کر شہیدوں میں داخل ہوتے ہیں۔الحاصل مندرجہ بالا اشعار میں وسیمؔ بریلوی نے وطن، حب الوطن، محبّ الوطن اور طالب کرسی کو موضوع سخن بنایا ہے۔

وسیمؔ بریلوی نے غزلوں میں دیگر اہم موضوعات کو موضوع سخن بنایا ہے وہاں اُنہوں نے بے بسی، بے چینی و بے قراری، الجھن، گھبراہٹ، کشمکش، پریشانی وشکستہ حالی کو موضوع سخن بنایا ہے۔ان موضوعات سے متعلقہ چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ کریں:

اندھیرے جن کے مقدر نہ ہوں وہ رات نہیں
اُداس میں نہ رہوں میرے بس کی بات نہیں

مسکراتا ہوں دل ناکام سے
پی رہا ہوں مے شکستہ جام سے

آج تک جسکی سزا کاٹ رہے ہیں جو وسیمؔ
زندگی لے کے بڑا جرم کیا تھا ہم نے

ہر روز بدلتے ہیں مری زیست کے خاکے
ہر شام تیرے درد کا انداز نیا ہے

خشک آنکھیں ہیں پلک بھی نم نہیں
اب کوئی آنسو شریک غم نہیں

میرے شعروں کو سن سن کر یوں سرگوشی کرتے ہو
اپنی تباہی کا اے لوگو! جیسے مجھے احساس نہیں

اندھیرے صرف اندھیرے، نظر کدھر جائے
یہ شب بھی یاد رہے گی اگر گزر جائے

(وسیم بریلوی)

تم دور کشا کش کی بے باکیاں کیا جانو
تم دور سے گذرے ہو ہم نے دور گذارا ہے

اس زمانے سے سفر کرتے اگر کر سکتے
موت سے پہلے ہی مر جاتے اگر مر سکتے

تمہاری راہ میں ہم زندگی گذار چلے
قرار ڈھونڈنے آئے بے قرار چلے

تنہائی

یہ کس مقام پہ لائی ہے مری تنہائی
کہ مجھ سے آج کوئی بدگماں نہیں ہوتا
تم اپنے شہر کے لوگوں سے پوچھ کر دیکھو
مری طرح کوئی تنہائی دکھائی دیتا ہے
زندگی تجھ پہ اب الزام کوئی کیا رکھے
اپنا احساس ہی ایسا ہے جو تنہا رکھے
پیار تو جنم کا اکیلا تھا
کیا میرا تجربہ اکیلا تھا
کوئی ساتھی، نہ کوئی راہ، نہ سمت منزل
زندگی میں ہی اک ایسا سفر بھی آتے ہے
وہ اتنا ٹوٹ کے مجھ سے ملا نہیں ہوتا
جو میرا ساتھ اسے چھوڑ نا نہیں ہوتا

دور جدید کا ایک اہم موضوع تنہائی ہے موجودہ تیز رفتاری کی دوڑ میں انسانوں کی بھیڑ میں ہر انسان اپنے آپ کو تنہا محسوس کرتا ہے۔اس موضوع کو وسیم بریلوی نے مندرجہ بالا اشعار میں برتا ہے

ہم آنسوؤں کی طرح واسطے نبھا نہ سکے
رہے جن آنکھوں میں، ان میں گھر بنا نہ سکے
جانے کس کا ہے انتظار وسیمؔ
زندگی ہے کہ گزری جائے ہے
زندگی کا یہ لمبا سفر اور وسیمؔ
جیب میں دو قدم کا کرایہ نہیں
وہ آج کو سر کر کے دکھانے پر اڑے ہیں
ہم ہیں کہ ابھی کل ہی کے پیروں پہ کھڑے ہیں
بلاوا آئے گا چل دیں گے ہم بھی
سفر کی کون تیاری کرے ہے
سب نے ملائے ہاتھ یہاں تیرگی کے ساتھ
کتنا بڑا مذاق ہوا روشنی کے ساتھ
کہاں پہنچ گئی دنیا اسے پتہ ہی نہیں
جواب بھی ماضی کے قصے سنائے جاتا ہے

عروجِ زوال، تعمیر و تخریب، کامیابی و ناکامی، جیت و ہار میں فکر اور بے فکری کا نمایاں و منفرد مقام ہے۔ جب انسان فکر مند ہوتا ہے تو تعمیر و کامیابی کی منازل نہایت آسانی سے حاصل ہوتی ہیں نیز انسان پیکرِ عمل بن جاتا ہے جس سے انسان دنیا و آخرت میں فلاح و فوز

کی منازل زندہ دلی سے طے کرسکتا ہے۔مگر جب یہ ہی انسان بے فکراور بےعمل ہو جاتا ہے تو ماضی حال اور مستقبل سے بے خبر ہوکرنا کامی وتخریب کے دلدل میں پھنس جاتا ہے نیز بے فکری کا مظاہرہ کرتا ہے۔جس کی ترجمانی وسیؔم بریلوی نے مندرجہ بالا اشعار میں منفرد اسلوب میں کی ہے۔علاوہ ازیں رجائیت کے دامن کو تھامے ہوئے دعوت فکر بھی دی ہے۔

وہ آج کو سر کرکے دکھانے پر اڑے ہیں
ہم ہیں کہ ابھی کل ہی کے پیروں پر کھڑے ہیں

زندگی کا یہ لمبا سفر اور وسیؔم
جیب میں دو قدم کا کرایہ نہیں

کس کے لئے زندہ ہوں بتا بھی نہیں سکتا
کس کو بتائیگا یہاں، شام ہے یہ سحر نہیں
جب ترے اختیار میں تیرا خو اپنا گھر نہیں

ڈاکٹر سنبل نگار راقم طراز ہیں کہ ”جدید دور کے شاعروں نے تو ثابت کردیا ہے کہ غزل ہر مضمون اور ہر موضوع کو کامیابی کے ساتھ پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ درست کہا گیا کہ غزل کا دائرہ اتنا وسیع ہے جتنی کل کائنات !۸؎

جدید دور کا ایک اہم موضوع بے بسی ہے اگر چہ اس دور میں انسانوں کا ہر جگہ جم غفیر نظر آتا ہے پھر بھی خود کو انسان بے بس وتنہا محسوس کرتا ہے اسی انسانی بے بسی کو دل میں رہیں ہونٹوں پہ نہ آئیں، دکھائی بھی نہیں دیتی بیاں بھی ہوسکتی نہیں، اب کہاں کوئی اختیار کا ہے۔

پیاسے رہ جاتے ہیں زمانے کے سوالات اختیار میں تیرا خود اپنا گھر نہیں کے ذریعہ واضح کیا ہے۔مگر رجائی پہلو کے دامن کو نہیں چھوڑا۔

آج کل کے راستوں کی بے یقینی دیکھ کر
کون ہے جس میں سفر کا حوصلہ رہ جائے گا
وہ کوئی اور ہی جذبہ تھا صرف پیار نہ تھا
تجھے جو اپنا جتانے کو بے قرار رہا
میں وسیم وقت سے بھی ابھی مطمئن نہیں ہوں
مجھے اس سے یہ گلہ ہے کہ یہ سست گام کیوں ہے
ہر ایک سانس پہ پہرہ ہے بے یقینی کا
یہ زندگی تو نہیں موت کی سواری ہے
بات بننے نہیں پاتی کہ بگڑ جاتی ہے
دل میں کچھ دیر تو میرے کوئی ارماں ٹھہرے

اردو شاعری میں یہ روایت رہی ہے کہ عاشق کو مجبور اور معشوق کو مغرور پیش کیا جاتا رہا ہے۔اس شعری روایت کو برقرار رکھتے ہوئے وسیم بریلوی نے مندرجہ بالا اشعار میں بے قراری کو موضوع بنایا ہے کیونکہ ہجر ہی عاشق کی بے قراری کا باعث بنتی ہے۔

پاس جاؤں، تو بس، ریت ہی ریت ہے
دور سے دیکھنے میں جو دریا لگے

شکوہ ہی کیا، کہیں یہ نصیب ہنر نہ ہو
گھر ہو تو بے دیا ہو، دیاہو تو گھر نہ ہو
جو تونہیں، تو تیرے خواب دیکھنا کیا ہے
ادھورے شہرمیں رہنے سے فائدہ کیا ہے
وسیم دھوپ سے بچنے بھی ہم کہاں آئے
اک ایسے پیڑکے نیچے، جو سایہ دار نہ تھا
وسیم کیسے مری منزلیں قریب آتیں
تمام عمر ارادے مرے سفر میں رہے

الحاصل مندرجہ بالا اشعارمیں وسیم بریلوی نے، ریت ہی ریت، گھر بے دیا اور دیا بے گھر، ادھورے شہر، بے سایہ پیڑ اورعمر بھر ارادے سفر میں کے ذریعہ موجودہ دور کے بکھرے انسان کی زندگی کے نشیب وفراز کی لاحاصلی کوواضح کیاہے۔

خشک مٹی ہی نے جب پاؤں جمانے نہ دیئے
بہتے دریاسے پھر امید کوئی کیا رکھے
بس ایک بار سمجھ لو، یہی غنیمت ہے
میں وہ نہیں کہ جسے روز آزماؤگے
روز سڑکوں پہ لہو یوں جو بکھرجائے گا
راہ گیروں کی طرح کون گزر جائے گا

میں تیری راہ سے ہٹنے کو ہٹ گیا لیکن
مجھے تو کوئی بھی رستہ نظر نہیں آتا

الحاصل وسیم بریلوی نے مندرجہ بالااشعارمیں پاؤں جمانے نہ دیئے، روز آزماؤ گے، روز لہو جو بکھر جائے گا اورراستہ نظرنہیں آتا کے ذریعہ شکستہ دل ،بکھرے ذہن اورانسان کی ناامیدی ظاہر کی ہے۔جوتیز رفتاری کے دور کا ایک اہم المیہ ہے۔

ٹوٹا جاتاہے ہر اک قافلہ منزل کے قریب
جب یہ عالم ہے تو پھر عزم سفر کون کرے
بچھڑکے مجھ سے تم اپنی کشش نہ کھودینا
اداس رہنے سے چہرہ خراب رہتا ہے
کیسا دریا ہے کہ پیاسا تونہ مرنے دے گا
اپنی گہرائی کا اندازہ نہ کرنے دے گا
آرزوؤں کا رشتوں سے رشتہ ہی کیا
تم کسی کے ہوئے میں کسی کا ہوا
کوئی چراغ نہ آنسو نہ آرزوئے سحر
خدا کرے کسی گھر میں ایسی شام نہ ہو
تمام دن کی طلب راہ دیکھتی ہوگئی
جو خالی ہاتھ چلے ہو تو گھر نہیں جانا

دور جدید کا ایک اہم موضوع محرومی ہے۔اگرچہ اس دور میں جسمانی طور پر انسان کو سہولیت میسر ہے مگر مادیت کی دوڑ میں انسان ذہنی و قلبی رو سے محروم، مجبور اور مقہور ہے۔ان ہی کیفیات کا ذکر وسیم بریلوی نے مندرجہ بالا اشعار میں کیا ہے۔

سبھی کا دھوپ سے بچنے کو سر نہیں ہوتا
ہر آدمی کے مقدر میں گھر نہیں ہوتا
آنکھیں منظر ہوئیں، کان نغمہ ہوئے
گھر کے انداز ہی گھر سے جاتے رہے
جو بے سمار دلوں کی نظر میں رہتا تھا
وہ اپنے بچوں کو اک گھر نہ دے سکا یارو
ہمارے گھر کا پتہ پوچھنے سے کیا حاصل
اداسیوں کی کوئی شہریت نہیں ہوتی
سر پر تو بٹھانے کو ہے تیار زمانہ
لیکن تیرے رہنے کو یہاں گھر نہ ملے گا

الغرض مقدر میں گھر نہیں، انداز ہی گھر سے جاتے رہے، اپنے بچوں کو ایک گھر نہ دے سکا،کوئی شہریت نہیں ہوتی اور رہنے کو یہاں گھر نہ ملے گا کے ذریعہ نہایت ہی نازک اور حسرت انگریز موضوع دربدری کے بعض اہم پہلوؤں کو واضح کیا ہے کہ

ہم تو بے نام اداروں کے مسافر ہیں وسیم

کچھ پتہ ہوتو بتائیں کہ کدھر جاتے ہیں

ڈوب جانے کو جو تقدیر سمجھ بیٹھے ہوں

ایسے لوگوں میں مجھے کون ابھرنے دے گا

ساتھ اس شہر کے صدیوں کی تن آسانی ہے

درس تحریک دے اے کار جہاں اور کہیں

پڑے رہو یونہی سہمے ہوئے دئیوں کی طرح

اگر ہواؤں کے پر باندھنا نہیں آتا

رات میری نہیں رات تیری نہیں

جس نے آنکھوں میں کاٹی وہی پائے گا

جدید دور میں اگرچہ انسان کو جسمانی سہولیات میسر ہیں پھر بھی انسان تیز رفتاری کی دوڑ میں نہایت آرام پسند ہو گیا ہے۔ کہ دارالعمل کو آرام گاہ سمجھ لیا ہے۔ نیز اس کو آرام کی کرسی سمجھ کر آرام سے پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے۔ جس کی ترجمانی وسیمؔ بریلوی نے کی ہے ملاحظہ کریں۔

کیا یہی دور ترقی ہے وسیمؔ

ہر اُجالے پر اندھیرے چھا گئے

نہیں لمحہ بھی جس کی دسترس میں

وہی صدیوں کی تیاری کرے ہے

آج کا یہ زمانہ اسی کا لگے
وہ جو پیاسا نہ ہو اور پیاسا لگے
یہی چراغ تیری تیرگی کا ساتھی تھا
جسے تو صبح کی خاطر بجھائے دیتا ہے
حویلیوں میں مری تربیت نہیں ہوتی
تو آج سر پہ ٹپکنے کو چھت نہیں ہوتی
سب اپنی پیاس میں گم ہیں یہاں تو اے ساقی
کوئی نہیں جو تیرے میکدے سے پیار کرے

الحاصل خودغرضی کے بعض پہلوؤں کو واضح کیا ہے۔ نیز تعمیر و ترقی کے روپ میں خود غرضی و تخریب کاری کی نقاب کشائی کی ہے۔ ملاحظہ کریں۔

کیا یہی دور ترقی ہے وسیمؔ
ہر اجائے پر اندھیرے چھا گئے

الحاصل ''تم ہمیں بلاؤ گے تو کیا کھلاؤ گے تم ہمارے گھر آؤ گے تو کیا لاؤ گے'' کے مصداق موجودہ ، دور میں ترقی کے نام پر تخریب کاری کا بازار۔ تیز سے تیز تر ہو رہا ہے۔ اور حق دار اپنا حق اسی دھوکہ میں کھو رہا ہے۔

تجھ سے جدا ہوا ہوں تو اک بھیڑ ہو گیا
اب تو مری نظر پہ کوئی بار ہی نہ تھا

نہ میرا غم کوئی سمجھا نہ میں نے سمجھایا
وہ اشک ہوں جو کسی چشمِ معتبر میں ہے

گھیر لیتے ہیں زمانے کے خیال
میری تنہائی بھی تنہائی نہیں

خود چلو تو چلو آسرا کون دے گا
بھیڑ کے دور میں راستہ کون دے گا

ہر شخص دوڑتا ہے یہاں بھیڑ کی طرف
پھر یہ بھی چاہتا ہے اسے راستہ ملے

یہ ایک میلہ ہے وعدہ کسی سے کیا لے گا
ڈھلے گا دن تو ہر اک اپنا راستہ لے گا

وسیمؔ اتنے بڑے زندگی کے میلے میں
بس ایک غم ہے جو اپنا دکھائی دیتا ہے

میں نے خوابوں کو خواب ہی سمجھا ہوتا
اس بھرے شہر میں کاہے کو اکیلا ہوتا

بھاگتی بھیڑ سے کوئی کہہ دے وسیمؔ
میری آنکھوں میں اشک ہیں پانی نہیں

الغرض تو ایک بھیڑ ہوگیا، نہ میرا غم کوئی سمجھا، گھیر لیتے ہیں زمانے کے خیال، بھیڑ کے دور میں راستہ کون دے گا، ہر شخص دوڑتا ہے یہاں بھیڑ کی طرف، یہ ایک میلہ ہے وعدہ کسی سے کیا لے گا وسیمؔ اتنے بڑے زندگی کے میلے میں، اس بھرے شہر میں کاہے کو اکیلا ہوتا اور بھاگتی بھیڑ سے کوئی کہہ دے کے ذریعہ وسیمؔ بریلوی نے جدید دور کے ایک اہم موضوع تکثریت کو اپنا موضوع بنایا کہ بھاگتی بھیڑ میں انسان کسی دوسرے کا ہم قدم نہیں ہے نیز خود کو بھی تنہا ہی تنہا محسوس کرتا ہے اور وسیمؔ بریلوی کے یہاں ارمان اجل کا موضوع بھی موضوع سخن بنا ہے جو جدیدیت کا ایک اہم موضوع رہا ہے اشعار بطور نمونہ ملاحظہ کریں:

اک تسلسل ختم ہو جاتا وسیمؔ
موت آجاتی اگر آرام سے

کتنی ہی خود داریوں کا خون تھا
مرنے والے کو پسینے آگئے

موت نزدیک ہے زندگی دور ہے
خود بدلنے سے فطرت بدلتی نہیں

مندرجہ بالا معروضات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وسیمؔ بریلوی نے تمنائے موت، آرزو مرگ خواہش اجل و ارمان اجل کو اپنی غزلوں کا موضوع سخن بنایا مگر قنوطی، ناامید اور مایوس نہیں ہیں بلکہ رجائی، با آرزو اور امید سے پُر ہیں۔

وسیمؔ بریلوی نے زندگی و حیات کو بھی موضوع سخن بنایا ہے۔ زندگی کی کشمکش و کشاکش،

حیات کی گردش و کھینچا تانی ، بے معنی زندگی، حیات کی بے مہری و بے رُخی اور حیات پرغم کا سایہ جیسے پہلوؤں کو غزلوں کے اشعار کا موضوع بنایا ہے چند امثلہ اس ضمن میں

خوشی کی دھوپ میں تلخی تھی اس لئے اے دوست
حیات سایہ غم میں گذار دی میں نے

زندگی ہے تو زندگی کے لئے
زندگی بھر وسیم رونا ہے

وسیم ایسے زمانے میں اس مزاج کیساتھ
یہ کم نہیں ہے کہ ہم زندگی گذار چلے

اسے اجل بھی پیام حیات گذرے گی
وہ زندگی کے جسے حادثے تمام کریں

شب میخانہ بھی تجھ پر گراں گزرے گی
زندگی! تو ہی بتا کہاں کرے گی

حیات جس کیلئے ہو اسے تردد ہو
وسیم مرے لئے گردش حیات نہیں

ہر چند ہم نے روکے گذاری مگر وسیم
اس زندگی سے پھر بھی گریزاں نہیں رہے

میری زیست اک جنازہ ہے جو راہ وقت میں ہے

جو تھکیں گے دن کے کاندھے تو سپرد شام ہوگا

اے گردشِ حیات مرا ساتھ چھوڑ دے

کب تک چلے گی ساتھ میرا چھوڑ دے

مندرجہ بالا اشعار میں زندگی، حیات وزیست کے کئی پہلوؤں کی ترجمانی کی نیز اس کے نشیب وفراز اور گردش حیات کو پروفیسر وسیم بریلوی کی حساس طبع و پرسوز دل نے حس ظاہری، حس باطنی اور حس مشترکہ سے محسوس کر کے حادثات زندگی کو پیش کیا ہے ان حادثات کی فہم وتفہیم کے لئے حس وحواس کا بیدار ہونا لازمی ہے یہاں اُنہوں نے حیات کے سایہ غم، مفہوم زندگی، زندگی کی بے بسی، زندگی سے زمانے کی بے مروتی و بے رُخی، موت کے بعد زندگی کا پیغام، زندگی کے حادثات، حیات پر شب میخانہ کی تنگ نظری، زندگی کی تلخی، جنازۂ زیست اور گردش حیات ان پہلوؤں کو موضوع سخن بنایا مگر تلخی حیات وزیست سے گریزاں نہیں حوصلہ افزا پیغام دیتے ہیں اور تلخی حیات وزیست کو برداشت کرنے کا طریقہ وسلیقہ بھی عطا کرتے ہیں۔ بقول وسیم بریلوی

ہرچند ہم نے روکے گذاری مگر وسیم

اس زندگی سے پھر بھی گریزاں نہیں رہے

ترے خیال میں یوں زندگی کرتی ہے

کہ جیسے گود میں لے کر کوئی بہار چلے

وسیم بریلوی نے عہد جوانی کو بھی اپنی غزلوں کا موضوع سخن بنایا ہے عہد جوانی کے

متعلق کہا گیا ہے اس کو زندگی میں غنیمت جاننا چاہئے۔ مندرجہ ذیل پانچ چیزوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ ہر آدمی کو غنیمت جاننا چاہئے :موت کو زندگی سے پہلے،صحت کو بیماری سے پہلے۔جوانی کو بوڑھاپے سے پہلے۔دولت کو مفلسی سے پہلے اور۔علم کو جاہلیت سے پہلے

ابن ماجہ کی ایک حدیث ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا: جب ایک جوان انسان توبہ کرتا ہے تو مشرق سے مغرب تک
کے قبرستانوں میں سے چالیس دن تک عذاب ہٹالیا جاتا ہے''

الحاصل عہد جوانی زندگی کا بہترین حصے ہے جو زندگی و آخرت کے لئے نہ صرف فیض رساں ہے بلکہ فیض گسر بھی ہے اس لئے ہم کو اس سے فیضیاب ہونا چاہئے وسیم بریلوی نے بھی عہد جوانی کو پیش کیا ہے نیز انسان کی بے راہ روی پر اچھوتی تعریض بھی کی ہے:

آنکھ لگنا بھی قیامت تھا جوانی میں وسیم
ٹھوکریں کھائی ہیں تب ہوش میں ہم آئے ہیں
ضبط غم سے مٹ گئی آخر جوانی کی امنگ
پہلے دل مشکل میں تھا اب زندگی مشکل میں ہے

وسیم بریلوی نے مقام بندگی کا ذکر کیا ہے جس کو انسان نے گوناگوں مصروفیات کی بناء پر چھوڑ دیا اے انسان تو ابن آدم ہے اور حضرت آدم وہ ہے جس کے آگے رب العالمین نے فرشتوں کو سجدہ ریز کروایا تھا اور تو آج اسے بھول گیا ہے:

مالک نے تو کرائی فرشتوں سے بندگی
اپنے مقام آپ ہی انسان نے کھو دیئے
تمہارا ذکر ہو دنیا کو کیوں تردّد ہے
میرے لبوں پہ کسی اور کی تو بات نہیں
زندگی دی ہے تو یہ شرطِ عبادت نہ لگا
پیڑ کا سایہ بھلا پیڑ کو کیا دیتا ہے
ترے بےضرر فرشتوں سے بھری پڑی ہے دنیا
مگر اس جہاں کی رونق تو گنہگار مانگے
میری تلاش کو بے نام وبے سفر کردے
میں تیرا راستہ چھوڑوں تو دربدر کردے
لوگ پانی کا قطرہ ہی سمجھے وسیم
کون آنسو کے اندر خدا دیکھتا
تمام شہر ہی جس کی تلاش میں گم تھا
میں اس کے گھر کا پتہ کیس سے پوچھتا یارو
میں اُس کو پوج تو سکتا ہوں چھو نہیں سکتا
جو فاصلوں کی طرح مرے ساتھ رہتاہے

الغرض مالک نے تو کرائی فرشتوں سے بندگی ،تمہارا ذکر ہے دنیا کو کیوں تردّد ہے،

زندگی دی ہے تو یہ شرطِ عبادت نہ لگا، میں تیرا ذکر چھوڑ دوں تو در بدر کردے، کون آنسو کے اندر خدا دیکھتا، میں مخاطب ہوں، تو میرا نام بھی ہوگا کہیں میں اس پوج تو سکتا ہوں، چھو نہیں سکتا کے ذریعہ معبود اور عبد کے رشتہ خلقی کو موضوع سخن بنایا ہے نیز واضح کیا ہے کہ اللہ تیرا عبد اگرچہ گناہ گار ہے مگر تیرا طلب گار ہے۔

وسیم بریلوی نے جہاں دیگر موضوعات کو موضوع سخن بنایا ہے وہاں خمیریاتی موضوع کو بھی موضوع سخن بنایا جو ہماری شاعری کی ایک روایت بھی ہے خمر کو غموں کے ہجوم سے غمگساری کا ذریعہ نجات تصور کیا جاتا ہے اس لئے بادہ خوار خمر کا عمل جاری رکھتے ہیں تاکہ غموں سے نجات حاصل ہو جائے مگر بادہ خوری کے بعد بھی نجاتِ غم کی راہ کہیں دور دور تک نظر نہیں آتی بلکہ حالت اور ابتر و دگرگوں ہو جاتی ہے یہ تو اس جہان فانی کے خمر کا ثمر ہے مگر حقیقی شاعری کا اس مذکورہ خمر سے کوئی رشتہ نہیں ہوتا ایک قطعہ خمریاتی موضوع کو اپنے دامن میں لئے ہے ملاحظہ کریں اس میں وسیم بریلوی نے واعظ کو دعوت نزاکت بھی دی ہے۔

میں شرابی ہوں میری کوشش سے
درد زندہ شراب زندہ ہے
اس نزاکت کو سوچ لے واعظ
میرے دم سے عذاب زندہ ہے
میں پی رہا ہوں کہ پینا انہیں عذاب نہیں
یہ میرے اشک ہیں ساقی تری شراب نہیں

مندرجہ بالا قطعہ اور شعر سے واضح ہوتا ہے کہ وہ شراب جس کا تعلق حقیقی شاعری اور حقیقی شاعر سے ہے وہ اس فانی جہاں کی شراب سے مختلف ہے کیونکہ یہ شراب زندگی کو مردہ کر دیتی ہے جبکہ وہ شراب زندگی کو زندہ و جاوداں کر دیتی ہے۔امثلہ ملاحظہ کریں۔

مری آنکھ سے کچھ آنسو جو بہیں تو غم نہ کیجئے
یہ شراب اپنے ساغر سے چھلک کے کم نہ ہوگی

آنکھوں میں اشک ہاتھ میں جام شراب ہے
دنیا تیرے ستم کا یہی اک جواب ہے

شراب پی ہے تو آنکھوں میں آج اشک نہیں
شراب سینۂ غم میں اُتر گئی ہوگی

ملے تھے ہوش کے عالم میں آج ہم کو وسیمؔ
شراب خانے میں شاید شراب کم ہوگی

خدا کرے مجھ پیتے سے روکنے والے
زیادہ دیر ترا دور جام چل نہ سکے

عزم مے نوشی اور اللہ رے یہ مجبوری
آپ میخانے سے اک جام نہیں بھر سکتے

آنکھوں میں اشک ہاتھ میں جام شراب ہے
دنیا تیرے ستم کا یہی اک جواب ہے

بھرے مکاں کا بھی اپنا نشہ ہے کیا جانے
شراب خانے میں راتیں گذارنے والا
شراب خانے سے باہر کا حال مت پوچھو
تمہارے ہاتھ سے پیمانہ چھوٹ جائے گا
وہ نشہ ہی کیا جو تیرے کسی غم کے راہ رو کے
وہ شراب کیا ، جو میرے ہی لہو کو پی نہ جائے
سب اپنی پیاسی میں گم ہیں ، یہاں تو اے ساقی
کوئی نہیں جو تیرے میکدے سے پیار کرے
جاتی ہے چلی جائے یہ میخانے کی رونق
کم ظرفوں کے ہاتھوں میں ساغر نہ ملے گا
کسی میکدے میں جاؤں کہ حرم میں شب گزاروں
مگر ایسی تشنگی ہے ، جو وسیمؔ کم نہ ہوگئی

اُردو شاعری کی کلاسیکی شعری روایت کو برقرار رکھتے ہوئے وسیمؔ بریلوی نے شراب کو موضوعِ سخن بنایا ہے ۔ الحاصل عزم مے نوشی ، ملے تھے ہوش کے عالم میں شائد شراب کم ہوگئی ، آنکھوں میں اشک ہاتھ میں جام شراب ہے ، شراب خانے میں وہ شراب کیا جو مرے ہی لہو کو پی نہ جائے ، میں شراب پی رہا ہوں ، سب اپنی پیاس میں گم ہیں ، کم ظرفوں کے ہاتھوں میں ساغر نہ ملے گا اور کسی میکدے میں جاؤں کے حرم میں شب گذاروں سے اظہر من

الشمّس ہے کہ مندرجہ بالا اشعار میں شراب کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔

سب اپنی پیاس میں گم ہیں یہاں تو اے ساقی
کوئی نہیں جو تیرے میکدے سے پیار کرے
شراب گھر میں بھی ساقی سے لے کر ساغر تک
شریک مے تو تھے ، کوئی شریک غم نہ ہوا
تمام رات ، تری آنکھ کا خیال بخیر
لبوں سے جام لگا کر گذار دی میں نے
سازس مرے خلاف ہوئی ہے کوئی وسیمؔ
ساقی کی انگلیوں کے نشان نہ تھے
مسکراتا ہوں دل ناکام سے
پی رہا ہوں مہ شکستہ جام سے
یہی بزم عیش ہوگئی یہی دورِ جام ہوگا
مگر آج کا تصور یہاں کل حرام ہوگا
یہ مری آخری شب تو نہیں مے خانے میں
کانپتے ہاتھوں سے کیوں جام دیا جاتا ہے
لمحہ لمحہ کٹ رہی ہے زندگی
قطرہ قطرہ بہہ رہا ہے جام سے

دعا کرو کہ کوئی پیاس نذر جام نہ ہو
وہ زندگی ہی نہیں جو ناتمام نہ ہو
جب اس کے جام میں اک بوند تک نہیں ہوتی
وہ میری پیاس کو پھر بھی سنبھال لیتا ہے

اُردو شاعری کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے وسیمؔ بریلوی نے مندرجہ بالا اشعار میں جام ساقی اور ساغر کو موضوع سخن بنایا ہے۔

غم سے گھبرا کے یہ چاہا تھا کہ مرجائیں وسیمؔ
جذبۂ عشق پکار کہ نہیں مرسکتے
شراب پی ہے تو آنکھوں میں آج اشک نہیں
شراب سینۂ غم میں اتر گئی ہوگئی
وہ غم عطا کیا دل دیوانہ جل گیا
ایسا بھی کیا شراب ہے پیمانہ جل گیا
ہر ایک اشک ہے تیرے، تیری خوشی کے لئے
میں رو رہا ہوں ترے غم کی زندگی کے لئے
جہاں میں رہنے کی قیمت مرے علاوہ کوئی نہ دے گا
یہ سمجھ کر کہ یہ نعمت بھی کسے ملتی ہے
لمحۂ غم کو بھی ہنس ہنس کر گذارا ہم نے

بھلا غموں سے کہاں ہار جانے والے تھے
ہم آنسوں کی طرح مسکرانے والے تھے

وسیم اتنے بڑے زندگی کے میلے میں
بس ایک غم ہے جو اپنا دکھائی دیتا ہے

ترس رہی ہیں اک آنسو کو آج یہ آنکھیں
وسیم غم بھی بہت روز ہم زبان نہ بنا

میرے دل کی غم پسندی تو ضرور کم نہ ہوگی
مگر اُن کی آرزو ہے، تو اب آنکھ بھی نم نہ ہوگئی

خشک آنکھیں پلک بھی نم نہیں
اب کوئی آنسو شریک غم نہیں

لاکھ خوشیوں کی ضمانت دیئے جائے
پھر بھی دل سے کہیں اندیشہ غم جائے ہے

میری اداس نگاہی وسیم کافی تھی
ثبوت غم کے لئے آنکھ تر نہ کی میں نے

میں تمام ہی تو خوابوں کا لہو پلا چکا ہوں
مگر اے غم زمانہ تری تشنگی نہ جائے

مٹے وہ دل جوترے غم کو لے کر چل نہ سکے
وہی چراغ بجھائے گئے جو جل نہ سکے

الحاصل گھبراہٹ، غم، سینۂ غم، معصوم غم، سایۂ غم، دل سوزغم، زندگی غم، لمحۂ غم، ہجوم غم، زندگی کے میلے میں غم اپنا دکھائی دیتا ہے، فرارازغم، آنسو شریک غم نہیں، عہدغم، اندیشہ غم، اُداس نگاہی، تشنگی غم زمانہ اورسوختہ دل ازغم جیسے غم کے اہم پہلوؤں کو وسیم بریلوی نے مندرجہ بالا اشعار میں موضوع سخن بنایا ہے نیز واضح کیا ہے کہ غم کبھی دل کو جلاتا ہے اور دل کبھی غم کو جلاتا ہے مگر کبھی ہار نہیں ہوتی اور جذبۂ عشق حیاتِ جاویداں کا مژدۂ جان فزا دیتا ہے جس کی ترجمانی وسیم بریلوی نے کی ہے۔

اورکیا تھا اس کو پرُسش کا خواب
اپنے ہی آنسو چھپا کر رہ گیا
زندگی دنیا میں ایسا اشک تھی
جو ذرا پلکوں پہ ٹھہرا بہہ گیا
میرے بچوں کے آنسو پونچھ دینا
لفافے کا ٹکٹ جاری نہ کرنا
میرا احساس صدیوں پہ پھیلا ہوا
ایسا آنسو جو پلکیں بدل رہا ہے
پیار کو اک پہیلی بنانے لگے

تم تو آنکھوں سے آنسو چھپانے لگے

تم نے میرے گھر نہ آنے کی قسم تو کھائی ہے

آنسوؤں سے بھی کہو، آنکھوں میں آنا چھوڑ دیں

جادوئی جنگلوں کا سفر تیرا پیار تھا

وہ دیکھتا تو ایک ہی آنسو میں کیا نہ تھا

دل ہیں اشکوں کی نشانی سے

جل رہے ہیں چراغ پانی سے

تم نے اچھا کیا آنسو دیئے آنکھوں کیلئے

میری راتوں کو چراغوں کی ضرورت نہ رہی

یہ میرا ظرف ہے کہ بقدر غم حیات

اشک آنکھ میں رہے تو نمایاں رہے

میں اس کی آنکھ کا آنسو نہ بن سکا ورنہ

مجھے بھی خاک میں ملنے کا ڈر نہ ہوتا

شاید اسے یہ درد کا پہلو پتہ نہ تھا

وہ دیکھتا تو ایک ہی آنسو میں کیا نہ تھا

سنگ اُٹھاؤ کہ دیکھو پتھر ہے پتھر کا جواب

قلعے ڈھانے نکلے ہو اور وہ بھی لرزتے آنسو سے

لوگ پانی کا قطرہ ہی سمجھے وسیم
کون آنسو کے اندر خدا دیکھتا

تیرے بخشے ہوئے اشکوں کا خدا ہی حافظ
یہ امانت اب ان آنکھوں سے سنبھلتی نہیں

نہ مری آنکھ میں آنسو نہ تو چہرے سے بے چہرہ
ملے ہیں مدتوں میں ہم تو سمجھوتے سے لگتے ہیں

میں اس کو آنسوؤں سے لکھ رہا ہوں
کہ میرے بعد کوئی پڑھ نہ پائے

آنسو ہندی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے وہ پانی جو زیادہ تکلیف رنج یا خوشی میں آنکھوں سے جاری ہوتا ہے الحاصل جل رہے ہیں چراغ پانی سے، میری راتوں کو چراغوں کی ضرورت نہ رہی، اشک آنکھوں میں رہے تو نمایاں رہے، میں اُس کی آنکھ کا آنسو نہ بن سکا، وہ دیکھتا تو ایک ہی آنسو میں کیا نہ تھا، قلعے ڈھانے نکلے ہوا اور وہ بھی لرزتے آنسو سے، کون آنسو کے اندر خدا دیکھتا، یہ امانت اب ان آنکھوں سے سنبھلتی نہیں، نہ میری آنکھ میں آنسو نہ تو چہرے سے بے چہرہ، ملے ہیں مدتوں میں ہم تو سمجھوتے سے لگتے ہیں اور میں اس کو آنسوؤں سے لکھ رہا ہوں کے ذریعہ آنسوؤں کے بعض اہم پہلوؤں کی ترجمانی کی ہے نیز دل کو چراغ اور خونِ دل کو چراغ کا تیل قرار دیا ہے۔ ملاحظہ کریں

دل ہیں اشکوں کی نشانی سے
جل رہے ہیں چراغ پانی سے

وسیم بریلوی نے غم ونجات غم، آنسو میں نہانے، تعمیر وتخریب آشیانہ، سرراہگذر، موت وتمنا موت، غبار دل، زندگی، زندگی کی بے بسی، حیات کی گردش، کشمکش زندگی، بے رخی حیات، حادث غم، جگر کے زخموں، درد دل، کسک وہوک دل، زمانے اور زمانے کی کج روی ونزاکت، آزادی دوچہرگی و دورنگی انسان و زندگی کی بےقراری شکستگی و پریشانی عہد جوانی، مقام بندگی وانسان کی گمراہی اور بادہ خواری کو موضوع سخن بنا کر اپنی حساس طبع اور دل شکستہ کا ثبوت دیا ہے۔

اردو شاعری کی ممتاز ومقبول ترین صنف نازک ''غزل'' ہے جس کو دیگر تمام اصناف سخن نگاہ رشک سے دیکھنے پر مجبور ہیں اس کی زبان میں نزاکت، لطافت اور لوچ ہوتا ہے اور منفرد انداز میں جذبات، احساسات، خیالات، تجربات اور مشاہدات کی ترجمانی کرتی ہے مگر اپنی مخصوص ہیئت کے سانچے میں کیونکہ اس صنف سخن کا نشان امتیاز ''ہیئت'' ہے۔ اصلاً فارسی کی صنف سخن ہے مگر مزاج و ماحول کے اعتبار سے خالص ہندوستانی صنف سخن ہے نیز اس کا امتیازی وصف اشاریت وایمائیت ہے علاوہ ازیں صنف غزل کا خمیر عشقیہ مضامین سے تیار ہوتا ہے اور بیج جذبے کی مٹی میں نمودار ہوتا ہے اس آب وگل میں یہ پودا پیدا ہوتا ہے حس و حواس سے یہ پودا تر وتازہ رہتا ہے اگرچہ موجودہ دور میں غزل میں ہر ایک موضوع کو بیان کرنے کی گنجائش ہے مگر غزل کے نہایت اہم موضوعات میں حسن وعشق، تصوف اور آزادہ

روی ہیں، طنز وتعریض کی روایت سلسلہ وار فارسی شاعری سے ہماری شاعری میں جدیدیت تک چلی آرہی ہے۔ وسیم بریلوی نے آزادہ روی یعنی شعری روایت کو قائم رکھتے ہوئے زبان غزل میں طنز وتعریض کے اچھوتے وار کئے ہیں۔

اُن سے کہہ دو مجھے خاموش ہی رہنے دو وسیم
لب پہ آئے گی تو ہر بات گراں گذرے گی
کبھی اے وسیم پہنچے جو غموں میں مسکرانے
اُٹھا شور میکدے میں کہ وہ دیو داس آئے
اے وسیم آنکھیں تمہاری سرخ ہیں
رات بھی لگتا ہے نیند آئی نہیں

(وسیم بریلوی)

مجھے وعظ پر وعظ فرمانے والے
اگر کوئی تیری نیندیں بھی چرالے

عاصی

اے زہد خشک! تیری ہدایت کے واسطے
سوغاتِ عشق لائے ہیں کوئے بتاں سے ہم

حسرت

واعظ نہ تم پیو، نہ کسی کو پلاسکو
کیا بات ہے تمہاری شرابِ طہور کی

غالبؔ

کیا خرابی ہے مے کدے کی سہل
محتسب اس جہان جاتا ہے

میرؔ

گمراہ کیسے ہوں گے کئی پھول سے جذبے
ایسے تو کوئی راہنما ہو نہیں سکتا
پڑے رہو یوں ہی سہمے ہوئے دیئوں کی طرح
اگر ہواؤں کے پر باندھنا نہیں آتا
جاہمیشہ کو مجھے چھوڑ کے جانے والے
تجھ سے ہر لمحہ بچھڑنے کاڈر تو ختم ہوا
یہ چھوٹے چھوٹے دیئےسازشوں میں رہتے ہیں
کسی کا گھر کوئی سورج جلا نہیں سکتا
تمہارے ہاتھوں میں ہم کیسے بستیاں سونپیں
تمہارے ہاتھوں کو عادت گھر جلانے کی
گناہ گار کو اتنا پتا تو ہوتا ہے

جہاں کوئی نہیں ہوتا خدا تو ہوتا ہے

اس چھوٹے زمانے کے بڑے کیسے بنو گے
لوگوں کو جب آپس میں لڑانا نہیں آتا

جو پیش پیش تھے بستی بچانے والوں میں
لگی جب آگ تو اپنا بھی گھر بچا نہ سکے

گھروں کی تربیت کیا آ گئی ٹی وی کے ہاتھوں میں
کوئی بچہ اب اپنے باپ کے اوپر نہیں جاتا

اپنا یہ المیہ ہے کہ ہم ذہنی طور پر
اس شہر میں رہے جو ابھی تک بسا نہ تھا

گناہ گاروں پہ انگلی اٹھائے دیتے ہو
وسیمؔ آج کہیں تم بھی سنگ سار نہ ہو

اور ابھی دھوکے دے لو
جانے کب آنکھیں کھل جائیں

یہی چراغ تیری تیرگی کا ساتھی تھا
جسے تو صبح کی خاطر بجھائے دیتا ہے

پھل پڑوسی کے درختوں پہ نہ پکتے تو وسیمؔ
میرے آنگن میں یہ پتھر نہ آئے ہوتے

دھواں بھرا ہے یہاں تو سبھی کی آنکھوں میں
کسی کو گھر میرا چلتا نظر نہیں آتا
کلیجہ چاہئے دشمن سے دشمنی کے لئے
جو بے عمل ہے وہ بدلہ کسی سے کیا لے گا
میں گناہ گار بھی ہوں میں گناہ گر بھی لیکن
مجھے کوئی ایسا ٹوکے ، جو گناہ گار کم ہے

مندرجہ بالا اشعار جہاں طنز وتعریض کے اچھوتے وار ہیں وہاں زبانِ غزل کے اہم نمونے بھی ہیں نیز طرزِ بیان کے اعلیٰ شاہکار بھی ہیں علاوہ بریں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر طنز وتعریض کے وار کئے ہیں اور رقیب کے افراد کو دیوداس سے تعبیر کیا ہے علاوہ ازیں وسیمؔ بریلوی نے دور ترقی پر طنز وتعریض کے وار کئے ہیں۔ مندرجہ ذیل شعر اس پر دلالت کرتا ہے:

کیا یہی دور ترقی ہے وسیمؔ
ہر اُجالے پر اندھیرے چھا گئے

عبادت بریلوی راقم طراز ہیں۔ '' جدید غزل میں عشق کا تصور، جو غزل کا بنیادی موضوع ہے، روایتی نظر نہیں آتا......اور وہ حقیقت کی طرف بڑھتا ہوا معلوم ہوتا ہے'' ۔9

غزل کا دوسرا اہم موضوع ہے حسن و عشق، حسن کا وصف ناز ہے جبکہ عشق کا وصف نیاز ہے حسن و عشق کا ذکر وسیمؔ بریلوی نے مندرجہ ذیل اشعار میں کیا ہے اور حسن و عشق بعض پہلوؤں (محبت، وفا، پیار، شکوہ، بدگمانی، جدائی اور انتظار) کو بھی ملاحظہ کریں۔

بقول شبلی نعمانی ''عشق ومحبت انسان کا ضمیر ہے، اس لئے جہاں انسان ہے وہاں عشق بھی ہے اور چونکہ کوئی قوم شاعری سے خالی نہیں اس لئے کوئی قوم عشقیہ شاعری سے بھی خالی نہیں۔'' ۱۰؎

ہے فرصت تو کسی سے عشق کرے
ہماری ہی طرح بے کار ہوجا
وہ دن گئے کہ محبت تھی جان کی بازی
کسی سے اب کوئی بچھڑے تو مر نہیں جانا
محبت میں بچھڑنے کا ہنر سب کو نہیں آتا
کسی کو چھوڑنا ہو تو ملاقاتیں بڑی کرنا
وہ پیار جس کے لئے ہم نے کیا گنوا نہ دیا
اسی نے بچ کے نکلنے کا راستہ نہ دیا
پیار کو ایک پہیلی بنانے لگے
تم تو آنکھوں سے آنسو چھپانے لگے
وفا کی راہ میں کتنے ہی موڑ آئیں گے
بتا یہ عمر کہاں تیرا انتظار کرے
بہت بے باک آنکھوں میں تعلق ٹک نہیں پاتا
محبت میں کشش رکھنے کو شرمانا ضروری ہے

ہوا کی تیزی دریچے میں بند کرلینا

بس اور اس کے سوا جذبۂ وفا کیا ہے

میں ان چراغوں کی عمروفا کو روتا ہوں

جوایک شب بھی مرے دل کے ساتھ جل نہ سکے

کیسے ہوا ، کہاں ہوا، پیار عجیب چیز تھا

اُس کوبھی کچھ پتا نہیں، مجھ کو بھی کچھ خبر نہیں

اسے پتا ہی نہیں ہے کہ پیار کی بازی

جو ہار جائے وہی کامیاب ہوتا ہے

پیار کی بازی ہار گئے تو

ہار کے بھی نقصان نہیں ہے

پیار کے بارے میں اتنا نہیں سوچا جاتا

اُس سے کہہ دو مری آنکھوں کا سفر ختم کرے

جانا ہی تھا تو جاتا اسے اختیار تھا

جاتے ہوئے یہ بات مجھے کیوں بتا گیا

میری وفا تو بھٹکتی پھری زمانے میں

مگر مسافر تنہا سے کارواں نہ بنا

راہِ وفا کے فاصلے کچھ معتبر نہ تھے

اچھا ہوا کہ آپ مرے ہم سفر نہ تھے

یہ سوچ کرکوئی عہد وفا کرو ہم سے

ہم ایک وعدہ پہ عمریں گزاردیتے ہیں

آؤ یہ محبت ہے اسے دونوں نبھائیں

اک دل میں سماجائے یہ وہ راز نہیں

ضرور حق تو کسی سے ادا نہیں ہو

مگر یہ پیار کبھی بے وفا نہیں ہوتا

پیار کے اس نشہ کو کوئی کیا سمجھے

ٹھوکر میں جب سارا زمانہ ہے

محبت ناپنے کاکوئی پیمانہ نہیں ہوتا

کہیں تو بڑھ بھی سکتا ہے کہیں تو مجھ سے کم ہوگا

اے پیار! تیرے حصے میں آیا تیری قسمت

وہ درد جو چہروں سے ادا ہو نہیں سکتا

عمر بھر تجھ سے بچھڑنے کی کسک ہی نہ گئی

کون کہتا ہے محبت کا اثر ختم ہوا

دنیا کو بے وفائی کا الزام کون دے

پیار جیسا بھی کسی نے کوئی ناداں دیکھا

عمر بھر پیار نبھانا تو بڑا مشکل تھا
چن لیا اس نے وہی رستہ جو آسان دیکھا

محبت تھی جان کی بازی، محبت میں بچھڑنے کا ہنر، وہ پیار جس کے لئے ہم نے کیا گنوانہ دیا، پیار کو ایک پہلی سنانے لگے، وفا کی راہ میں موڑ، محبت میں کشش رکھنے کو شرمانا، جذبۂ وفا کیا ہے، پیار عجیب چیز، پیار کی بازی، پیار کے بارے میں اتنا نہیں سوچا جاتا، میری وفا تو بھٹکی پھری زمانے میں، پھر ملے تو کوئی بے وفا ملے، آج بے وفا نہ لگا، پیار کبھی بے وفا نہیں ہوتا، پیار کا نشہ، محبت ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں، درد پیار، اثر محبت الزام بے وفائی، ناداں پیار اور عمر بھر پیار نبھانا، سے اظہر من الشّمس ہے کہ پیار، محبت اور وفا کا نہ تو پیمانہ ہے نہ ہی ابتداء کا سراغ معلوم ہے اور نہ ہی انتہا پہ کوئی نظر گئی ہے۔جس کی ترجمانی وسیم بریلوی نے کی ہے الحاصل مندرجہ بالا اشعار میں وسیم بریلوی نے محبت وفا اور پیار کو موضوع سخن بنایا ہے۔

آنکھیں زخمی ہیں تو وسیم اب شکوہ وشکایت کیا
تم نے بھی تو دیکھنا چاہادنیا کو ہر پہلو سے
وسیم اپنے گریباں میں جھانک کردیکھا
تو اپنے چاروں طرف کوئی بھی برا نہ لگا
انہیں تو خاک میں ملنا ہی تھا کہ میرے تھے
یہ اشک کون سے اونچے گھرانے والے تھے
میں گلاب تو نہیں ہوں مگر اے چمن نصیبو!

مرا دل بھی پھول جیسے ہی کچھ اختیار مانگے

شکوہ، فارسی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہے گلہ یا دوستانہ شکایت اور اردو شاعری کی یہ روایت رہی ہے کہ عاشق ومعشوق کے مابین شکوہ گزاری کا طوفان انگیز سمندر رواں دواں رہتا تھا اسی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے وسیم بریلوی نے مندرجہ بالا اشعار میں شکوہ وشکایت کو اپنا موضوع سخن بنایا ہے۔ نیز واضح کیا ہے کہ شعری روایت کو برقرار رکھنا بھی ایک معتبر شاعر کی پہچان ہے۔

تھیں بدگمانیاں تو تری گفتگو میں آج
تھوڑی سی احتیاط پریشان کر گئی

بڑے سلیقے سے اس دور بدگمانی میں
کسی کا بوجھ کسی نے کسی پہ ڈال دیا

نہ بڑھاؤ بدگمانی کہ وسیم آج اس نے
کوئی مصلحت ہوگی جو تمہیں بھلا دیا

بدگمانی کی نگاہوں کے لگے ہیں پہرے
تیرا یہ شہر ایک اندیشہ ہوا جائے ہے

یہ کس مقام پہ لائی ہے میری تنہائی
کہ مجھ سے آج کوئی بدگماں نہیں ہوتا

بدگمانی کا صدقہ اتارا گیا
شہر میں پھر کوئی آج مارا گیا

بدگمانی کا لغوی معنی ہے بے جا شبہ، فاسد خیال اُردو شاعری کی یہ شعری روایت رہی ہے جب بھی عاشق اور معشوق کا ذکر ہوا ہے تو تقریباً ہر شاعر نے بدگمانی کو موضوع سخن بنایا ہے الغرض اسی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے بدگمانی کے بعض پہلوؤں کو اُجاگر کیا ہے ۔ الحاصل وسیمؔ بریلوی کے موضوعات میں ایک موضوع بدگمانی بھی ہے۔

ایک جدائی کا وہ لمحہ کہ جو مرتا ہی نہیں
لوگ کہتے ہیں کہ سب وقت گزر جاتے ہیں

جدائیوں کی یہ راتین تو کاٹنی ہوں گی
کہانیوں کو کوئی کیسے مختصر کردے

جو سب پہ بوجھ تھا اس شام جب نہیں لوٹا
اسی پرندے کا شاخوں کو انتظار تھا

وہ اتنا ٹوٹ کے مجھے ملا نہیں ہوتا
تو میرا ساتھ اُسے چھوڑنا نہیں ہوتا

بچھڑے وقت کسی آنکھ میں جو آتا ہے
تمام عمر وہ آنسو بہت دلاتا ہے

اب تو ہم ہیں درودیوار سے باتیں ہیں وسیمؔ
ساتھ بچے رہا کرتے تھے تو گھر لگتا تھا

نہ میری دھوپ، نہ سایہ، نہ راستہ میرا
تجھے پتہ ہے ترے بعد کیا ہوا میرا

جدائی کا لفظ جب نظر آتا ہے تو تاریخ، سیاست، تمدن وتہذیب، وطن، مذہب اور ملک وملت اذہان وقلوب پر حسرت آلودہ دستک دیتے ہیں کہ یہ موسم خزاں ادھر سے بھی گذرا ہے۔ جس کے نشیب وفراز کا سامنا ہم نے بھی کیا ہے الغرض وسیم بریلوی نے جدائی کو موضوع سخن بنا کر واضح کیا ہے کہ لمحۂ جدائی کے لئے موت نہیں نیز کسی نہ کسی روپ میں اس کا طوعاً یا کرہاً ضرور سامنا کرنا پڑتا ہے۔

دیکھئے کب کوئی پڑھنے والا ملے
میں ہوں اپنے ہی چہرہ پہ لکھا ہوا
شکستگی کا بھرم رکھنا اے مرے چہرے
کسی کا سامنا ہو تو اتر نہیں جاتا
دنیا کو دوسروں کی نظر سے نہ دیکھئے
چہرے نہ پڑھ سکے تو کتابوں میں کیا ملے
اپنے چہرے سے جو ظاہر ہے چھپائیں کیسے
تیری مرضی کے مطابق نظر آئیں کیسے
تیرے چہرے کی اُداسی پہ ہے دنیا کی نظر
میرے حالات پہ اب کس کی نظر جائے گی

الحاصل میں ہوں اپنے چہرے پہ لکھا ہوا، شکستگی کا بھرم رکھنا میرے چہرے، چہرہ نہ پڑھ سکے اور چہرے کی اُداسی پہ دنیا کی نظر کے ذریعہ وسیم بریلوی نے اذہان وقلوب کی نقاب کشائی چہرہ کے ذریعہ کی ہے۔

اس انتظار میں کیوں ہو، وہ لوٹ آئے گا

تمہارے پیارے میں شاید کوئی کمی ہے میاں

بہت دنوں میں زمانے کی ٹھوکروں میں رہا

کہو زمانے سے ، اب میرا انتظار کرے

وفا کی راہ میں کتنے ہی موڑ آئیں گے

بتا! یہ عمر کہاں تیرا انتظار کرے

بس انتظار تھا،احساس انتظار نہ تھا

وہ دن بھی کیا تھے کہ جب خود پہ اختیار نہ تھا

کوئی اشارہ دلاسا نہ کوئی وعدہ مگر

جب آئی شام ترا انتظار کرنے لگے

وعدہ کرکے کہیں نہ آ جانا

سارا نشہ تو انتظار کا ہے

''الانتظار اَشدمن الموت'' کے مصداق اگرچہ لمحہِ انتظار جان لیوہے مگر یہ انتظار ہی ہے جو مصائب وآلام زندگی کو برداشت کرنے کا حوصلہ دیتا ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے

کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ ''انما العسرِ یسرا'' بے شک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، الغرض وسیم بریلوی نے انتظار کو موضوع بنا کر پُر امید پہلوؤں کو بھی اُجاگر کیا ہے۔

حسن سب ناز عشق سارا نیاز
پھر بھی دونوں ہیں لازم و ملزوم

(وسیم بریلوی)

حسن تھا پردہ تجرید میں سب سوں آزاد
طالب عشق ہوا پردۂ انسان میں آ

(ولی)

دل اپنا آئینے سے صاف عشق پاک رکھتا ہے
تماشا دیکھتا ہے حسن اُس میں خودنمائی کا

(آتش)

یہ مہتاب نہیں ہے کہ آفتاب نہیں
سبھی ہے حسن مگر عشق کا جواب نہیں

(مجاز)

کب چشم الم ہوتی ہے نم دیکھ رہا ہوں
میں عشق میں خودداری غم دیکھ رہا ہوں

وسیم بریلوی

سپرد کس کے مرے بعد ہو امانت عشق
اٹھائے کون یہ بار گراں؟ نہیں معلوم

آتشؔ

عشق کا گھر ہے میرؔ سے آباد
ایسے بھر خانماں خراب کہاں

میرؔ

غم سے گھبرا کے یہ چاہا تھا کہ مر جائیں وسیمؔ
جذبۂ عشق پکارا کہ نہیں مرسکتے
ڈبو رہا ہے کہاں دور عاشقی مجھ کو
بہت قریب سے تکتی ہے زندگی مجھ کو
عالم عشق وفا سے آرہی ہے یہ خبر
راہ میں تاریکیاں ہیں روشنی منزل میں ہے

وسیمؔ بریلوی

تو نے حسرتؔ کی عیاں تہذیب رسمِ عاشقی
ورنہ پہلے اعتبار شانِ رسوائی نہ تھا

(حسرتؔ)

عشق ہی کے ہاتھوں میں کچھ سکت نہیں رہتی
ورنہ چیز ہی کیا ہے گوشۂ نقاب اُن کا

(جگؔر)

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
کہ لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بجھے

غالبؔ

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اقبالؔ

عشق کی آزمائش ایسی فضاؤں میں ہوئی
پاؤں تلے زمین نہ تھی سر پر یہ آسمان نہ تھا
توڑا لا مکاں کی حدوں کو بھی عشق نے
زنداں عقل تیری کیا کائنات ہے

فراقؔ

واپسی کا سفر کتنا دشوار تھا
چاہ کر بھی اُسے بھول نہ پایا
زبان سے دل کے سبھی فیصلے نہیں ہوئے

اسے بھلانے کو کہتے تو تھے بھلا نہ دیا

تمہارا پیار تو سانسوں میں سانس لیتا ہے

جو ہوتا نشہ ، تو اک دن اُتر نہیں جاتا

جدائی، وصل، بدگمانی، شکوہ وشکایت اوراقرار فی انکار موضوع عشق کے اہم پہلو ہیں۔جس کو وسیمؔ بریلوی نے اشعار کا لبادہ عطا کیا ہے۔الغرض مندرجہ بالا اشعار میں اگرچہ ظاہراً انکار ہے مگر باطناً اقرار کو موضوع سخن بنایا ہے۔

میں تو کھویا رہوں گا تیرے پیار میں

تو ہی کہہ دینا ، جب بدلنے لگے

ہائے کیا دیوانگی تھی اے وسیمؔ

جونہ کہنا چاہئے تھا کہہ گیا

صرف تیرا نام لے کر رہ گیا

آج دیوانہ بہت کچھ کہا گیا

تیرے خیال کے ہاتھوں کچھ ایسا بکھرا ہوا

کہ جیسا بچہ کتابیں اِدھر اُدھر کردے

جادوئی جنگلوں کا سفر تیرا پیار تھا

ہنس کے جو پیچھے دیکھا تو آنسو کا ہوگیا

بکھرے ذہن کا ایک پہلو دیوانگی ہے۔دیوانگی کے دو اہم پہلو ہیں ایک ذہنی نظام کا

بگڑ جانا اوردوسرا بے انتہا چاہت۔ الغرض وسیم بریلوی نے کھویا رہوں گا تیرے پیار میں، ہائے کیا دیوانگی،صرف تیرا نام لے کر رہ گیا، تیرے خیال سے کچھ ایسا بکھرا ہوں اور جادوئی جنگلوں کا سفر کو موضوع سخن بنا کر دیوانگی کے پہلوؤں کو اُجا گر کیا ہے۔

مندرجہ بالا اشعار سے یہ بخوبی واضح ہوتا ہے کہ وسیم بریلوی نے حسن وعشق کو موضوع بنا کر شاعری کی ایک اہم روایت کو برقرار رکھا ہے۔حسن وعشق لازم وملزوم،عشق میں خودداری غم، جذبہ عشق، دورعاشقی، عالم عشق وفا کو موضوع بنا کر تغزلیاتی پہلو کو برقرار رکھا ہے

وسیم بریلوی نے غزل کے تیسرے اہم موضوع تصوف کو بھی موضوع سخن بنایا ہے

ڈاکٹر سنبل نگار رقمطراز ہیں کہ ''تصوف سے مراد ہے کہ خود کو اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے وقف کردینا۔''۱۱ صوفیائے کرام کے افکار کے تحت انسان مجبور محض ہے اور قدما کے یہاں تصوف اور عشق (حقیقی ومجازی) سے مراد عملی زندگی سے فرار کا نام تھا ڈاکٹر طاہر القادری نے ''کشف المحجوب'' سے شیخ خضری کا قول تحریر کیا ہے جو''تصوف'' کی وضاحت کرتا ہے التصوف صفاء السر من کدورۃ المخالفۃ'' (باطن کو مخالفت حق کی کدورت اور سیاہی سے پاک وصاف کرنے دینے کا نام تصوف ہے)۱۲

الحاصل تصوف کے معنی ہیں تزکیہ نفس اور دل کی خواہشات کو برطرف کرکے خالق کائنات سے لَو لگانا اگر چہ اقبال نے ان پیمانوں کو بدل کر انسانی زندگی اور مقاصد سے قریب تر گیا۔

مسکراتا ہوں دل ناکام سے
پی رہا ہوں مے شکستہ جام سے

آج بھی اس زندگی کی لاش میں
جان پڑ جاتی ہے تیرے نام سے

(وسیمؔ بریلوی)

خدا کے لئے میرے ہم نشینو
وہ بانکا جو جاتا ہے اس کو بلالو

(سوز)

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پاسکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سماسکے

دردؔ

وہ دل جو ترے لئے مستقل اداس نہیں
اک ایسا جسم ہے جس پر کوئی لباس نہیں
اجنبی دل میں مسکراتا رہا
تیرا غم بھی ہے کس قدر معصوم

(وسیمؔ بریلوی)

مٹا دیا مرے ساقی نے عالم من و تو
پلا کے مجھ مئے لاالہٰ الا ھو

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

(اقبالؔ)

بس ایک بار ہنسا تھا ملا کے اُن سے نظر
پھراُس کے بعد نہ آئی کبھی ہنسی مجھ کو

(وسیمؔ بریلوی)

خون ہوتاہے دل کا یاں آؤ
مہندی پاؤں میں کیا ملی ایسی

(دردؔ)

کون تخیل کی وادی میں ہے آہستہ خرام
رہ گئے چھاکے خیالات کے اُوپر سکتے

(وسیمؔ بریلوی)

جان سے ہوگئے بدن خالی
جس طرف تونے آنکھ بھر دیکھا

(خواجہ میر دردؔ)

تونے اپنا جلوہ دکھانے کو جو نقاب منہ سے اٹھا دیا
وہیں محو حیرت بے خودی مجھے آئینہ سا بنا دیا

(نیازؔ بریلوی)

ترے خیال کے ہاتھوں کے ایسا بکھرا ہوں
کہ جیسے بچہ کتابیں اِدھر اُدھر کردے

(وسیمؔ بریلوی)

تیرے دامن تلک ہی پہنچوں اور
خاک ہونے سے کچھ مراد نہیں

(قاسمؔ)

میری آنکھوں کو یہ سب کون بتانے دے گا
خواب جس کے ہیں وہی آنے نہ دے گا
وسیمؔ شہرتیں ضد میں حاصل کیں ورنہ
میں اُس کے ہوتے کس اور کا نہیں ہوتا

(وسیمؔ بریلوی)

منتؔ ایسے کو دل دیا تونے
اے میری جان کیا کیا تونے

(منتؔ)

کچھ اس طرح وہ مری زندگی میں آیا تھا
کہ میرا ہوتے ہوئے بھی بس ایک سایہ تھا

میں ایک صدا یہ ہمیشہ کو گھر تو چھوڑ آیا
مگر پکارنے والا نظر نہیں آیا

خلوت ہو اور شراب ہو معشوق سامنے
زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

(یقیںؔ)

اندھیرا ذہن کا سمت سفر جب کھونے لگتا ہے
کسی کا دھیان آتا ہے اُجالا ہونے لگتا ہے

تصوف عربی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی معنی ہے علم معرفت، تزکیہ نفس کا طریقہ اور دل سے خواہشوں کو دور کر کے خدا کی طرف دھیان لگانا۔ الغرض شعری روایت کو برقرار رکھتے ہوئے وسیمؔ بریلوی نے واضح کیا ہے کہ ''من عَرف نفس فقد عرف اللہ'' کے مصداق تصوف کے ذریعہ ہی عابد اپنے معبود کو پہچان سکتا ہے۔ بقول ولیؔ

شغل بہتر ہے عشق بازی کا
کیا حقیقی و کیا مجازی کا

الحاصل تصوف کے موضوع کو ڈاکٹر وسیمؔ بیگم کے قول پر ختم کرتا ہوں وہ رقمطراز ہیں ''غزل میں عشق حقیقی کا جو تصور ہے اس میں شعرا تصوف لئے عشق مجازی کا سہارا لیتے ہیں۔''[۱۳]

حوالہ جات

۱. لمحے لمحے (وسیم بریلوی نمبر) ص۳۲۲
۲. قرآن کریم مترجم ص ۵۲۸
۳. ڈاکٹر نجمہ رحمانی ''جدید غزل کی علامتیں'' ص ۷۸
۴. وسیم بریلوی ''موسم اندر باہر کے'' ص ۲۵
۵. وسیم بریلوی ''آنکھوں آنکھوں رہے'' ص ۷۔۸
۶. لمحے لمحے (وسیم بریلوی نمبر) ص۹۶
۷. لمحے لمحے (وسیم بریلوی نمبر) ص۸۰
۸۔ اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ، ص۱۶۔۱۷
۹۔ ''جدید شاعری'' ص۱۹۹
۱۰۔ تحریک ادب خصوصی شمارہ اکتوبر ۲۰۱۵ء، بحوالہ اقبال کا تصور عشق، نمائندہ نظموں کی روشنی میں
۱۱۔ اُردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ، ص۳۹
۱۲۔ حقیقت، تصوف ص۹۷
۱۳۔ آزادی کے بعد اُردو غزل ص، ۶۱

باب سوم

وسیم بریلوی: نظمیہ شاعری (موضوعات)

- رومان
- حب الوطنی
- تقسیم وطن
- ہجرت
- واقعاتی موضوعات
- گمراہی
- ظلم وستم

نہایت وسیع و بسیط اصطلاح ''نظم'' جوایک صنف شاعری ہے جس کے لغوی معنی ہیں ''موتی پرونا''، ''آراستہ کرنا''، ''لڑی''، ''سلک''، ''ہار'' وغیرہ اگر چہ ہماری کلاسیکی تنقید میں نظم سے ساری شاعری مراد لی گئی ہے لیکن یہاں مراد صرف اور صرف وہ مخصوص صنف ہے جوغزل کے مدمقابل پیش کی جاسکتی ہے اگر چہ غزل کا نشان امتیاز ہیئت ہے جبکہ نظم کی کوئی خاص ہیئت نہیں ہوتی اور غزل کے مقابلہ میں نظم کا دائرہ اختیار وسیع ہوتا ہے کیونکہ نظم کا ایک خاص موضوع ہوتا ہے۔عنوان و عنفوان ہوتا ہے جس کی تفصیل پوری نظم ہوتی ہے نیز تقاضائے نظم یہ ہے کہ اس میں اہتمام و انصرام ہو۔ترتیب و تنظیم ہواور ربط و تسلسل ہو علاوہ ازیں ایک ہی لڑی میں خیالات و جذبات،محسوسات و حادثات اور افکار کے موتی پروئے جاتے ہیں شاعر سیر ہوکر موضوع کو شعری جامہ پہنا تا ہے جو قارئین و سامعین کے دل و دماغ کو آسودگی، فرحت بخش اطمینان نیز انبساط انگیز کیف و سرور عطا کرتا ہے اور موضوع بھی کامل و اکمل بیان ہو جا تا ہے۔

الحاصل نظم وہ صنف سخن ہے جو جذبہ، خیال، حادثہ وفکر کی ریزہ کاری پر نہیں بلکہ شیرازہ بندی، ربط اور تسلسل پر مبنی ہوتی ہے۔حیات و زندگی کا ہر حادثہ،قلب کو ہر واردات، فطرت و حیات کا ہر رنگ و مظہر اس صنف سخن کا موضوع بن سکتا ہے اور یہ بھی حفظ ہونا چاہئے کہ نہ تو اس صنف سخن کا کوئی خاص موضوع ہے اور نہ ہی کوئی مخصوص ہیئت ہے۔جدید شاعری نے دو روپ اختیار کئے ہیں اس کا ایک روپ ''غزل'' ہے اور دوسرا روپ ''نظم'' ہے دوسرے روپ کو نظیر اکبر آبادی کی شاعری نے ایک خاص صنف سخن کا روپ عطا کیا۔

آخرکار یہ روپ خواجہ الطاف حسین حالؔی کے عہد میں عروج کو پہنچا۔

اردو شاعری کے وجود کے ساتھ ہی اردو نظم بھی وجود میں آئی تھی۔ اردو نظم کے ابتدائی نمونے قلی قطب شاہ، افضل جھنجانوی اور جعفر زٹلی کی شاعری میں ملتے ہیں۔قلی قطب شاہ نے اخلاق اور تصوف کو موضوع بنایا۔ افضل جھنجانوی نے جذبہ کو اپنا موضوع منتخب کیا اور جعفر زٹلی نے کرب زندگی اور دہلی کی تباہی کو اپنی نظموں کا عنوان بنایا۔ پھر نظیر اکبرآبادی نے نظم کے خزانہ کو سب سے زیادہ ترقی کی منازل طے کرائیں اور ہر انسان و زندگی کے ہر پہلو کو اپنا موضوع بنا کر ہندوستانی تہذیب کی روح کو اس صنف سخن میں جلوہ افگن کر دیا۔

مئی ۱۸۷۴ء کے مشاعرے میں مولانا محمد حسین آزاد نے مثنوی 'شب قدر'' سنائی کر، جدید نظم نگاری کی بنیاد رکھ دی علاوہ ازیں آزاد اور حالؔی کی تحریک سے متاثر ہو کر نظم نے انسانی زندگی کے معاملات و مسائل کو بھی اپنے دامن میں جگہ دی۔ علامہ شبلی نعمانی نے شہادت مسجد(کانپور میں) کے المیہ اور ترکوں کی مظلومیت کو نظم کے روپ میں پیش کیا۔ چکبستؔ اور سرورؔ نے حب الوطنی کو اپنا موضوع بنا کر اس صنف سخن کے ذریعہ جذبہ حب الوطنی کا اظہار کیا جبکہ اکبرالہ آبادی نے نظم کو مغربی تہذیب پر طنز وتعریض کا آلہ بنایا۔ علامہ اقبالؔ نے اس صنف سخن کے ذریعہ قوم و ملت کو عالمگیر بیداری کا پیغام دیا نیز جذبہ حب الوطنی کا مظاہرہ بھی کیا۔ جوشؔ نے رومان اور انقلاب کی روح اس صنف سخن کو عطا کی۔

ترقی پسند شعراء نے بھی اس صنف سخن کی آبیاری کی اگرچہ انہوں نے اس کے فنی قواعد وضوابط کو مدنظر نہ رکھا پھر اُنہوں نے اس صنف سخن کو وسعت وتنوع عطا کر ہر ایک

موضوع کو بیان کرنے کی قوت و صلاحیت پیدا کر دی تھی۔ترقی پسند تحریک کے بعد تجدید پسندی کی تحریک سے وابستہ شعراء نے نظم کو اپنے اندرونی احساسات و کوائف کا ذریعہ اظہار بنایا، علامت نگاری اور انوکھی تشبیہات و استعارات کے ذریعہ اس صنف سخن کو ایک نئی آواز و کیفیت عطا کی جس کے باعث عام قاری اس صنف سخن سے محروم ہو گیا نیز اس صنف سخن کا دائرہ نقادوں اور دانشوروں تک محدود ہو گیا۔مندرجہ بالا معروضات کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اردو نظم کن کن نشیب و فراز سے گزر کر وسیم بریلوی کے عہد تک پہنچتی ہے اور کن کن موضوعات سے اپنے دامن کو بھر چکی تھی۔

جہاں تک نظم معرا کے نشان امتیاز کا تعلق ہے بقول خلیل الرحمٰن اعظمی ''نظم معرا میں تمام مصرعے برابر ہوتے ہیں، صرف ردیف و قافیہ کی پابندی نہیں کی جاتی ہے''۔نظم معرا ایک انگریزی ہیئت جسے بلینگ ورس (Blank Verse) کہا جاتا ہے۔ یہ ہیئت اردو میں انگریزی کے ذریعہ آئی ابتداً اسے نظم غیر مقفی کہا گیا بعد میں اس کیلئے ''نظم معرا'' کی اصطلاح رائج ہوئی نیز انگریزی میں اس ہیئت کے بے قافیہ آئمبک پنٹا میٹر بحر مخصوص ہے جبکہ اردو میں اس بحر کا وجود ناممکن ہے اس کی عروضی آزادی کے باعث ہمارے شعراء نے اس میں طبع آزمائی کی اگرچہ اس کے مصرعوں کے ارکان کی تعداد مساوی ہوتی ہے اس کے دو مصرعے، صنف غزل کے کسی ایک شعر کی ہم شکل ہو سکتے۔

پروفیسر وسیم بریلوی کے پہلے شعری مجموعے ''تبسم غم'' میں کل پندرہ نظمیں ہیں۔ ''میری تصویر''، ''ماضی''، ''دیوانے دو''، ''تیری یاد''، ''شوروم سے گل مرگ تک''، ''آندھی کا

بہاؤ''، ''آنسو فروش''، ''مقدس خون''، ''خط اور خوشبو''، ''امانت''، ''کھلونا''، ''وہ پاؤں''، ''جوان نظریں''، ''بنجارن'' اور ''دیوانے کی جنت'' مندرجہ بالا ان نظموں میں ''مقدس خون'' اور ''آندھی کا بہاؤ'' کے علاوہ تمام نظمیں وسیمؔ بریلوی کی نظموں اور گیتوں کا مجموعے ''موسم اندر باہر کے'' میں ''فن کار''، ''پرانا پیپل''، ''میری زمین''، ''وہ جانتے ہی نہیں''، ''بے نام کسک''، ''ادنیٰ سپاہی''، ''یہ امید نہ تھی''، ''جیکو لین کینیڈی''، ''اور اوناس کی شادی سے متاثر ہوکر''، ''۱۵/اگست''، ''سیاست کے نام''، ''۳۱/اکتوبر۱۹۱۴ء کی غمگین شام کے نام''، ''ٹوٹے رشتے''، ''شہر میرا''، ''یہ اپنا شہر''، ''ایک درد''، ''خواب نہیں دیکھا''، ''بے بس''، ''کیا سوچا''، ''بے بضاعتی''، ''مبارکباد''، ''ایک نظم''، ''رخصتی''، ''خودکشی''، ''میرا ساتھ نہ دو''، ''اے خواب سفر''، ''پھول جسمو''، ''اے پیارا کہ پا'' اور ''قلم برداشتہ'' بھی موجود ہیں۔

رُومان Romance کا مورد ہے جس کا لغوی معنی ہے، حیرت انگیز واقعہ یا عشقیہ داستان مگر رُومان ادب کی ایک صنف ہے جس میں وہ واقعات بیان کئے جاتے ہیں جن کا اصلی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ شاعری کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے وسیمؔ بریلوی نے بعض نظموں میں رومان کو موضوع سخن بنایا ہے امثلہ ملاحظہ کریں

سسکتے نور کو کاندھا دیتے دیئوں کی لویں
نگاہ سوز اندھیروں میں کانپتے سائے
سیاہ رات سے لپٹی سیاہ خاموشی
نفس نفس میں سلگتا ہوا نسوں کا بخار

لبوں سے اٹھتی ہوئی پیاس کی وہ لپٹیں
جو زندگی کے تموج کے ساتھ جیتی ہیں
تمام جسم میں سنسنی کی کیفیت
کہ جیسے شمع کے دونوں سرے جل اُٹھے ہوں
بھڑکتے آنکھ کے شعلوں سے نیند کوسوں دور
دہکتی آگ میں لپٹا ہوا تمام وجود
برہنہ جسم کھڑی ہے گناہ کی دیوی
اوراس طرح سے مخاطب ہے جیسے میرے لئے
یہ انگ انگ شیرازہ بنا کے لائی ہے
سزا جزا کے تصور مجھے بھکنے دے
اسی مہکنے سے جینا مرا عبارت ہے
گناہ گار نہ ہونا خلاف فطرت ہے

(''بے نام کسک''وسیم بریلوی)

میرے ٹوٹے ہوئے رشتو
میری مجبوریاں سمجھو
زمانے کے تشدد سے مجھے آگاہ کرتے ہو
مگر میں وہ نہ کہنے پر بھلا کس طرح شرماؤں

جیسے کہہ کہ

میں اپنی خلوتوں کا چور بن جاؤں ("ٹوٹے رشتے" وسیم بریلوی)

تم ابھی تھوڑی دیر ہی پہلے

سامنے سے مرے گذرتے ہوئے

دفعتہً پورے جسم سے جھجکیں

مجھ کو ایسا لگا کہ نظروں کی

سطح پر میری ، ایک تاج محل

جس طرح زلزلہ بداماں ہو

یہ تو میرا خیال تھا لیکن

میرے بارے میں تم نے کیا سوچا

("کیا سوچا" وسیم بریلوی)

سنو اے پھول جسمو

کوئی بارش کا موسم تم پہ گذرے

تمہاری روح تک سراب کر دے

خمیدہ پتیوں میں عزم بھر دے

گناہوں تک تمہیں بیدار کر دے

نکھارے خواب سی دوشیزگی کو

بھگو دے گفتگو میں خامشی کو

مگر اے پھول جسمو

تمہاری بھی عجیب مجبوریاں ہیں

تم ایسی انگلیوں کے منتظر ہو

جو تم کو توڑ کے بے نام کر دیں

تمہیں گلدان کی زینت بنا لیں

سجا کر کوٹ کے کالر پہ نکلیں

دکھائیں شہر کی سڑکوں پہ جلوہ

دکھاوا دست اندازی کا یوں ہو

کہ جیسے فاتح خوشبو یہی ہیں ('پھول جسمو'، وسیم بریلوی)

اے پیار سراپا

پھول نما بے نام امانت

جذبوں کی امکانوں کی

یہ ہنسنے رونے والا دل

خاکی ہے کم مایہ ہے

چھوٹے چھوٹے جذبے اس کے

بس یہی اس کا سرمایہ ہے

یہ جذبوں کا اندھا ساتھی (''اے پیار سراپا'' وسیمؔ بریلوی)

فون جن انگلیوں سے ہوتا ہے
ان کی محرومیاں سمجھتا ہوں
لاؤ ان انگلیوں کو چومتا ہوں
جو مجھے ڈھونڈنے نکلتی ہیں
اور مایوس بھی نہیں ہوتیں
ان کی مصروفیت سمجھتا ہوں
کتنا ایثار کر رہی ہو تم
عظمتیں تم پہ ناز کرتی ہیں
اور میری صلاحیتوں کی حدیں
تم سے نظر ملاتے ڈرتی ہیں

(''میں تمہیں دکھ نہ دوں تو کس کو دوں'' وسیمؔ بریلوی)

الحاصل وسیمؔ بریلوی نے رومان کو موضوعِ سخن بنا کر واضح کیا ہے کہ نفس نفس میں سلگتا بخار، برہنہ جسم گناہ کی دیوی، ٹوٹتے رشتے کی مجبوری زلزلۂ بدن' پھول جسمو کی اضطرابی، بے نام کسک، بے امانت، چھوٹے چھوٹے جذبے انگلیوں کی محرومیاں اور مصروفیت اور ایثار رومانی پہلو ہیں۔

پروفیسر وسیمؔ بریلوی کی نظم ''میری تصویر'' تیئیس (۲۳) بندوں پر مشتمل ہے مسدس کی

طرح ہر بند چھ چھ مصرعوں کا ہے مگر مسدس کی طرح پہلے چار مصرعے مقفی و مردف نہیں جبکہ بندوں کے اشعار بعض مقفی و مردف بھی ہیں نیز بعض شعر صرف مقفی ہیں علاوہ ازیں نظم معرا کی طرح تمام مصرعوں کے ارکان برابر و مساوی ہیں نیز اشعار صنف غزل کی مانند بھی ہیں اور جدید دور کی انگریزی نظم کی طرح نہ صرف قافیہ بلکہ ردیف کو بھی برتا ہے۔ بند بطور نمونہ ملاحظہ کریں۔

وہ دن کہ تم نے مجھے پہلی بار دیکھا تھا
مجھے کہاں میری تصویر کو جو کانس پر
مری خاموش کتابوں کے ساتھ رکھی تھی
ادائے ناز سے دانستہ اجنبی بن کر
''یہ کون ہیں'' مری بہنوں سے تم نے پوچھا تھا
انہیں تو لگتا ہے جیسے کہیں پہ دیکھا تھا
جواب ان سے تمہیں کیا ملا یہ تم جانو
مگر یہ کہتی تھیں تم بھی کہ ان کی جرات پر
حیا کے بوجھ سے نظریں نہ اُٹھ سکیں پھر بھی
زبان سے کچھ نہ کہا تم نے اس شرارت پر
ادا سے رکھ کے جھکی آنکھ پر ہتھیلی کو
شبہ میں ڈال دیا تھا ہر اک سہیلی کو

وسیم بریلوی نے اپنی اس تصویر اور اپنی محبوبہ کو موضوع بنایا ہے۔ یہ دوسرے معاشقے کا ذکر ہے جب ان کی عمر پندرہ یا سولہ سال تھی۔ ان کی مذکورہ محبوبہ نے پہلی بار کانس پر وسیم بریلوی کی ایک تصویر دیکھ کر اپنی سہیلیوں عطیہ پروین اور صفیہ پروین سے صاحب تصویر کے متعلق پوچھا تھا یہ کون ہیں تو اس کی ترجمانی ''میری تصویر'' نظم کے بند کے آخری شعر میں کی ہے،

''یہ کون ہیں'' مری بہنوں سے تم نے پوچھا تھا
انہیں تو لگتا ہے جیسے کہیں پہ دیکھا تھا''

دوسرے بند کے پہلے دو شعر ''غزل'' کے اشعار کی طرح ہیں مقفی و مردف ہیں دونوں کے دوسرے مصرعوں کو ملاحظہ کریں جو صنف غزل کے اشعار پر دلالت کرتے ہیں:

مگر یہ کہتی تھیں تم بھی کہ اُن کی جرأت پر
زبان سے کچھ نہ کہا تم نے اس شرارت پر

آخری شعر میں نہ صرف قافیہ بلکہ ردیف بھی برتی ہے۔ محبوبہ کی اُس ادا کا ذکر کیا جس نے ان کی سہیلیوں کو شبہ میں ڈال دیا تھا اس ادا کی ترجمانی وسیم بریلوی نے ان الفاظ میں کی ہے:

ادا سے رکھ کے جھکی آنکھ پر ہتھیلی کو
شبہ میں ڈال دیا تھا ہر اک سہیلی کو

آخرکار یہ محبت کا سلسلہ روز افزوں ہوا کہ وسیم بریلوی کی محبوبہ کے خیال و یاد نے

پڑھائی کی راہ میں رکاوٹ کھڑی کر دی اور ہمہ وقت یاد ستانے لگی تو اس خیال و یاد نے شاعری کو فروغ دیا مگر ان کی محبوبہ کو سہیلیوں نے مغرور قرار دے کر علیحدگی اختیار کر لی ۔ مندرجہ ذیل بند اس کی ترجمانی کرتا ہے۔

مرا خیال کتابوں سے دور رہنے لگا
تمہاری یادیں مرا کافی وقت لینے لگیں
سہیلیاں تمہیں مغرور کہہ کے چھوڑ گئیں
تم اپنا وقت مری شاعری کو دینے لگیں
تمہاری آنکھوں میں چھپ کر سرور رہنے لگا
مجھے وفاؤں پر غرور رہنے لگا

اس محبت کے سلسلہ میں بدگمان نظریں نظر آنے لگیں مگر پھر ملاقاتیں ہوتی رہیں محبوبہ کی آمد میں تکلفی تھی نیز ایک رسم کو نبھا رہی تھیں علاوہ ازیں اس رسمی تعلق میں نظریں محبت کی آزمائش کا سرچشمہ بن کر بے زبان ہو چکی تھی۔ وسیم بریلوی نے ترجمانی اس طرح کی ہے:

تمہاری پاک محبت پر بدگمان نظریں
اُٹھی ہوئی تھیں مگر پھر آ رہی تھیں تم
تمہارے آنے میں وہ بے تکلفی نہ رہی
اب ایک رسم تھی جس کو نبھا رہی تھیں تم
بنی ہوئی تھیں محبت کا امتحان نظریں

کس احتیاط سے اُٹھتی تھیں بے زبان نظریں

یہ محبوبہ شرافت اور حیا کے زیور سے تزئین و مزین تھیں مگر ماحول اور حالات کی ستم ظریفی، ستم پروری، جفا کاری، ستم شعاری اور ستم گاری یہ تھی کہ اس زیور کو کوئی اہمیت نہیں دی جا رہی تھی اور مخلوق خدا، خدا کے عطا کردہ زیور کو چھین رہی تھی۔ وسیم بریلوی نے اس ستم ظریفی و جفا کاری کو مندرجہ ذیل الفاظ میں زینت قرطاس بخشی ہے:

تمہارے پاس شرافت کی پاسداری تھی
جسے زمانہ کوئی اہمیت نہیں دیتا
تمہارے پاس حیا کا زیور تھا
جسے یہاں پر کوئی مفت بھی نہیں لیتا
مری خدا نے دیا آدمی نے چھین لیا
تمہیں رواج کی شوخی نے مجھ سے چھن لیا

وسیم بریلوی نے امارت و حکومت، دھن و دولت، مال و زر اور تمام موادی ذریعہ جن سے ضمیر فروش انسان، بے گناہ و معصوم انسانوں پر ظلم و ستم کرتے ہیں نیز جسم فروشی کر کے معصوم اور مظلوم انسانوں کے ارمانوں کو غمکدہ والمکدہ میں منتقل کر دیتے ہیں۔ ان ضمیر فروش اور ان کی نا تجربہ کاری اور جفا کاری کو اس بند میں پیش کیا ہے:

تمہارے گھر میں امارت کا اہتمام نہ تھا
کہ جس سے جسم کی بولی لگائی جاتی ہے

پھر ان ضمیر فروشوں کا تجربہ بھی نہ تھا
جو سود لیتے ہیں انسان کی جوانی سے
خزاں سے دیتے ہیں جشن بہار کا بدلہ
وصول کرتے ہیں معصوم پیار سے قرضہ

مندرجہ بالا بند میں تمام مصرعوں کے ارکان برابر ہیں جو نظم معرا کی پہچان ہے نیز ان مصرعوں میں قافیہ اور وزن کی بھی کوئی پابندی نہیں ہے۔ ایک بند ملاحظہ کریں جس صنف غزل کے مانند اشعار ہیں نیز قافیہ کی بھی پابندی ہے کیونکہ غزل کے اشعار کی مانند اشعار کا ہونا نظم معرا کی جان و پہچان ہے جبکہ قافیہ کی پابندی جدید انگریزی نظم کا تقاضا ہے۔

زمانہ اپنے طریقوں پہ ناز کرتا ہے
میں دور ہونے پہ مجبور ہوگیا تم سے
رواج و رسم و مقدر کی پاسبانی میں
قریب آکے بہت دور ہوگیا تم سے
روایتوں کا گرایا ہوا سنبھل نہ سکا
قدم اُٹھایا مگر اپنی راہ چل نہ سکا

اس بند میں وسیم بریلوی نے ہجرت اور اپنی مجبوری کو موضوع بنایا ہے جب وہ انٹر کے طالب علم تھے تو اچانک ان کی محبوبہ کے اہل خانہ نے پاکستان میں نقل مکانی کی تو ان طوفانِ محبت میں موجیں موج زن ہوئیں تو وہ طوفان خیز موجوں کی منجھدار کا نشانہ بن گئے۔

اس لئے محبوبہ کی جدائی کا ذکر کرتے ہیں جو لادوا مرض اور غیر مندمل زخم ہے وہ رقمطراز ہیں۔

میں دور ہونے پہ مجبور ہوگیا تم سے
رواج و رسم و مقدر کی پاسبانی میں
مرض تمہارا دواؤں سے مات کھا نہ سکا
کچھ ایسے زخم تھے دل پر کہ مندمل نہ ہوئے
اجل قریب تھی پھر بھی نفس کی بندش میں
وہ درد تھے کہ ہواؤں میں منتقل نہ ہوئے
تمہارے پاس سے گذرا قریب جا نہ سکا
یہ اتفاق تمہیں دیکھنے بھی آ نہ سکا
زمانہ اپنے کئے پر بہت پشیمان تھا
مگر اُداس بغاوت کے آگے اک نہ چلی
اب اہتمام چراغاں سے بزم کیا سجتی
چِتا میں آگ لگاتے رہا چِتا نہ جلی
ہر احتیاط کے باوصف زخم بھر نہ سکا
مری اُداس نگاہی کو ختم کر نہ سکا

مندرجہ بالا بندوں میں وسیم بریلوی نے اپنی محبوبہ کی ہجرت، احساس ہجرت، پردرد نفس کی کیفیات، آخری ملاقات کرنے میں مجبور و بےبس بغاوت کی موجوں کے زور وشور،

بزم کی ویرانی اور اُداس نگاہی کا ذکر کیا ہے علاوہ ازیں یہ بند نظم معرا کی کسوٹی پر بھی پورے اترتے ہیں۔ اس معاشقے کو محبوبہ کی ہجرت سے وسیم بریلوی کی شاعری کو فائدہ ہوا نیز شاعری نے ہجوم غموم اور زندگی کی بے بسی و خاموشی کو حیات بخش حوصلہ عطا کیا جس نے شاعری اُن کے غموں کا آلہ مقاومت اور قلبی واردات کا ترجمان بنی۔

غموں کی آنکھ مری بے کسی پر بھر آئی
مرے لبوں کا تبسم نے ساتھ چھوڑ دیا
تمہارے بعد مری زیست میں خموشی تھی
کہ جس کو میرے ہی شعروں نے مل کے توڑ دیا
نہ جانے کیسے یہ سانسوں میں ڈوب کر آئی
تمہاری یاد ہر اک شعر میں اُتر آئی

اگرچہ ہجرت سنت نبوی ہے مگر مہاجرین کو منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے خارزار و دشوار وادیوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ مہاجرین کا سفر تلوار کی دھار پر چلنے کے مترادف ہوتا ہے جن وادیوں سے مہاجرین کا گذر ہوتا ہے ان کے راستے پرُ درد، دردانگیز، جگر دوز اور دل خراش ہوتے ہیں یہ وادیاں خون آلودہ ولہولہان ہوتی ہیں نیز قدم قدم پر لہو باری و خون خواری ہوتی ہے اور یہ وادیاں دل سوزی وجگر کاری کا تقاضا کرتی ہیں گویا مہاجرین کو نارنمرود میں غوطہ زن ہونا پڑتا ہے جب یہ مسافر اپنی منازل کو حاصل کر لیتا ہے تو اس کو آرام کی ضرورت ہوتی ہے جب وسیم بریلوی کو اپنی مہاجرہ محبوبہ کی یاد آتی ہے تو وہ اس کی ترجمانی

کرتے ہیں

تم آج میری عیادت کو کیوں چلی آئیں
تمھیں تو خود بھی اب آرام کی ضرورت ہے
یہ اُترا اُترا سا چہرہ یہ مضمحل سے نقوش
یہ تم ہو یا ہے تمہاری وفا کی پرچھائیں
تم آگئی ہو تو کچھ یاد آرہا ہے مجھے
مری نگاہوں کے آگے کتاب ماضی ہے
مگر یہ سوچ کے پائے خیال رک سے گئے
کہ میرا حال ہی میرا جواب ماضی ہے
میں مطمئن ہوں کہ اک غم اُٹھا رہا ہے مجھے
بڑی ادا سے زمانہ مٹا رہا ہے مجھے
یہ دیکھ لو وہی کمرہ ہے جس میں پہلی بار
مرے شباب کی تصویر تم نے دیکھی تھی
تمہارے سامنے کانس ہے اور وہی تصویر
وہیں پہ رکھی ہے اس دن جہاں پہ رکھی تھی
مگر فریم کے شیشے پر جم گیا ہے غبار
بتا رہی ہیں فضائیں بہت اُڑے ہے غبار

وہ خاک جس نے تمہیں دور کر دیا مجھ سے
غبار جس نے مرا خواب لے لیا مجھ سے

وسیم بریلوی نے احساس جدائی کی ترجمانی کی ہے اور مہاجرہ کے راستوں کی دشواری و جفا کاری کو بھی محسوس کیا ہے نیز مہاجرہ کے نقوشِ سفر جو لہولہان وادی سے گذرنے کے بعد اس کے جسم و چہرہ پر نمودار ہوئے ہیں ان کو بھی محسوس کیا ہے رسوم حیات اور محبوبہ کی وفا کی پر چھاؤں، عکس و سایہ بھی یاد ماضی کا ذریعہ بنتے ہیں ان چھاؤں کے پردے میں وسیم بریلوی کی نگاہ اپنی ماضی کی کتاب کی ورق گردانی کرتی ہے مگر جب ان کی گوہر بار آنکھیں اپنے حال پر نظریں ڈالتی ہیں تو خیالوں کے پاؤں سن و بے حس ہو جاتے ہیں اور ہجوم غموم کو قرار و سکون کا ایک ذریعہ تصور کرتے ہیں۔

میں مطمئن ہوں کہ اک غم اُٹھا رہا ہے مجھے
بڑی ادا سے زمانہ مٹا رہا ہے مجھے

دوسری نظم کا عنوان ''ماضی'' ہے جو آٹھ اشعار پر مشتمل ہے مربع کی ہیئت میں لکھی گئی ہے اس نظم میں بھی انہوں نے ایک نوجوان اور اس کی محبوبہ کو موضوع بنایا۔ محبوبہ کی شادی کے جشن کو بھی ذکر کیا ہے جو جنوری مہینے میں منعقد ہوتا ہے تو دوسری طرف اس نوجوان کے ہونٹوں پر یادِ ماضی کا مرثیہ ہے ان یادوں کے چراغ شب کے آخری چراغ ٹمٹمار ہے ہیں اور گویا مغنی کی سوئی ہوئی آنکھوں کی طرح اس نوجوان کی آنکھیں سو رہی ہیں جبکہ اُس قصبے کی فضائیں اُس نوجوان پر اس طرح جھکی ہوئی ہیں جس طرح ستار پر مغنی کی آنکھیں جھکی رہتی

ہیں۔ کثرت نیند کی وجہ سے بھی اس کی ترجمانی وسیم بریلوی نے اس طرح کی ہے۔

ہے اک محلے میں جشن شادی جہاں چراغوں کا سلسلہ ہے
حسین آرائشوں سے ماحول کی ادائیں بدل گئی ہیں
سہاگ گیتوں نے مل کر خاموشیوں کو بے باک کر دیا
بڑے گھرانے کی اک لڑکی نیا سفر کانپتے ارادے
کہار ڈولا اٹھا رہے ہیں سہاگ سانسوں میں

اسی محلّہ کے اک اندھیرے مکاں میں اک نوجوان اکیلا
اُداس بیٹھا ہوا مقدر پر اپنے آنسو بہارہا ہے
حسین یادیں سمٹ رہی ہیں پرانے خط مسکرارہے ہیں
قریب رکھی ہوئی انگیٹھی میں اپنا ماضی جلا رہا ہے

مندرجہ بالا معروضات سے واضح ہوتا ہے کہ ایک طرف جشن شادی ہے نئے سفر اور کانپتے ارادے ہیں جبکہ دوسری طرف مقدر پر آنسو بہائے جارہے ہیں۔ نیز جلتی آگ میں ماضی کو جلایا جارہا ہے۔

تیسری نظم کا عنوان ''بنجارن'' ہے بنجارن ایک ہندی زبان کا لفظ ہے جو جنس کے اعتبار سے مونث ہے اور بنجارن کا جنس مخالف بنجارا ہے۔ بنجارا کے معنی ہیں سوداگر، بیوپاری، خرید وفروخت کرنے والا۔ نظم ''بنجارن'' بھی نظم ''ماضی'' کی طرح مربع کی

ہیئت میں لکھی گئی ہے جو بارہ بندوں پر محیط ہے۔اس میں نوجوان بنجارن کے حادثہ کوموضوع منتخب کر کے مظلوم بنجاروں کی بےبسی و بےکسی، اُن کی زندگیوں کے دل سوز اور جگر سوز نشیب وفراز کے علاوہ محافظوں وسنتریوں کے ظلم وستم اور افسران کی اپنے فرض منصبی سے لاپروائی کو مذکورہ نظم میں پیش کیا ہے۔

چند خیمے نصب ہیں اک سردیوں کی رات
شہر سے کچھ دور ہے خانہ بدوشوں کا پڑاؤ
ٹمٹماتے ہیں دیئے خیموں کے اندر شام سے
مفلسی کے تنگ حلقے میں سسکتے ہیں الاؤ

اس بند میں بنجاروں کے قیام گاہ کی منظرکشی کی ہےاور مفلسیانہ طرز زندگی کو پیش کیا ہے نوجوان بنجارن جب نان جویں ونان ونفقہ کی خاطر اپنے خیموں سے باہر نکلتی ہیں تو محافظ وسنتری ان کے راستوں میں رکاوٹ بنتے ہیں نیز سیٹھوں، دولت مندوں اور ساہوکاروں کی بوالہوسی کا ہدف بھی بنتی ہیں اس کی ترجمانی وسیم بریلوی نے مندرجہ ذیل بندوں میں کی ہے

اس قبیلے کی کوئی نو عمر لڑکی صبح سے
قینچیاں لیکر گئی تھی بیچنے کے واسطے
شہر کی ان کوٹھیوں اونچے مکانوں کی طرف
سنتری روکے کھڑے رہتے ہیں جن کے راستے
کوٹھیاں وہ جن کے چہرے گرد سے واقف نہیں

جنکے سینوں میں جوانی کی اٹھانیں دفن ہیں
ظاہر یہ کوٹھیاں خاموش رہتی ہیں مگر
ان کے کمروں میں ہزاروں داستانیں دفن ہیں

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پروفیسر وسیم بریلوی نے مخلوقِ خدا کی بے بسی اور کم ظرفی پر نگاہ انصاف ڈال کر ظالموں اور ساہکاروں کے چہروں سے نقاب کشائی کی ہے۔ جب رات اپنے قدم اکھڑتے دیکھتی ہے تو خیموں سے آوازیں نالہ وفریاد بن کر رات کی تاریکیوں کو چیرتی پھاڑتی ہوئی فلک بوس ہوتی ہیں مندرجہ الفاظ میں وسیم بریلوی نے ان آوازوں کی ترجمانی کی ہے:

لیکن اتنی رات ہوئے آئی اور لوٹی نہیں
جانے بنجارن پہ کیا گذری یہ سب کو فکر ہے
ایک بنجارن قبیلے بھر کی عزت کا سوال
وہ بڑی خودار تھی یہ ہر زبان پر ذکر ہے

ایک کہتا ہے چلو تھانے میں چل کر بول دیں
دوسرا کہتا ہے 'پہلے بھی گئے تھے کیا ہوا'
سیٹھ بھی شہروں کے تھانیدار بھی
سب کو آتا ہے ہماری آبرو سے کھیلنا

مفلسی میں جو ہر ناموں کی قیمت نہیں
چیتھڑوں میں ہوا گر عصمت تو پھر عصمت نہیں
شہر کے تہذیب داروں کی نظر میں بھا ئیوں
اک غریب انسان کی عزت کوئی عزت نہیں

قمقموں کی دسترس میں جگمگاتی کوٹھیاں
چھن رہی ہے جن کے پردوں سے اندھیری روشنی
ہم غریب انسان گھبراتے ہیں اس احساس سے
بڑھ کے خیموں تک نہ آجائے یہ ان کی روشنی

وسیم بریلوی نے ان آہ و نالہ کو سن کر، مظلوم بنجارن کی مظلومیت کو دیکھ کر اور ظالم انسانوں کی چیرہ دستی کو محسوس کر کے سرچشمہ غم بن کر گھر پہنچے اور کئی پہلوؤں کو لئے سو گئے اور صبح کو اخبار پر نظریں جم گئیں تو خبر پڑھ اس کی ترجمانی اس طرح کی ہے:

صبح کو اخبار کی سرخی پہ نظریں جم گئیں
سیٹھ دامودر کے کوٹھی پر بھیانک مشغلے
ایک بنجارن تحفظ کرتے کرتے جسم کا
اوپری منزل سے گر کر مر گئی کل چھ بجے

چوتھی نظم ''دیوانے کی جنت' ہے جو آٹھ بندوں پر مشتمل ہے۔اس نظم میں محبوبہ کی یاد

کوحس وحواس کے ذریعہ محسوس کر کے بیان کیا گیا ہے عالم رویا وخواب کی حالت میں مہجورہ محبوبہ کی یاد محسوس کی گئی جس کی ترجمانی نظم ''دیوانے کی جنت'' میں کی گئی ہے۔

میرا یہ خواب کہ تم میرے قریب آئی ہو
اپنے سائے سے جھجکتی ہوئی گھبرائی ہوئی
اپنے احساس کی تحریک پہ شرماتی ہوئی
اپنے قدموں کی آواز سے بھی کتراتی ہوئی
دل کی دھڑکن کو بہت روکتی سمجھاتی ہوئی
اپنے آنچل کی ہوا بازی پہ کھسیاتی ہوئی
اپنی پائل کی غزل خوانی پہ جھلاتی ہوئی
نرم شانوں پہ جوانی کا نیا بار لئے

شوخ آنکھوں میں حجابات سے انکار لئے
تیز نبضوں میں ملاقات کے آثار لئے

مندرجہ بالا معروضات سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ محبوبہ عالم رویا میں اپنے محبوبہ سے ملنے کیلئے آتی ہے مگر جھجکتی ہوئی، شرماتی ہوئی، گھبراتی ہوئی، اپنے پاؤں کی آواز سے کتراتی ہوئی، آوازِ دل کو روکے ہوئی، نرم شانوں پر بارِ شباب لئے ہوئی، شوخ وچنچل آنکھیں اور تیز نبض لئے ہوئی آتی ہے۔ چاندنی رات میں فرطِ جذبات سے احساس ملاقات لئے ہوئی آتی

ہے مگر محبوب کی منشا یہ ہے کہ یہ خواب صرف خواب رہے اور تلخ حقیقت نہ بن جائے:

آج تم آئی ہو دہراتی ہوئی ماضی کو
میرا خواب کہ تم میرے قریب آئی ہو
کاش اک خواب رہے تلخ حقیقت نہ بنے
یہ ملاقات بھی دیوانے کی جنت نہ بنے

پانچویں نظم کا عنوان ''دیوانے دو'' ہے اس نظم میں کل آٹھ بند ہیں پہلا اور آخری بند مربع کی ہیئت اور باقیہ تمام بند مسدس کی ہیئت میں ہیں۔ عندالتحقیق واضح ہوتا ہے یہ دو دیوانے ایک شاعر باذات خود اور دوسرا دیوانہ شاعر کی آنکھوں کے آنسو ہیں دونوں بے کسی کے عالم میں رات کو احساس جدائی لئے محبت کے دشت میں محو سفر ہوتے ہیں تو شاعر آنسوؤں کو چراغوں سے تعبیر کر کے کہتا ہے میرے ہم سفر بنے رہنا۔

میرے حالات اگر ان کی نظر میں ہوں گے
میرے اشکوں کی طرح وہ بھی سفر میں ہوں گے
ذہن مانوس نہیں ایسے تخیل سے مگر
دل یہ کہتا ہے کہ وہ راہ گذر میں ہوگئے
دل کی خاطر ہی ابھی آنکھوں کو ملتے رہنا
اور کچھ دیر چراغو! ابھی جلتے رہنا
سوچتا ہوں کئی امید سحر میں ہوں گے

کتنے ہی میری طرح اورسفر میں ہوں گے
ماضی کی تمنائیں لئے حسرت سے
کتنے افسانے ابھی راہ گذر میں ہوں گے

واضح ہوتا ہے کہ دونوں دیوانے راہ محبت کے مسافر ہیں پرامید سفر میں قدم رکھے تھے مگر پرُخار راہ میں سانسوں کے قدم رکنے لگے نیز امیدوں کا دم ٹوٹ گیا اک دیوانہ دوسرے سے کہنے لگا کہ کہیں میری اس محبت کا راز فاش نہ ہو جائے اورتم بھی اپنے سفر کو بند کردو نیز میں بھی اپنے سفرختم کرتا ہوں علاوہ بریں ایسا نہ ہو کہ ہم دونوں دشت محبت میں تباہ وبرباد ہوجائیں۔وسیم بریلوی نے اس کی ترجمانی اس طرح کی ہے:

تم بھی بجھ جاؤ مرے دل کو بھی بجھ جانے دو
آخری بار مری آنکھوں کو بھر آنے دو
آج کی رات محبت پہ گراں گذرے گی
ختم ہو جائیں گے اک ساتھ ہی 'دیوانے دوٗ

چھٹی نظم ''تیری یاد'' ہے جوسات بند پرمحیط ہے۔اس میں وسیم بریلوی نے بےبس وبےکس انسان اوراپنے شکستہ دل کوموضوع بنا کران کی یادکواپنے سینے سے لگائے ہوئے اجنبی مشغول گزرگاہوں ، بےوفا راہوں ، آباد بیابانوں ، بےبس انسان اورشکستہ دل پر ہنستے ہوئے ایوانوں ، دھوپ کے سناٹوں ، تھکی چھاؤں ، روئی ہوئی پگڈنڈیوں سے گزرتے ہیں مگر انسان کی چیرہ دستی کی حدنظرنہیں آتی اورانسان انسان کےلہووخون پر پلتا ہوادکھائی دیتا ہے۔

میں تیری یاد کو سینے سے لگائے پہنچا
بستیاں چھوڑ کے ترسے ہوئے ویرانوں میں
تلخیٔ دہر سمیٹے ہوئے میخانوں میں
خون انسان پر پلتے ہوئے انسانوں میں
جانے پہچانے ہوئے لوگوں میں انجانوں میں
میں تیری یاد کو سینے سے لگائے پہنچا

مندرجہ بالا تمام منازل، گذرگاہوں اور راہوں سے گزرنے کے بعد بھی کوئی نگاہ اپنی نظر کو مغموم نگاہوں پر ڈال کر غمگینی و اداسی کے راز کو جاننے کی کوشش نہیں کرتی ہے مگر ایک مغموم کا غم دوسروں کیلئے ذریعہ تسکین و آرام بھی بن سکتا ہے اور تحریر و تقدیر بھی بن سکتا ہے اسی کی ترجمانی وسیم بریلوی نے مندرجہ ذیل الفاظ میں کر کے واضح کیا ہے کہ مغموم انسان و دل کا ترجمان صرف اور صرف فنکار ہوتا ہے جو نگاہِ انصاف سے حق کو منظر عام پر لاتا ہے نیز ہر انسان کے بس کا یہ کام نہیں ہے۔ ملاحظہ کریں:

خون میں ڈوبی ہوئی تحریر بھی بن سکتا ہے
ایک فن کار کا مقدر بھی بن سکتا ہے
ساری دنیا کے مگر کام نہیں آ سکتا
سب کے ہونٹوں پہ تیرا نام نہیں آ سکتا

ساتویں نظم کا موضوع ''شوروم سے گل مرگ تک'' ہے جو مربع کی ہیئت میں لکھی گئی

ہے نیز پندرہ بندوں پر محیط ہے جو کشمیر کی خوبصورت وادی گلمرگ میں ایک واقعہ سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہے اور وادیٔ کشمیر کئی القاب سے ملقب ہوئی ہے کبھی ''شاردا پیٹھ'' کے لقب سے نامزد ہوئی کبھی ''ایران صغیر'' کے لقب سے مشہور و معروف ہوئی اور کسی نے کشمیر کو ''فردوس'' کا لقب عطا کیا ہے۔

نظم ''شوروم سے گلمرگ تک'' ۱۹۶۲ء میں لکھی گئی جو وسیم بریلوی کے قیام کشمیر کی یاد ہے۔ قیام کشمیر، مقدراتی فیصلوں اور نظم ''شوروم سے گلمرگ تک'' کے حوالہ سے ایک خط میں وسیم بریلوی راقمطراز ہیں:

> ''۱۹۶۲ء مئی کی بات ہے کہ کشمیر یونیورسٹی میں شعبۂ اردو کی لیکچررشپ کے لئے انٹرویو دینے جانا پڑا اور وہاں چند روزہ قیام کے دوران ہی کچھ ایسی صحبت یاراں آراستہ ہوئی کہ انٹرویو کے بعد بھی ۲۰۔۲۲ دن ٹھہرنا پڑا۔ دن میں سیر سپاٹا اور شام کو شعری نشستیں لکھنؤ کے کچھ اساتذہ بسلسلہ ملازمت سرینگر میں مقیم تھے۔آئے دن دعوتیں سیر و تفریح شعر و شاعری اسی قیام کی یادگار ایک نظم میرے پہلے مجموعہ کلام ''تبسم غم'' میں 'شوروم سے گلمرگ تک'' موجود ہے یہاں ایک واقعہ اس لئے بھی پیش کرنا چاہوں گا کہ دیکھئے انسان کی زندگی میں مقدراتی فیصلوں کی کیا اہمیت ہے۔ دوستوں کی مخلصانہ محفلوں میں دن گزر رہے تھے............ میں نے بریلی واپس ہونے

کا ارادہ ظاہر کیا دوستوں کو یہ خلافِ توقع ارادہ بڑا اجنبی لگا......تو میرے اصرار پر ٹورسٹ سنٹر تک آنے پر مجبور ہوئے............آج بھی یاد ہے نیم پلیٹ پر لکھا تھا نجم الدین۔ اجازت لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ سارے حالات بیان کئے، یہ بھی کہا پتہ نہیں طبیعت کیوں گھبرا رہی ہے............انہوں نے کسی کونے سے میرے نام ۲۷ کی پہلی بس سے سیٹ محفوظ کر دی۔ پوچھا کہاں ٹھہرے ہیں؟ بتایا یہاں سے خاصی دور۔ ٹورسٹ آفیسر نجم الدین نے ایک ٹینٹ میرے نام بک کر دیا............مگر بہرحال اس رات ٹینٹ میں رات بھر شعر وشاعری کا مشغلہ رہا۔ صبح روانہ ہوکر (۲۷ مئی کو) سرینگر سے روانہ ہوکر ۲۸ مئی کو بریلی پہنچا تو پتہ چلا کہ گھر سے والدہ صاحبہ کی خواہش کے مطابق مجھے دہلی اور سرینگر کے پتوں پر تار دیئے جا چکے ہیں کہ شعبہ اردو بریلی کالج بریلی میں پروفیسر تسنیم صدیقی کے ریٹائر ہونے کے بعد جگہ نکلی ہے اور درخواست جمع کرنے کی آخری تاریخ ۲۹ مئی ہے۔ ۲۸ مئی کو بریلی پہنچ جانے کے بعد ۲۹ مئی کو درخواست لگا دی گئی، تقرر بھی ہوگیا آج سوچتا ہوں تو قضا وقدر کے معاملات کتنے حیرت انگیز معلوم ہوتے ہیں۔"[1]

ایسا لگتا ہے کہ جاگیر ہو ان ہونٹوں کی

یہ تبسم یہ تکلم یہ گلابی رنگت!
ایسا لگتا ہے کہ اک شعر کے دو مصرعوں میں
ایک شاعر نے سمو دی ہو غزل کی قسمت

مندرجہ بالا معروضات سے اظہر من الشّمس ہے کہ شاعر نے ہونٹوں کی جائیداد کو تبسم، تکلم اور رنگت بیان کیا ہے۔ دونوں ہونٹ اور تبسم، تکلم اور رنگ غزل کے مطلع کا کارانجام دیتے ہیں علاوہ ازیں یہ بند غزل کی اشعار کی مثل ہے نیز جدید انگریزی نظم کی مانند قافیہ بھی برتا ہے علاوہ بریں آنکھوں میں میخانے کی سی مستی، کالی زلفیں میخانے کی سمٹی ہوئی راتوں کی طرح بالیاں، سحر کا مخزن جن کا سر سانسوں پر چھا جائے گویا بہزاد کی کوئی تصویر ہے جو رات کے ذریعہ گل مرگ کے دامن میں آگئی ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ بہزاد کی تصویر کوئی
اپنے شوروم کی تنہائی سے گھبرائی ہو
اور چپکے سے کسی شب کا سہارا لے کر
صبح گلمرگ کی بانہوں میں چلی آئی ہو
اتنی نادانی بھی آنکھوں کی ہی تشریح طلب
میرے بے ربط خیالوں کو حجاب آتا ہے
کتنے بھرپور ہیں ان شرمگیں آنکھوں کے جواب
کہ مرے اپنے سوالوں کو حجاب آتا ہے

مندرجہ بالا بند سے واضح ہوتا ہے کہ آنکھیں نا تجربہ کار ہیں اور ان کے سینے بھی بے زار ہیں نیز ان کی نادانی قابل وضاحت ہے۔ دوسری طرف خیالات بکھرے ہوئے ہیں مگر باحیا ہیں نادان آنکھوں کے جواب پر سوالوں کو بھی حیا آتی ہے۔

جسم ان اجنبی راہوں کا کہاں عادی ہے
ہر نئے موڑ کے آغاز پہ بل کھاتا ہے
بے کہا سا ہے تمہارا یہ گلابی آنچل
ایسے لمحات میں سینے سے ڈھلک جاتا ہے

میری یہ نظم تمہاری ہے زمانے کی نہیں!!
آؤ اس نظمیہ شیشے میں اُتاروں تم کو
تم میں کچھ دیر کو میں کھو ہوا ہوں دیکھو
تم میرے بالوں سے کھیلو مجھے آواز نہ دو

پرورش پائی ہے تم نے نئے ماحول میں
ایک شاعر ابھی اس رنگ سے بے بہرہ ہے
تم بھلا دو اسے اک کھیل سمجھ کر لیکن
میرے دل کے لئے یہ نقش بہت گہرا ہے

مندرجہ بالا معروضات سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر نے موجودہ ماحول جس میں انسان

نے انسانیت کی راہ چھوڑ کر گمراہی اختیار کی ہے اس کو نظم کے آئینہ میں منعکس کیا ہے اور نئے ماحول سے اپنی بے زاری کا ذکر کر کے سماج کی خامیاں کو منظر عام پر لایا ہے۔ڈاکٹر سکینہ فاضل صنف نظم سے متعلق رقمطراز ہیں:

''..........دیگر اصناف شاعری سے اس لئے ممتاز اور مختلف ہے کہ اس میں کسی ایک مخصوص موضوع پر تسلسل کے ساتھ اظہار خیال کیا جاتا ہے''۲؎

مندرجہ بالا حوالہ سے واضح ہوتا ہے کہ صنف نظم کا نشان امتیاز جو اس کو دیگر اصناف سے ممیّز کرتا ہے وہ ہے کسی مخصوص موضوع پر سیر ہو کر بیان کرنا اور ربط و تسلسل کو برقرار رکھنا۔ آٹھویں نظم کا موضوع ہے ''آندھی کا بہاؤ'' جو سولہ بندوں پر محیط ہے۔۲۰/اکتوبر۱۹۶۲ء کو چین نے ہمارے وطن ہندوستان پر حملہ کیا تھا جو عوام و خواص کیلئے دل دوز و جگر سوز تھا نیز خونریزی ولہو باری سے فضا پر ہوگئی تھی وسیم بریلوی نے چینیوں کے اس حملہ کی ستم ظریفی و چیرہ دستی سے متاثر ہو کر ''آندھی کے بہاؤ'' کے موضوع کے ضمن چین اور ہندوستان کے گذشتہ تعلقات وعہد و پیمان کا بھی ذکر کیا ہے ہندوستانیوں کی وفائی و پاسداری اور ان کی بے وفائی و جفا کاری کو بیان کیا ہے۔ہمشیر، ماں اور سہاگن تمامی شکستہ دل ہو کر سرد آہ بھر رہی تھیں گود خالی ہو رہی تھی، کلائی ننگی ہو رہی تھی، دل کی دھڑکن خاموش ہو رہی تھیں، مانگ کا سیندور اپنا رنگ کھو چکا تھا نیز دیوالی کے چراغ گل ہو کر حملہ آور کی نوحہ گری کر رہے تھے اور بچہ اپنی ماں سے راز جاننا چاہتا ہے جس کی ترجمانی وسیم بریلوی نے اس طرح کی ہے۔

پھر کسی ننھے سے بچے نے کیا ماں سے سوال
ماں یہ بازاروں میں گلیوں میں اندھیرا کیوں ہے
آج دیوالی ہے ہر گھر کے دیئے کیوں چپ ہیں
در و دیوار پہ یہ موت کا سایہ کیوں ہے

پھر کئی نام ہیں تاریخ شہیداں کے لئے
ذکر ہے خون میں نہائے ہوئے انسانوں کا
جن کی ہمت سے یہ توہین گوارا نہ ہوئی
کہ کوئی رنگ دے تاریخ کو افسانوں کا

جب حملہ آور کے حملہ سے ہندوستان کی وادی لہولہان ہوتی ہے تو وسیم بریلوی اُن کی سینہ زوری، سینہ کاوی، چیرہ دستی اور خون آلودگی پر ماتم بھی کرتے ہیں اور پنچ شیلا کے عہد و پیمان کو یاد دلاتے ہیں تاریخ کے الٹے ہوئے اوراق کو بھی پڑھ کر سناتے ہیں اور ہمارے وطن کے ماضی کو بھی چینیوں کی نگاہوں میں عقابی نگاہیں ڈال کر بتاتے ہیں اور راہ ناحق سے باز رہنے کا پیغام بھی دیتے ہیں پھر اگر چینیوں تم باز نہ آئے تو سن لو

میرے دیش کے دو روپ ہیں آؤ دیکھو
دودھ کی نہریں بھی تلوار کی جھنکاریں بھی
ہم نے سوچا تھا کہ انسان کی اس دنیا میں
وحشیوں کا سا کوئی کام نہ ہونے پائے

ہم نئی صبح کی تخلیق میں مصروف رہیں
اور یہ صبح کبھی شام نہ ہونے پائے
لیکن اے چین ترقی کے انوکھے دشمن
تو نے جو ہم پہ تراشے ہیں وہ الزام بھی دیکھ
ہم تو مصروف تھے تعمیر جہاں میں لیکن
تو نے آغاز کیا ہے تو اب انجام بھی دیکھ
ہم کو منظور ہے یہ یُدھ چینوتی تیری!
ہم دکھائیں گے تجھے تیری نگاہوں کا تناؤ
بچے بچے کا لہو جاگ گیا بھارت میں
اب تیرے بس میں نہیں موت کی آندھی کا بہاؤ

وسیم بریلوی نے حملہ آور کے طرز ناحق کے راز کو فاش کر کے اس کو باخبر کیا ہے کہ اپنی گمراہی سے باز آجا ورنہ تیری نسلیں ہی تیرے بدنام اصولوں پر سینہ کوبی کریں گے۔

تیرے بدنام اصولوں پر مرے ہمسائے
آنے والی تری نسلیں بھی تجھ کو سنیں گی

نویں نظم کا موضوع وعنوان ''آنسوفروش'' ہے جس کے بندوں کی مجموعی تعداد پانچ ہے جو مربع کی ہیئت میں لکھی گئی ہے نیز فنکار نے داخلی ہیجان واضطراب اور درد وکرب کو پیش کیا ہے۔ پروفیسر شمیم حنفی اپنے ایک مضمون بعنوان ''اقبال اور فکر جدید'' میں رقمطراز ہیں:

''اس سلسلہ میں وزیرآغا کی نظر اس تضاد پر نہیں جاسکی کہ اقبالؔ نے اگر داخلی ہیجان و اضطراب کو (جسے وزیرآغا نے جدید نظم کا بنیادی وصف کہتے ہیں) اپنی راہ نما بنایا تو اسلاف کی عظمت کا تصور یا مغرب کی نفی کا رویہ حالیؔ اور اکبر سے مستعار لینے کے کیا معنی ہیں؟''[۳]

فنکار اپنے آپ کو آنسو فروش سے تعبیر کرتا ہے اور یہ آنسو فروش دل کے زخموں کو اداس چہرے کی جھریوں کو، نظر کی تشنہ لبی کو، گناہگار آنکھوں کے اشاروں کو، تیرگی کے سائے و مٹتی روشنی کے خاکوں کو، لٹے ہوئے کارواں و شکستہ ارادوں کو، زندگی کی بےقراری اور ہونٹوں کی بے وفائی کو، ماضی کی بےچینی و اضطرابی کو اور مردہ انسانیت کی دھجیاں کو فروخت کرنے کی خاطر رخت سفر باندھ کر سفر شروع کرتا ہے اور بولی دیتا ہے جس کی ترجمانی مندرجہ ذیل بند کرتا ہے۔

کوئی خریدو کہ آج مسکراتی اداسیاں بیچنے چلا ہوں
کوئی خریدو کہ آج خودداریوں کا ماتھا جھکا ہوا ہے
کوئی خریدو کہ ایک فنکار زندہ رہنا بھی چاہتا ہے
خفیف نظروں سے اپنے فن کو ہر ایک چہرے کو دیکھتا ہے
یہ لمحہ تاریخ ہی کو دے دو کہ اسکا ماضی سے سلسلہ ہے
ہر ایسے لمحے کو اس امانت بنا کے تاریخ نے رکھا ہے

مگر امانت بنا کے رکھنے کا سلسلہ کب تلک رہے گا
رگوں سے فنکار کی کہاں تک یہ قطرہ قطرہ لہو بہے گا

مندرجہ بالا معروضات سے ظاہر ہے کہ جہاں فنکار نے داخلی اضطراب، ہیجان، درد اور کرب کو پیش کیا وہاں انسان کی ستم ظریفی پر طنز وتعریض کے وار بھی کئے ہیں۔

'میں مردہ انسانیت کے دامن کی دھجیاں بیچنے چلا ہوں'

دسویں نظم کا موضوع ''مقدس خون'' ہے جو امریکہ کے سابق صدر مرحوم صدر جان کینڈی کی دل دوز وجگر سوز وفات سے متاثر ہو کر فنکار نے تخلیق کی تھی۔ خالق کائنات نے اپنے کلام پاک میں انسان کو اشرف المخلوقات کے لقب سے ملقب کیا ہے اسی کلام پاک میں انسان کے بداعمال و بدافعال کا صلہ اسفل السافلین بتایا ہے انسان کے بداعمال و بدافعال کو وسیم بریلوی نے پیش کیا ہے۔

''بہایا جاتا رہا ہے بہایا جائے گا
کوئی یتیم ہو بیوہ ہو بے سہارا ہو
نظام دہر کی مصروفیت نہیں جاتی
حسین ہاتھ بٹوریں لہو کی بوندوں کو
جوان آنکھ میں آنسو کا داغ شرمائے
بکھر کے بال غم بیوگی سے یہ پوچھیں
کہ روشنی کے طلبگار رات کتنی ہے

حیات و موت کا فرق اور یتیم معصومی
نظر کے سامنے سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں
نہ یہ خبر کہ ابھی کیا تھا اور ابھی کیا ہے
نہ یہ خیال کہ اب اس کے بعد کیا ہوگا

وسیمؔ بریلوی نے مرحوم صدر جان کینڈی کی بے گناہی، دار پر چڑھائی، مقدس لہو کی جوانی، انسان کے روپ میں انسانیت کش انسانوں پر طنز و تعریض کی ترجمانی کی ہے:

ہزاروں سال کی تاریخ کا یہ کہنا ہے
کہ اس لہو کی جوانی بہت پرانی ہے
یہ بے گناہ گنہگار درد انسانی
مسیح بن کے جیا تھا تو دار تک پہنچا
نہ جانے کتنی مقدس رگوں کی راہوں سے
گذر کے پہنچا تھا مغرب میں انسان تک
مگر زمانے نے اپنی روش نہیں بدلی
کہو یہ خون بہت کم تھا آج کم ہے
اسی طرح جو بہایا گیا تو کیا ہوگا
جلے چراغ بجھائے گئے اگر یونہی
تو زندگی کو اندھیرے تمام کر دیں گے

رگوں میں سارے اُجالوں کی زہر بھر دیں گے

مندرجہ بالا حوالہ جات سے واضح ہوتا ہے کہ وسیم بریلوی کا دل بے کس و بے گناہ انسانوں کے غموں کا غمکدہ ضرور ہے مگر غمگساری وغم خواری کا ذریعہ بھی ہے۔

یہی وہ خون ہے زمین کے اُداس کاندھوں پر
چلے تو برکتیں آغوش کھول دیتی ہیں

گیارہویں ''خط اور خوشبو'' کے عنوان کے ضمن میں تخلیق کی گئی ہے جو انتیس مصرعوں پر محیط ہے نظم کی ابتداء مندرجہ ذیل بند سے ہوتی ہے ملاحظہ کریں

ٹوٹتی شب یہ اندھیرے یہ گنہگار فضا
اجنبی فکر سے بوجھل یہ تمہارے پاؤں
کس طرح اُٹھے مرے گھر کی طرف رات گئے
سوچتا ہوں تو مری سانس رُکی جاتی ہے

مندرجہ بالا بند سے واضح ہوتا ہے کہ فنکار کسی کی محبت میں گرفتار ہے اور اس میدان سے گذرتے ہوئے جگر کاوی، نہ ملنے کا شبہ، آنسو کا لرزتے لرزتے ٹپک جانا نیز تقاضائے وقت یہ تھا کہ سارے خطوط واپس لوٹا دیئے جائیں جو وقت کتابت خون برت کر ان کے لفظوں میں روح ڈالی گئی تھی نیز وہ تشہیر کا سامان اور پیار کے ایمان تھے۔

یہ تقاضا ہے کہ میں پھیر دوں وہ سارے خطوط
جن کو آنکھوں میں لئے میں نے گزار دی راتیں

آج بھی جن کے لبوں پر ہیں تمہاری باتیں
ان میں وہ خط بھی ہیں جن کا کوئی عنوان نہیں
پھر بھی تنہائی میں اکثر یہ پڑھے جاتے ہیں
اور جینے کا سہارا بنے جاتے ہیں
پھول کی پتیاں گرتی ہیں تو گر جائیں مگر
پھول کے جسم سے خوشبو تو نہیں جاسکتی

مندرجہ بالامعروضات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح پھول ذریعہ خوشبو ہوتا ہے اس طرح خطوط جو فنکار کے پاس موجود تھے وہ یادِ ماضی کے پیار کے زخموں کا ہی ذریعہ ہیں۔

بارہویں نظم کا موضوع ''امانت'' ہے جو تینتالیس مصرعوں پر محیط ہے ۔عندالتحقیق واضح ہوتا ہے کہ ماضی کی یاد، ماضی اور ماضی کی تصویروں کو فنکار ''امانت'' سے تعبیر کرتا ہے۔ قدرتی مناظر ،پیڑ پودوں، دریاؤں و ہواؤں،سرسبز شاداب آب و ہوا، درختوں، کھیتوں کا ذکر کرتا ہے جہاں ایام طفلانہ گذرے تھے ملاحظہ کریں:

وہ دیکھ گاؤں کے سینے پہ سر رکھے ہوئے سرسوں
تمہاری کمسنی کھیلی ہے جس کی گود میں برسوں
نقوش پا سے اب تک ہرگلی کی مانگ روشن ہے
ابھی تک گود پھیلائے ہوئے ڈیرے کا آنگن ہے

رسیلی جامنوں کے پیڑ کی کمزور شاخوں نے
تمہاری انگلیوں کا ہر نشان محفوظ رکھا ہے
لبوں پر جھیل کی گہرائیوں کے ہے بس اک شکوہ
کہ جب سے تم گئے ہو کوئی بھی ملنے نہیں آیا

کنارے جھیل کے وہ پیڑ اب تک منتظر سا ہے
کب آؤ گے یہاں کپڑے اُتارو گے نہاؤ گے

شاعر اپنے ماحول، قدرتی مناظر، حالات و کیفیات، واقعات و حادثات، احساسات ومحسوسات، حیات و کائنات اور انسانی زندگی کے نشیب وفراز سے متاثر و اثر انداز ہو کر اپنے قلبی واردات کی ترجمانی کرتا ہے نیز اپنی حساس طبع کا مظاہرہ کرتا ہے۔

تیرہویں نظم کا موضوع ''کھلونا'' ہے جو صرف گیارہ مصرعوں پر محیط ہے۔ انسان کی فطرت میں خالق کائنات نے محبت کا مادہ عطا کیا ہے جب یہ مادہ اپنی نگاہ مخلوق، قدرتی مناظر، سرسبز وشاداب باغات، صحت افزا وتر وتازہ ہواؤں، بہتے دریاؤں، پرکشش فضاؤں، حسن انسان وحسن فطرت، آلات ومیوہ جات، مال واولاد، دھن و دولت حتیٰ کہ انسان اپنی تیار کردہ اشیاء تک کی صحبت میں کھو کر اپنی زندگی، مقاصد زندگی اور اپنی تخلیق کو بھول جاتا ہے

دیر سے ایک ناسمجھ بچہ
اک کھلونے کے ٹوٹ جانے پر

اس طرح سے اداس بیٹھا ہے
جیسے میت قریب رکھی ہو
اور مرنے کے بعد ہر ہر بات
مرنے والے کی یاد آئی ہو
زندگی کے عجب ہاتھوں میں
یہ بھی مٹی کا اک کھلونا ہے

اس نظم میں فنکار نے بچہ اور کھلونا کے ذریعہ سے ناسمجھ انسانوں کو یہ پیغام دیا ہے کہ آج انسان نے اپنی حقیقت کو بھول کر کھلونے جیسی چیزوں کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا ہے جبکہ انسانی زندگی کا مقصد و منشاء اس کے برعکس ہے۔ چودہویں نظم کا موضوع ''وہ پاؤں'' ہے۔ اس نظم کے مصرعوں کی کل تعداد اکیس ہے جو ۱۹۶۴ء میں مرحوم پنڈت جواہر لال نہرو کی موت سے متاثر ہو کر لکھی گئی۔

گزرتے وقت نے سینے میں روک لی سانسیں
وہ پاؤں جن کو ٹھہرنے کا تجربہ ہی نہ تھا
جو کائنات کی نبضوں کے ساتھ چلتے تھے
جو آندھوں کے چراغوں کی طرح جلتے تھے
جیا ہے جن سے ترقی کی مانگ کا سیندور
نقوش جن کے ستاروں کی طرح صدیوں تک

فلک کی تیرہ فضائی کے کام آئیں گے
جو راہ دیکھتا ان فاصلوں کو چھوڑ گئے
جو آدمی نے بنائے ہیں آدمی کے لئے
وہ پاؤں نصف صدی جن کو جاگتے گزری
وہ پاؤں آج بڑی گہری نیند سوئے ہیں

مندرجہ بالامعروضات سے واضح ہوتا ہے کہ رب العالمین نے انسانوں کے پاؤں میں وہ خون دوڑا دیا ہے جو نہ خود گردش سے رکتا ہے اور نہ ان پاؤں کو رکنے دیتا ہے جن میں یہ خون موجود ہوتا ہے وہ نہ منازل غم، نہ پرسوز راہوں، نہ مخالف ہواؤں، نہ خون آلود فضاؤں، نہ آندھی کے چراغوں، نہ طوفانوں کے بہاؤ سے اور نہ ہی ظالموں کی سزاؤں سے روکتے ہیں اگر چہ ان پاؤں کو رکنے کا تجربہ بھی نہیں ہوتا ہے مگر ان پاؤں پر بھی اک لمحہ ایسا آتا ہے جس پر سب انسانوں کا اتفاق ہے کہ وہ لمحہ موت ہے اس کے بارے میں خالق موت نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''ہر زندہ روح کوموت سے لطف اندوز ہونا پڑے گا'' جب یہ لمحہ آیا تو نہرو کی سانس بھی رک گئی، پاؤں بھی ٹھہر گئے، نبض بھی سرد ہوگئیں اس کی ترجمانی وسیم بریلوی نے کی ہے:

''تبسم غم'' کی آخری نظم کا موضوع ''جوان نظریں'' ہے جو پچیس مصرعوں پر محیط ہے اس نظم کا مضمون ایک نادان نوجوان صنف نازک کی نظر کی کشتی ہے جس کو اس نے نظم نگار وفنکار کی نظروں کے طوفان میں ڈال دیا ہے اس کا ذکر وسیم بریلوی نے کیا بطور نمونہ ملاحظہ کریں:

کسی اعتماد سے اپنی نظر کی کشتی کو
مری نگاہوں کے طوفان میں چھوڑ رکھا ہے
کہ میرے دل کی تہوں کو اتر کے چھو آئے
یہ کمسنی کی کیاری کا گل بدن شعلہ
بہت حسین تو نہیں ہے مگر جوانی نے
گداز جسم کو چنگاریوں میں گوندھا ہے
نظر کو گرمی جذبات نے تپایا ہے

جو بار شرم اُٹھاتے ہوئے جھجکتی ہے
جو صرف میر ے لئے بار بار اُٹھتی ہے
یہ لمحہ بھر کے لئے کہ مدتوں کے لئے
جوان نظروں کا آپس میں اک تعلق ہے
جسے بھلا کے یہ فطرت سے لڑ نہیں سکتیں
کہیں ملیں یہ مگر اجنبی نہیں ہوتیں

اس نظم میں وسیم بریلوی نے ایک نوجوان مگر نادان و کمسن لڑکی کی تصویرکشی کی ہے جو ایک ریلوے کواٹر کی کھڑکی سے فنکار پر اپنی نظریں جمائے کھڑی ہے۔ نظریں گرمی جذبات و بوالہوسی کا منبع و مصدر بنی ہوئی ہیں جہاں وسیم بریلوی نے نادان نوجوان لڑکی کی تصویرکشی کی ہے وہاں ضلالت و گمراہی کے دلدل میں گمراہ نوجوان طبقہ کی عادتِ بد کو بھی اپنی طنز و تعریض

کا ہدف نشانہ بنایا ہے ملاحظہ کریں

کہ جیسے میری نگاہوں میں اپنی نوعمری
ڈبو چکے تو کسی سے نظر ملائے گی

ان تمام نظموں کے تنقیدی جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وسیم بریلوی نے اپنے عہد کی تمام برائیوں پر نگاہِ انصاف ڈال کر عہد کے چیرہ دست و جفا کار انسانوں کی بدروش و بداعمالی، بے بس و بے کس انسانوں کی دبی کچلی زندگی افسران کی اپنے فرض منصبی سے نا انصافی، انسانی زندگی کی کشمکش ماضی و یاد ماضی کے علاوہ ازیں نوجوان طبقہ کی گمراہی کو موضوع بنا کر طنز وتعریض کے وار بھی کئے ہیں۔ ستم ظریف انسانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ستم سے باز رہنے کا پیغام دیا نیز اس بدطرز سے باز نہ آنے کے بعد کیا انجام ہوگا، اسے بھی آگاہ کیا ہے علاوہ بریں مناظر فطرت کی بھی عکاسی کی ہے۔

کوئی یتیم ہو بیوہ ہو بے سہارا ہو
نظامِ دہر کی مصروفیت نہیں جاتی
کیسی توہین لفظ ہستی ہے
رہنے والو! یہ کیسی بستی ہے
موت کو لوگ دیتے ہیں کاندھا
زندگی رحم کو ترستی ہے

ڈاکٹر سنبل نگار رقم طراز ہیں کہ ''نظم کے لئے یہ بہرحال ضروری ہے کہ خیال یا معنی

کے اعتبار سے اس میں تسلسل ہو اور ایک شعر دوسرے شعر سے پیوست ہوتا جائے''۴؎

اُردو نظم جدید دور میں غزل کے پہلو بہ پہلو محو سفر ہے نیز اُردو شعرا نے اس صنف وسخن میں بطور خاص طبع آزمائی کی ہے اور اسے فروغ بھی بخشا ہے۔ ان شعرا میں نظیرا کبرآبادی، محمد حسین آزادؔ، حالیؔ، شبلیؔ، اقبالؔ، اکبرؔ الہ آبادیؔ، چکبستؔ، جوشؔ، فیضؔ، ن۔م، راشدؔ، میراجیؔ، اخترؔ الایمان، سردارؔ جعفری، مخدومؔ، مجازؔ وغیرہ کا نام سرفہرست ہے اور اسی فہرست میں وسیمؔ بریلوی کا نام بھی شمار ہوتا ہے۔ جنھوں نے رمز اور ایما کے ذریعہ غزل میں نظم میں تفصیل وضاحت کے ذریعہ احساسات اور الفاظ کے بیچ کی منازل طے کر کے کئی پہلوؤں کی عکاسی کی ہے۔ ڈاکٹر سنبل نگاری راقمطراز ہیں کہ

> ''جس دن اُردو شاعر وجود آئی نظم اسی دن سے اردو شاعری کا ایک ایسا اہم حصہ رہی ہے کہ اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ دکن کا قدیم شعری ادب نظم کے سرمایہ سے گراں بار ہے شمالی ہند میں تمام قابل ذکر شاعروں نے نظمیں بھی لکھیں۔''۵؎

ڈاکٹر کنور بے چینؔ رقمطراز ہیں کہ ''نظم بحر دل کی متلاطم لہروں پر تیرنے والے جہاز کی مانند ہے۔ .... نظموں میں آہنگی صوت وصدا کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ آواز کو لفظوں میں جوں کا توں پکڑنے کا فن بھی کس شاعر کو بڑا ثابت کرتا ہے۔''۶؎

وسیمؔ بریلوی رقم طراز ہیں کہ

> ''غزل میری ذاتی جذباتی تربیتی مجبوری رہی تو نظم تہذیبی

دائروں میں رہ کر خود سے بے تکلف ہونے کی آرزو............ لہٰذا
جو بات غزل نہ کہہ سکتی اس کے لئے نظم کا سہارا لینے میں شامل نہیں کیا۔

''............اُردو کے پاس نظم کی بڑی'' روایت ہے ۔غزل
اشاروں چلتی ہے تو نظم وضاحتوں کا تسلسل ہے لحاظ واحتیاط جب
اختیار سے باہر ہونے لگیں تو اشارے گُٹھن بن جاتے ہیں پھر کھل کر
رو لینے سے جی بھی تو ہلکا ہو جاتا ہے ۔ یہی احساس آپ سے بات
کرے تو سمجھئے میری بات غلط نہیں کچھ نظمیں ذاتی ہیں کچھ واقعاتی تو
کچھ رومانی اور موضوعاتی ۔''۷

''غزل کی اشاریت کا عنصر غتم ہو کر سہاگ نظم بنے''۔۸

یہ عارض ترے جیسے بوسیدہ قبریں
یہ عارض ترے بوسہ گاہ حوادث
جو شاداب رہتے
تو اوراق دوراں
ہزاروں فسانوں سے محروم رہتے (فن کار)

الحاصل مندرجہ بالا نظم ''فن کار' کے عنون کے ضمن میں لکھی گئی ہے۔جس میں فن کار
کو بطور علامت برت کے پر افشاں و پرشکستہ چہروں کے آلام ومصائب کو واضح کیا ہے۔
''حُب الوطنِ من الایمان'' کے مصداق ہر محبّ کی محبت اچھلنے لگتی ہے تو پھر وہ محبت

کا دم بھرتا ہے اگر چہ اُس کی گزرگاہ پرُ خار ہوتی ہے مگر محبت کا جوش اُس کی حس ظاہری اور حس باطنی کو مزید متحرک کرتا ہے جس سے دل میں جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ نیز اُس کی محبت کے اظہار کا حبل المتین بن جاتا ہے۔ الغرض وسیم بریلوی نے بھی نظموں میں حب الوطن کو موضوع سخن بنایا ہے۔ بعض امثلہ ملاحظہ کریں۔

میری زمین پیاری زمیں
تو آسماں سے ہے بڑی
جس کی بلندی کی کشش
اچھی تو ہے سچی نہیں
سب کچھ تو تیرے دم سے ہے
میری زمیں پیاری زمیں
تو تو مری رفتاری ہے
قدموں کی پہریدار ہے
تو ہی میرا اظہار ہے
میری زمین پیاری زمین

(''میری زمین'' وسیم بریلوی)

میں اس دھرتی کا ادنیٰ سا باسی ہوں
سچ پوچھو تو مجھ سا پریشاں کوئی نہیں

کیسے کیسے خواب بنے تھے آنکھوں نے
آج بھی ان خوابوں سا ارزاں کوئی نہیں
کل بھی مرے زخم بھنائے جاتے تھے
آج بھی میرے ہاتھ میں داماں کوئی نہیں
کل میرا نیلا کیا تھا غیروں نے
آج تو میرے اپنے بیچے دیتے ہیں
سچ پوچھو تو میری خطا نہیں بس اتنی ہے
میں اس دھرتی کا ادنیٰ سا باسی ہوں

(''ادنیٰ سا باسی'' وسیم بریلوی)

وسیم بریلوی نے شاعری کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے تقسیم وطن کو بھی موضوع سخن بنایا ہے بعض امثلہ ملاحظہ کریں

چند لمحے مگر قیامت کے
منظروں کو سمیٹے وقفے
ٹوٹتے چاند ڈوبتے سورج
دن کے آنگن میں رات کے سائے
پھول سے خواب دیکھتی آنکھیں
کھو گئیں خوف کے اندھیروں میں

زندگی بھاگ کر کہاں جاتی
موت نے راستہ دیا ہی نہیں
اے زمیں اے ہماری دھرتی ماں
ہم ترا احترام کرتے ہیں
تیرا دم صبح وشام بھرتے ہیں
اتنا کہنے کی بس اجازت دے
ہم خطا وار چاہے جتنے ہوں
ایک ماں سے تو یہ اُمید نہ تھی

(''یہ امید نہ تھی''، وسیم بریلوی)

میں نے ہر بار یہ سوچا کہ یہ بے باک قلم
آج کے دن تو وہ لکھے جو زمانہ چاہے
پیاس کے دشت کو بہتا ہوا دریا لکھے
زہرنفرت کو ضمیروں کو مسیحا جانے
سنگ ریزوں کو گہر خون کا صہبا جانے
چور بازار میں سچائی کو بکتا دیکھئے
آدمیت کو ہر اک موڑ پہ تنہا دیکھئے
میں نے ہر بار یہ سوچا کہ یہ بے باک قلم

آج کے دن تو وہ لکھے جو زمانہ چاہے
لیکن اس بار بھی یہ باغی و خوددار قلم
مجھ سے کہتا ہے میرے خوابوں کا سودا نہ کرو
میرے احساس کی سچائی کو رسوا نہ کرو
یہ فضا بدلے تو میں گاؤں گامسگاؤں گا
لوگ بدلیں گے تو میں خود ہی بدل جاؤں گا
لوٹ جاؤں میں کم ظرف نہ کہلاؤں گا

(۱۵راگست وسیم بریلوی)

محبت کے چراغوں کو دھواں ہونے نہیں دیتا
زمیں کے کنکروں کو آسماں ہونے نہیں دیتا
گلابوں کی مہک کو بے زباں ہونے دیتا
محاذ جنگ سے رہ رہ کے یہ آواز آتی ہے
شہیدوں کے لہو کو رائیگاں ہونے نہیں دینا
جو راتوں سے ملی ہو اس سحر سے فاصلہ رکھنا
کھلے دل کی ملاقاتوں سے شر کا فاصلہ رکھنا
جوآنکھوں کو لڑا دے اس نظر سے فاصلہ رکھنا
محاذ جنگ سے رہ رہ کے یہ آواز آتی ہے

شہیدوں کے لہو کو رائیگاں ہونے نہیں دینا
بس اک انصاف کی شمعیں جلیں گھر گھر اُجالا ہو
ہماری نیک نامی کا جہاں میں بول بالا ہو
خریدے وہ نہ ہم کو جس نے خود کو بیچ ڈالا ہو
محاذ جنگ سے رہ رہ کے یہ آواز آتی ہے
شہیدوں کے لہو کو رائیگاں ہونے نہیں دینا
سمندر کی حدیں طے ہوں کوئی پیاسا نہ رہ جائے
اندھیروں کے اشاروں پہ دیا جلتا نہ رہ جائے
ہمارے جان دینے کا بس اک قصہ نہ رہ جائے
محاذ جنگ سے رہ رہ کے یہ آواز آتی ہے
شہیدوں کے لہو کو رائیگاں ہونے نہیں دیتا

(''شہیدوں کے نام'' وسیم بریلوی)

الحاصل مندرجہ بالا اشعار میں حب الوطنی کا اظہار برسر بازار کیا ہے نیز وسیم بریلوی نے ''سیاست کے نام میں'' ان چہروں کی نقاب کشائی بھی کی ہے جو محبّ وطن کے لبادہ میں کرسی کے متلاشی تھے ملاحظہ کریں۔

ہم نے لفظوں کو اعتبار دیا
تم نے جیتے جی ان کو مار دیا

ہم نے دل جوڑنے کا کام کیا
تم نے ذہنوں کو انتشار دیا
ہم نے بس پیار بانٹنا چاہا
تم نے نفرت کا کاروبار کیا
کاش تم کو کوئی بتا دیتا
تم نے ذہنوں کو جو غبار دیا
ایک کرسی ضرور جیت گئے
تم نے ہندوستان ہار دیا

الحاصل مندرجہ بالا نظم میں وسیم بریلوی نے مخلص محبِّ وطن اور متلاشیِ کرسی کے زاویۂ نگاہ کی نشان دہی کی ہے نیز ہجرت کو بھی ''وہ جانتے ہی نہیں''میں موضوعِ سخن بنایا ہے۔

میں تم سے چھوٹ رہا ہوں میرے پیارو
مگر مرا رشتہ پختہ ہو رہا ہے اسی زمین سے
جس کی گود میں سمانے کے لئے
میں نے پوری زندگی ریہرسل کی ہے
کبھی کچھ کھو کر کبھی کچھ پا کر
کبھی ہنس کر کبھی رو کر
پہلے دن سے مجھے اپنی منزل کا پتہ تھا

اسی لئے میں کبھی زور سے نہیں چلا
اور جنھیں زور سے چلتے دیکھا
ترس کھایا ان کی حالت پر
اس لئے کہ وہ جانتے ہی نہ تھے
کہ وہ کیا کررہے ہیں

الحاصل ہجرت طوعاً نہیں بلکہ طوعاً وکرہاً ہی کی جاتی ہے جو مہاجر کے اختیار میں نہیں ہوتی ہے بلکہ نازک حالات، قیامت خیز واقعات اور آب ودانہ کے باعث ہوتی ہے۔

غزل اور نظم کے مابین حد فاصل واقعہ کی مکمل ترجمانی ہے جو نظم کا وصف خاص اور نشان امتیاز ہے اسی وصف خاص میں وسیم بریلوی نے بھی طبع آزمائی کی ہے۔ جیکولین کینڈی اوراوناس کی شادی کی ترجمانی کی ہے ملاحظہ کریں۔

وہ شام کتنی بھلی تھی کہ تیرے غم میں شریک
ہر ایک بھیگی ہوئی آنکھ کا دلاسا تھا
یہ شام کتنی عجب ہے تیری خوشی میں شریک
سوائے تیرے زمانے کا کوئی فرد نہیں
میں اس تضاد کے بارے میں سوچتا ہوں
کہاں وہ حسن تمنا کہاں حسین تصویر
گمان ہوتاہے جیسے کوئی حسین تصویر

زمین پر آن رہی ہو فریم سے گر کر
اور اس پر ٹوٹا ہوا شیشہ طنز کرتاہو
مگر قصور نہ تیرا نہ تیرے خوابوں کا
قصور ان اہل پرستش کاہے کہ جیکولین
جو کم نگاہ سمجھے پدمنی سمجھ بیٹھے
یہ بھول کر کہ ترا جسم ایک شعلہ ہے
جسے جلا نے کے خاطر ہی جلنا آتا ہے
یہ بھول کر کہ ترے جسم میں اک عورت تھی
جواپنے سائے کو منزل سمجھ نہیں سکتی

''جیکولین کینڈی اوراوناس کی شادی سے متاثر ہوکر''

وسیم بریلوی نے خالد کی خودکشی کے واقعہ کو بیان کیا ہے۔ ملاحظہ کریں۔

آج ایک سال ہوگیا خالد
جب اسی گومتی کے پانی کو
تم نے پھولوں کی سیج سمجھا تھا
اور ٹھکرا دیا جوانی کو
فکر روزی مال خودداری
ایک کنبے کی زندگی کا سوال

چھوٹے بھائی کی چھوٹتی تعلیم
چھوٹی بہنوں کی شادیوں کا خیال
پیار کرتی رہی مگر شمسہ
تم سے عہد وفا نبھا نہ سکی
مفلسی ایک ایسا شعلہ تھی
جس کو کوئی ہوا بجھا نہ سکی
جان لیوا تھے سارے غم خالد
میں نے مانا کہ تم پریشان تھے
لیکن اے دوست کیسے بھول گئے
تم بہرحال ایک انسان تھے
تم نے اچھا نہیں کیا ساتھی
خودکشی کو علاج غم سمجھا
موت کی برتری کو مان لیا
اور اک زندگی کو کچھ نہ سمجھا
شمع جلتی ہے اندھیوں میں بھی
درد بن جاتے تم دلوں کے لئے
اس مسلسل جہاد میں خالد

(''خودکشی'' وسیم بریلوی)

وسیم بریلوی نے ایک پُرحزن وپرالم شام کے واقعہ کی عکاسی کی ہے۔ملاحظہ کریں۔

وہ ایک پھول کی پتی گلاب کی خوشبو
ہزار کانٹوں میں رہ کر جو مسکراتی تھی
جو آندھیوں کے مقابل دیئے جلاتی تھی
زمیں کو پھول بنانے کا اہتمام رہا
تمام عمر جسے زندگی سے کام رہا
وہ ایک پھول کی پتی گلاب کی خوشبو
کچھ ایسے بکھری کہ ماحول سوگوار لگے
یہ سارا باغ ہی جیسے گناہ گار لگے

(''۳۱/اکتوبر۱۹۸۴ء کی غمگین شام کے نام''وسیم بریلوی)

وسیم بریلوی نے بدگمانی ، وشواس ، عدم تحفظ بے بضاعتی ، مبارکبادی ، بے قراری اورقلم برداشتہ کوموضوع سخن بنایاہے۔امثلہ ملاحظہ کریں

کھلی مجھ پر ہی لوگوں کی زباں تو غلط کیا ہے
میرے چاروں طرف پھیلا دھواں ہے تو غلط کیا ہے
سفر میں چلتے چلتے اس طرح گمراہ ہونے پر

(''بدگمانی''وسیم بریلوی)

خفا مجھ سے میرا ہی کارواں ہے تو غلط کیا ہے
جب اس گھر کی ہی اک دیوار بنیادوں سے روٹھی ہو

میرا ہمسایہ مجھ سے بدگماں ہے تو غلط کیا ہے

(''ایک درد'' وسیم بریلوی)

یہی حالات ہیں تو دیکھنا ہیں دن برے ہم کو
گھروں کو بند کرلیں گے پڑوسی دیکھ کے ہم کو
جہاں وشواس اٹھ جائے وہاں کچھ بھی نہیں رہتا
کہاں لے جائیں گے آخر یہ بڑھتے فاصلے ہم کو
یہاں اپنوں کی نادانی نے وہ کانٹے بچھائے ہیں
کہ اب شک کی نظر سے دیکھتے ہیں راستے ہم کو

(''ایک درد'' وسیم بریلوی)

وقت کے تیز گام دریا میں
تو کس موج کی طرح ابھری
آنکھوں آنکھوں میں ہوگئی اوجھل
اور میں ایک بلبلے کی طرح
اسی دریا کے اس کنارہ پر
نرکلوں کے مہیب جھادے میں
ایسا الجھا کہ یہ بھی بھول گیا
بلبلے کی بساط ہی کیا تھی

(''بے بسی'' وسیم بریلوی)

میں ایک راہ گذر تھا جو چند لمحوں کو
کسی کے پاؤں کی آہٹ ملے تو جی اٹھے

(''بے بضاعتی'' وسیم بریلوی)

نقوش پا سے امیدوں کی مانگ بھر ڈالے
میں اک شمع تھا جو آندھیوں کے جھونکوں کو
رفیق عمر سمجھ کر تمام شب کاٹے

(''بے بضاعتی'' وسیم بریلوی)

دیوالی کی رات آئی ہے تم دیپ جلائے بیٹھی ہو
معصوم امنگوں کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی ہو
تصویر کو میری پھولوں کی خوشبو میں بسائے بیٹھی ہو
آنکھوں کے نشیلے ڈوروں پر کاجل کو بٹھائے بیٹھی ہو
میں دور کہیں تم سے بیٹھا اک دیپ کی جانب تکتا ہوں
ایک بزم سجائے رکھی ہے اک درد جگائے رکھتا ہوں
خاموشی میری ساتھی ہے اور دیکھنے والا کوئی نہیں
اے کاش کہیں سے آجاتے جینے کا بہانہ کوئی نہیں

(''ایک نظم'' وسیم بریلوی)

حوالہ جات

۱۔ لمحے لمحے (وسیم بریلوی نمبر) ص،۵۶۔۵۷

۲۔ فراق گورکھپوری ''حیات، شخصیت اور کارنامے'' ص ۳۲۵

۳۔ نوائے ادب، ص ۲۷

۴۔ اُردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ، ص ۲۱۶

۵۔ اُردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ، ص ۲۳۱

۶۔ موسم اندر باہر کے، ص ۶، ۱۸

۷۔ موسم اندر باہر کے، ص ۲۵، ۲۷

۸۔ موسم اندر باہر کے، ص ۱۱۳

باب چہارم

وسیم بریلوی کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی

- لفظ ''ہندوستان'' کی وجہ تسمیہ
- تہذیب
- معاشرت
- ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی
  (غزل، نظم، ثلاثی اور گیت کے حوالے سے)

لفظ ''ہندوستان'' کا دامن وسیع ہے جس کے دامن کو صدیوں نے نہیں چھوڑا ہے۔
اس کے دامن کی وسعت کو واضح کرنے کے لئے مندرجہ ذیل معروضات کو ملاحظہ کریں۔

یہ ہندیوں کے فکر فلک رسا کا ہے اثر
رفعت میں آسمان سے بھی اونچا ہے بام ہند

(کلیاتِ اقبال ''اقبالؔ'')

ساری دنیا بلا رہی ہے مگر
مجھ سے ہندوستان لپٹا ہے

(کلام ''راحتؔ'')

ہندوستان بھر میں ماتم معاش کا
جس گھر میں دیکھتا ہوں یہی ہائے ہائے ہے
کربلا میں یا نجف میں چل کے مرجائے منیرؔ
ہند میں ہم پہلوئے گور غریباں ہوں تو کیا

''منیرؔ۳''

اٹھو ہند کے باغبانو اٹھو
اٹھو انقلابی جوانو اٹھو

(''علی سردار جعفری'')

نبی کا دین یہاں بھی بہت پھلا پھولا
عقیلؔ اس لئے ہندوستان کو بھی سلام ہے[۴]

تسلیم باغ دہر میں فیض نسیم سے
کہتی ہے خلق بلبل ہندوستان مجھ کو[۴]

سلطان عرب کے نور نظر سلطان الہند غریب نواز
ایماں کے شجر عرفان کے ثمر سلطان الہند غریب نواز

اک کرسی ضرور جیت گئے
تم نے ہندوستان ہار دیا[۵]

نہ کوئی عہدہ نہ ڈگری نہ نام کی تختی
میں رہ رہا ہوں یہاں میرا گھر بتانا ہے[۶]

بقول ادارت اذان ''اہل لکھنؤ کو جب معلوم ہوا کہ ان کے سامنے ریختہ گویان ہند کے استاد اعظم میر تقی میرؔ ہیں''[۷]

ڈاکٹر ثمامہ فیصل رقم طراز ہیں کہ ''ابوریحان ابیرونی کی پیدائش ۳۴۲ھ (۹۷۳ء) میں خوارزم کے علاقہ میں ہوئی اور وفات ۴۴۰ھ (۱۰۴۸ء) میں ہوئی............آپ کی سب سے مشہور تصنیف ''تحقیق ماللہند'' ہے جو کتاب الہند کے نام سے زیادہ مشہور ہوئی اور اسی کتاب میں آپ نے سفر ہند کا ذکر کیا ہے۔''[۸]

رفعت جمال رقمطراز ہے کہ ''اردو صدیوں پر مشتمل روایت میل جول، بھائی چارہ،

اتحاد اور سیکولہ مزاج کی (پہچان) رہی ہے تعصب اور تنگ نظری کی نہیں۔اس زبان کا پیغام محبت اور انسانیت کا رہا ہے یہ وہی پیغام ہے جو سنت کبیر، گرو ناک، حضرت خواجہ معین الدین اور جس نے پورے برصغیر میں بکھری ہوئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جوڑ کر ایسا ہندوستان بنایا جس کی مثال تاریخ اس سے پہلے نہ بعد میں نظر آتی ہے۔اس کا نام بھی گلستان و بوستان کے وزن سے ہندوستان مراد پایا ہے۔

اس زبان (اُردو) نے قوم کو ''ترانہ ہندی'' دیا ہے۔ ہندوستان میں انگریز آئے تو انہیں بھی اردو پسند آئی کیوں کہ عام بول چال کی زبان یہی تھی لہٰذا اس کو رابطہ کی زبان کے طور پر انہوں نے منتخب کر کے ہندوستان کا نام دیا۔[9]

بقول وزیر آغا ''اس کتاب میں ہندوستان سے مراد وہ خطۂ زمین جو ۱۹۴۷ء میں دو آزاد ملکوں پاکستان اور بھارت میں تقسیم ہوا تھا۔''[10]

بقول وشوناتھ ''جولائی ۱۹۴۷ء میں انگلینڈ کی پارلیمنٹ نے ہندوستان کی آزادی کا قانون پاس کر دیا۔اس سے فیصلہ ہوا ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان سے انگریزی حکومت کا خاتمہ ہو جائے گا اور اس دن سے ہندوستان میں دو ڈومنین قائم ہو جائیں گی جن کا نام ''انڈیا'' اور ''پاکستان'' ہوگا۔''[11]

محمد الیاس ندوی رقمطراز ہیں کہ ''ہمارا ملک ہندوستان جس کو
ہندی میں بھارت، عربی میں ''الہند'' انگریزی میں انڈیا(INDIA)
اور فارسی و اردو میں ہندوستان کہا جاتا ہے، اس کے باشندے ہندی

میں بھارتی ،عربی میں ہندی، انگریزی میں انڈین(INDIAN)
اورفارسی واردو میں ہندوستانی کہلاتے ہیں۔

موجودہ ہندوستانی دستور کی رو سے اس کا یہ نام ''بھارت'' ۱۹۵۰ء میں دستور ہند کی تدوین کے بعد رکھا گیا،آزادی کے بعد تین سال تک عبوری دور میں اس کو'' ہند یونین' کہا جاتا ہے۔۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو ہمارا ملک انگریزوں کے قبضہ سے آزاد ہوااور ۲۶ /جنوری ۱۹۵۰ءکواسے جمہوری ہندوستان قرار دیا گیا۔۱۲؎

جامع فیروز اللغات میں مولوی فیروز دین نے 'ہند' کامعنی ہندوستان اور بھارت ، ہندو کے معنی ہندوستان کا باشندہ اور ہندوستانی 'ہندی' کامعنی ہند سے نسبت رکھنے والا اور''ہندوستان'' کامعنی ملک ہنداور بھارت راقم کیا ہے۔

Gem Prectical combined Dictionary میں مولف نے ہندوستان اور ہند کامعنی INDIA اور ہندوی کامعنی Indian تحریر کیا ہے۔''

''المنجد'' میں مؤلف نے ھنود وھندات والھند کے معنی ہندوستانی اور ملک ہندوستان اورنسبت کے لئے ھندی جس کی جمع ھُنودٌ ۔مفتی منظور عالم رضوی رقمطراز ہیں کہ'' عرب ، فارس ، روم ،شام کی اولاد ہیں۔چشتی ،سندھی اور ہندوستانی حام کی اولاد،یاجوج ماجوج،قوم ترک اورمغلاب یافت کی اولاد ہیں۔۱۳؎

یہاں یہ ذہن نشین ہوجائے کہ سام، حام،اور یافت حضرت نوح کی اولاد ہیں۔مفتی منظورعالم رضوی رقمطراز ہیں کہ

''جب آدم علیہ السلام زمین ہند میں اترے تو آپ پر تنہائی کی وجہ سے وحشت طاری ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اوراذان پڑھی جس کی وجہ سے آپ کی وحشت دور ہوگئی۔''[۱۴]

ہندوستان ایک بہت قدیم اور وسیع ملک ہے اس کو عربی میں 'ھند' اور انگریزی میں 'انڈیا' کہتے ہیں۔ سراغ لگانیوں کا قیاس اور اندازہ آج سے تقریباً پانچ چھ ہزار سال پہلے ہندوستان میں کوئی قصبہ اور شہر نہیں تھا۔''[۱۵]

الحاصل مندرجہ بالا معروضات سے واضح ہوتا ہے کہ ہندوستان مرکب ہے عربی لفظ ''ہند'' اور فارسی لفظ 'بستان' کا۔ اور 'و' واوَ معیت ہے جو عربی اور فارسی الفاظ کو مرکب کرتا ہے۔ اگر چہ موجودہ عالم فانی کے نقشہ میں زمین کا وہ حصہ جو از ۸ تا ۳۷ شمالی عرض البلد نیز از ۶۸ تا ۹۷ مشرقی طول البلد کے مابین پھیلا ہوا ہے جغرافیائی لحاظ سے ہندوستان کہلاتا ہے مگر اس کا دامن وسیع تھا جو تنگ نظری اور ظلم پروری کے باعث سمٹ گیا ہے جس پر وسیم بریلوی اور اقبال نے غم انگیز لہجہ میں غم کیا ہے۔

کاہے کی بخشیں میاں وہ ہم ہوئے یا تم ہوئے
کس نے یہ ہندوستان، ہندوستاں رہنے دیا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی میں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

تہذیب ومعاشرت

’’تہذیب‘‘ عربی زبان کا لفظ ہے جس کا لغوی معنی ہے ۔ ثقافت جس کو انگریزی زبان میں Culture کہتے ہیں اور Culture کی صفت ہے Cultural،تہذیبی جوتہذیب کی صفت ہے۔’معاشرت‘ بھی عربی زبان کا لفظ ہےجس کا لغوی معنی ہے عاشرہ معاشرہ یعنی ایک دوسرے کے ساتھ مل کر زندگی بسر کرنا جس کوانگریزی زبان میں Social Intercourse کہتے ہیں۔Social صفت ہے۔ Society کی Society سے مراد ہےمعاشرہ اورمعاشرہ کی صفت ہے معاشرتی،ڈاکٹر ریاض الحق راقمطراز ہیں کہ

’’کلچر نام ہے معاشرت ،معیشت ، بود وباش ، رہن سہن، لباس، زبان، اقدار ، عقائدوغیرہ کا جوظاہری سطح پرکسی معاشرے کی احاطہ بندی کرتے ہیں یا پیچیدہ مجموعے کا نام جوفرداس سماج کی اکائی ہونے کی حیثیت سے حاصل کرتا ہے۔

تہذیب وہ باطل شے ہے جوان اقداراورطریقوں کو برتنے کے لئے مجبور کرتی ہے یہ اسی کلچر کی ارتقائی شکل ہے ۔ کلچر جب ایک نظام کی صورت اختیارکرتا ہےتو تہذیب بن جاتا ہےاور یہ ایک نظام کی صورت اختیارکرتا ہےتو تہذیب بن جاتا ہےاور یہی نظام اس کلچر کی قدریں متعین کرتا ہے۔‘‘[۱۶]

الحاصل مندرجہ بالا معروضات سے واضح ہوتا ہے کہ ''تہذیب''اور''معاشرت'' دونوں اصطلاح ہیں جن کا جھولی دامن کا ساتھ ہے اورمخصوص مفہوم کے لئے استعمال ہوتیں ہیں ادب چونکہ اپنے ماحول اورتہذیب ومعاشرت کا عکاس ہوتا ہے اس لئے ادبا اورشعرا اپنی تخلیقات کے ذریعہ تہذیبی اور معاشرتی پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں۔عبادت بریلوی نے''تہذیب'' کی عکاسی مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے۔

''کلچر سے مرادرہن سہن کاایک مخصوص انداز ہی نہیں ہے بلکہ اس کا مطلب محسوس کرنے کا ایک مخصوص انداز،سوچنے کاایک مخصوص زوایہ اوراظہارکاایک مخصوص آہنگ ہے اس میں آداب اورطورطریقے بھی شامل ہیں جوکسی تہذیب اورکلچر میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔''۱۷

وزیرآغا رقم طراز ہیں کہ سوسائٹی جم غفیر کا نام،سوسائٹی توربط باہم کانام ہے ہرفرد کاایک دائرہ عمل جودوسرے افراد کے دائرہ عمل سے مربوط یا متصادم ہے وہ بڑا دائرہ جس کےاندر یہ دائرے مربوط یا متصادم ہوتے ہیں'سوسائٹی' کہلاتا ہے۔

تہذیب روایات ، رسوم ،قوانین اورآداب کاوہ جھولا ہے جس میں سوسائٹی آرام کی نیند سوتی ہے اورکلچر وہ روح بیدار ہے جواس سوسائٹی کوجھنجھوڑ جھنجھوڑ کر جگاتی رہتی ہے۔کلچر پورے کے مانند ہے اوراپنا خون دھرتی سے حاصل کرتا ہے۔اس لئے وہ دھرتی کی صفات کو اپنے اندر جذب بھی کرلیتا ہے۔''۱۸

ڈاکٹرعقیل ہاشمی رقمطراز ہیں کہ:

''تہذیب وثقافت حیات انسانی کے دو پہلو ہیں، دو جہتیں ہیں جب کہ تہذیب کسی نہ کسی مذہب یا عقیدہ سے وابستہ ہوگئی اورثقافت اس کی اعلیٰ قدروں کی پاسداری وترجمان، دراصل انسانیت تہذیبی اقداراورثقافتی معیارات میں مضمر ہوتی ہے۔''۱۹

الحاصل مندرجہ بالامعروضات سے واضح ہوتاہے کہ تہذیب ومعاشرت فرداورافراد کے باہمی عمل اوررد عمل کا نام ہے نیز یہ بھی واضح ہوتاہے کہ تہذیب ومعاشرت کامخصوص دائرہ اختیارات ہوتاہے جوتہذیب ومعاشرت کے نمو، بقا اور فنا کا ضامن ہوتاہے ۔فردکو تہذیب ومعاشرت کے دائرہ اختیارمیں بنیادی حیثیت حاصل ہےاورفرد کی شخصیت کے دونمایاں پہلو ہوتے ہیں ایک پہلو ذاتی اوردوسرا پہلومعاشرتی اگرذاتی پہلوقوی ہوتو وہ ذاتی تجربات میں زندگی بسرکرتاہے نیز نئی اقدارکوجنم دیتاہے اوراگر معاشرتی پہلوقوی ہوتو معاشرتی قاعدےضابطے کےامتزاج سےمثالی نمونہ بن جاتاہے۔

پروفیسرتوقیراحمد خاں نے اقبالؔ کےقول"Civilizanon" کاتعلق باہر کی دنیا سے ہے اورCulture کاتعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے'' کےضمن میں تہذیب ومعاشرت کووضاحت کی ہے کہ

''Civilizabion'' کے ہماری اجتماعی زندگی کا نمونہ ہے ۔ایک گاؤں ایک شہرملک کی ہم آہنگی جس میں رسوم ورواج اوڑھنا ، پہننا، رہنا سہنا ، بولنااور اخلاق وعادات اختیارکرنا تمدن یاCivilization ہے...........اورانسان کی اپنی ذات سےجس

چیز کا تعلق ہے وہ اجتماعی زندگی میں کسی چیز کو لینا کرتا ہے۔ کسی زبان کسی علم سے لگاؤ رکھتا ہے کس اخلاق کا پاسدار ہے کس چیز میں ذاتی طور پر یقین رکھتا ہے اور کس چیز پر ایمان ویقین نہیں رکھتا یہ اس کا Culture یا اس کی تہذیب ہے۔'' ۲۰

دراصل معاشرہ میں فرد کی قدر و منزلت نہایت اہم ہے اور اس کے نفسیات معاشرہ کا تاثیر و تاثر ہی پیش کرتے ہیں۔ جس کی عکاسی وسیم بریلوی نے اس طرح کی ہے۔

اپنا وجود کھو کے بھی قطروں کو کیا ملا
سارے جہاں میں نام سمندر کا ہوگیا
ضرور جبر حدوں سے گزر گیا ہوگا
جو اپنی جان پہ کھیلے برا نہیں ہوتا
خود کو پہچان کے دیکھ تو ذرا یہ دریا
بھول جائے گا سمندر کی طرف جانا بھی
میں قطرہ ہو کے بھی طوفاں سے جنگ لیتا ہوں
مجھے بچانا سمندر کی ذمہ داری ہے
مجھے تو قطرہ ہی ہونا بہت ستاتا ہے
اس لئے تو سمندر پہ رحم آتا ہے
اپنی دریائی پہ اترا نہ بہت اے دریا
ایک قطرہ ہی بہت ہے تری رسوائی کو

قطرہ ہونے کی سعادت کوئی مجھ سے پوچھے
میں نے اپنے لئے دریا کو پریشاں دیکھا

الغرض یہ تو واضح ہے کہ تہذیب و معاشرت میں فرد کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ مگر یہ پہلو توجہ طلب ہے کہ تہذیب و معاشرت کے نمو خیز ہونے کا باعث کیا ہے؟ فرد کا متحرک و مقویٰ معاشرتی پہلو جب معاشرتی قواعد سے متصادم و مربوط ہو کر فرد کو مثالی نمونہ بناتا ہے۔ تو اس کی مساعی جمیلہ معاشرت کی نمو خیزی کا باعث بنتی ہیں مگر جب وہ معاشرے میں جذب ہو کر فطرتاً لطیف ہو جاتیں ہیں۔ بقول وزیر آغا

''کلچر ایک تخلیقی اٹھان ہے اور اس کا وجود خلاق شخصیتوں کے مساعی کا مرہون ہے۔ پہاڑی ندیوں کا عمل کلچر کا عمل ہے دریا کی کشادگی اور وسعت تہذیب کی صورت ہے۔''[۲۱]

الحاصل یہ واضح ہے کہ فرد کا متحرک و مقوی معاشرتی پہلو تہذیب کا تخم ہے جس کی تخم ریزی خلاق فرد ہی کرتا ہے۔ مگر اب یہ پہلو نہایت اہم ہے کہ تقاضائے معاشرت کیا ہے؟ عندالتحقیق واضح ہوتا ہے کہ فرد کا ذاتی پہلو ہی ہے جس کا تقاضا معاشرت کرتی ہے کیوں کہ فرد کے ذاتی پہلو کے مقوی و متحرک ہونے کے باعث فرد نہ تو مثالی و خلاّق شخصیت بن سکتا ہے اور نہ ہی تہذیب کی تخم ریزی کر سکتا ہے۔ یہ خلاق فرد ہی ہوتا ہے جو معاشرت کے پرُسکون سمندر میں مساعی جمیلہ کے ذریعہ ہلچل پیدا کر دیا ہے۔ بقول وزیر آغا

''سوسائٹی اس بات کی متمنی ہوتی ہے کہ تمام افراد اس کی

صدیوں سے روندی ہوئی شاہراہ پر بڑھے چلے جائیں اور وہ اپنے
لئے کوئی نیا راستہ تراشنے کی کوشش نہ کریں۔''۲۲؎

الغرض جب معاشرت کے پرُ سکون سمندر میں ہلچل پیدا ہوتی ہے تو معاشرت کے تحفظ وبقا کا پہلو ایک نیا سوال بن جاتا ہے۔عندالتحقیق یہ واضح ہوتا ہے کہ جب معاشرت اور افراد کے مابین خاطر خواہ اقدار میں بعدالمشرقین نہیں ہے تو احساس تحفظ وبقا کا سوال ہی پیدانہیں ہوتا جب ان دونوں کے مابین ''جتنا قریب اتنا رقیب'' کا سامنا ہوتا ہے تو تحفظ وبقا کا فکر ضرور ہوتا ہے۔الحاصل معاشرت اور افراد کے ربط وضبط سے معاشرت زندہ رہتی ہے مگر ان کے ربط اور ضبط کا وسیلہ تعلیم ہی ہے۔عذرا عابدی رقمطراز ہے کہ

''تعلیم افراد کو معاشرے سے جوڑتی ہے۔معاشرے کو قائم
رکھتی ہے ثقافت کو جلا بخشتی ہے اور افراد کی صلاحیت اور کارگردی
میں اضافہ کرتی ہے۔''۲۳؎

الغرض تہذیب فرد اور معاشرت کے مابین غیر فانی کھینچا تانی کی تاریخ ہے اور معاشرت ایک اندرونی ابھار ہے جس کے تحت بعض معقول اقدار نمو خیز ہوتے ہیں نیز فرد کے معاشرتی وذہنی پہلوؤں کو مقویٰ کر کے بلندی پر لے جاتا ہے مگر جب دم توڑتا ہے تو مراجعت کا عمل وجود پاتا ہے۔جس سے تہذیب کی تخم ریزی ہوتی ہے۔

فرد کی طرح معاشرہ کے بھی نمایاں پہلو ہوتے ہیں دراصل جن کا تعلق فرد سے ہی ہوتا ہے۔ایک پہلو وہ ہے جو نہایت ہی متحرک ومقویٰ ہوتا ہے اور دوسرا پہلو وہ ہے جو بے

حس و بے حرکت ہوتا ہے۔ متحرک ومقویٰ پہلو وہ ہے جس میں فرد اور معاشرہ کے مابین ربط وضبط کے باوجود فرد پہلو بدل کر جز کے بجائے کل کا وجود پاتا ہے۔ جب کہ بے حس و بے حرکت پہلو میں فرد اور معاشر کے مابین ربط وضبط کے پہلو بہ پہلو فرد معاشرہ سے پہلو تہی ہے۔ الحاصل پہلے پہلو میں بچہ ماں سے پہلو تہی کرتا ہے جبکہ دوسرے پہلو میں بچہ ماں سے ہی پہلو گرم کرتا ہے وزیر آغا رقمطراز ہیں کہ

''یہ بات طے ہے کہ زمین سے وابستہ رُکے ہوئے معاشرے میں سماجی قدریں محیط اور اہم ہیں اور فرد سماج سے اس طرح چمٹا ہوتا ہے جیسے پیڑ جنگل سے یا بچہ ماں سے۔ دوسری طرف آوارگی اور خانہ بندوشی کی حالت میں فرد کی انفرادیت ابھر آتی ہے اور وہ گویا ماں کے جسم سے الگ ہو کر ''جزو کے بجائے کل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔'' [۲۴]

دراصل تہذیب فرد اور معاشرت کے مابین غیر فانی کھینچا تانی کی تاریخ ہے جس کا گزر تحرک وجمود کی منازل ہے۔ عندالتحقیق واضح ہوتا ہے کہ یانگ اور ین کے پہلو گرم ہونے سے جب تہذیب کے بدن میں روح داخل ہو کر ارتقائی منازل طے کر کے رقیق ہو کر نئی صورت اختیار کرنے لگی تو انسانی تہذیب کی مشعل روشن ہوئی اور مشعل برداروں کا ایک شاخ سار وسطی اشیا سے آغاز سفر کر کے ایران میں آباد ہو گیا جو ''ہند یورپی'' کے نام سے موسوم ہے اس کی ایک شاخ افغانستان کو عبور کر کے ہندوستان میں قدم رکھتے ہی دراوڑی تہذیب سے متصادم ہو جاتی ہے۔ پروٹو آسٹرلائیڈ Proto Astraleida جو ہندوستان میں بحیرۂ روم کے مہاجرین سے قبل آباد تھے ان دونوں کی تہذیبوں کے امتزاج سے دراوڑی

تہذیب کا وجود نموخیز ہوا تھا۔ نیز دراوڑی تہذیب کا نشانِ امتیاز مورتی پوجا ہے۔ دراوڑی تہذیب سے پر فضا میں جب آریوں نے اپنے قدم رکھے تو آریائی تہذیب وکلچر نے ہندوستانی خون سے رگوں کو پر کیا نیز دراوڑی تہذیب ومعاشرت سے متصادم ہوکر اس کے تمام اوصاف کواپنانا شروع کردیا پھر اس کے بعد ہندوستانی تہذیب اور مغلیہ تہذیب کا آمنا سامنا نموخیز ہوتا ہے۔ وزیر آغا رقمطراز ہیں کہ

> ''ہندوستانی معاشرہ مزاجاً جنگل کا معاشرہ ہے اس لئے جب بھگتی تحریک کے زیر اثر اسے اظہار کا موقع ملا۔ جب ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب نے وفات پائی تو مرکزی حکومت کمزور پڑتے ہی ہندوستان میں ''جنگل کا قانون ایک بار پھر سطح پر آ گیا۔
>
> ''ہندوستانی تہذیب کے تالاب میں وقتاً فوقتاً باہر سے جو کنکر آ کر گرے، ان سے ثقافت کی متعدد لہریں پیدا ہوئی تھیں۔ لیکن اب تالاب کی سطح ایک بار پھر لہروں سے نا آشنا ہوگی تھی، اور ایک نئے کنکر کی منتظر تھی۔ انیسویں صدی کے آغاز ہی میں یہ کنکر انگریزی تہذیب کی صورت میں آ کر گرا جس سے وہ لہریں پیدا ہوئیں جن کی گونج پوری انیسویں صدی کا ہندوستان ایک متحرک ذہن کی آماج گاہ تھا۔'' ۲۵

الحاصل ابتدائی طور پر ہندوستانی معاشرہ پرسکون سمندر کی طرح تھا۔ جوں جوں اس کے اندر تہذیبی دریا داخل ہوتے گئے تو اس کا سکون تموّج میں تبدیل ہوجاتا ہے۔ جس

کا تذکرہ شعراء نے غزل، نظم اور گیت میں بساط بھر کیا ہے۔ یہ بھی ذہین نشین ہو جائے کہ ''غزل'' فرد کے ذاتی تجربہ کو اجتماعی تجربہ میں منتقل کر دیتی ہے جبکہ نظم فرد کے ذاتی تجربہ ہی کو پیش کرتی ہے غزل تہذیب کے اس پہلو سے نمو خیز ہوتی ہے جہاں فرد سماج سے روپوش بھی ہوتا ہے نیز سماج کا دامن بھی پکڑتا ہے اور شاعر سماج کی رحم میں ایک نئے پہلو کی مانند ہوتا ہے جو سماج کی تخلیق و تعمیر میں نئی راہیں دکھاتا ہے نیز عوام سے شاعر ممتاز ہوتا ہے کیوں کہ وہ محسوس کرتا ہے کہ سماجی اقدار روبہ زوال ہو رہیں ہیں مگر وہ یہ بھی جانتا ہے کہ یہ آثارِ زوال صرف اور صرف عارضی ہیں نیز نئی تہذیب اور معاشرت کے نمو خیزی کا ذریعہ بھی ہیں اسی تہذیب عمل کے نشیب و فراز کو وسیّم بریلوی نے واضح کیا ہے۔

جاؤ بن جاؤ کسی نا آشنا کا اعتبار
آج سے مجبور ہو تم چھن رہے اختیار
مسکراؤ گی مگر ایسے مسافر کی طرح
راستے میں لٹ گیا جس کا اک منزل سے پیار
کالی راتیں جذب کرلیں گی تمہارے اشک بھی
مسکرائے گا تمہارے حال پر صبر وقرار
زندگی کا دوسرا رخ ہے تمہارے سامنے
مصلحت ہے مان لو اب حال سے ماضی کی ہار

''رخصتی''

تمہارے ہاتھوں میں ہم کیسے بستیاں سونپیں
تمہارے ہاتھوں کو عادت ہے گھر جلانے کی
گمراہ کیے ہوں گے کئی پھول سے جذبے
ایسے تو کوئی راہنما ہو نہیں سکتا

ڈاکٹر وسیم بیگم رقمطراز ہیں کہ ''ہندوستانی تہذیب مختلف تہذیبوں کا سنگم ہے اور اُردو غزل اس تہذیب کا علامتی اظہار ہے .... ہندوستان کی مٹی میں یہ پلی بڑھی اور اسی فضا میں پروان چڑھی ہے۔غزل میں ہندوستانی عناصر، ہندوستانی مزاج کسی نہ کسی رنگ اور کسی نہ کسی روپ میں جلوگر ہے۔''۲۶

ایک تہذیبی تسلسل سے ہے ساری زندگی
پیڑ سے پتہ الگ ہوگا تو کیا رہ جائے گا
میں آسماں پہ بہت دیر رہ نہیں سکتا
مگر یہ بات تو زمین سے کہہ نہیں سکتا
جنھیں سلیقہ ہے تہذیب غم سمجھنے کا
انھیں کے رونے میں آنسو نظر نہیں آتے
ساتھ موجوں کے سبھی ہوں جہاں بہنے والے
کون سمجھے گا سمندر تیری گہرائی کو
ذرا سا قطرہ کہیں آج اگر ابھرتا ہے

سمندروں کے لہجے میں بات کرتا ہے
میں جن کو جان کے پہچان بھی نہیں سکتا
کچھ ایسے لوگ مرا گھر جلانے والے تھے
جلے مکانوں کی چنگاریوں کو ملنے دو
تم اپنی اونچی عمارت بچا نہ پاؤگے
کیا دکھ ہے سمندر کو بتا بھی نہیں سکتا
آنسو کی طرح آنکھ تک آ بھی نہیں سکتا
تو چھوڑ رہا ہے تو خطا اس میں تری کیا
ہر شخص میرا ساتھ نبھا بھی نہیں سکتا
پیاسے رہے جاتے ہیں زمانے کے سوالات
کس کے لئے زندہ ہوں بتا بھی نہیں سکتا

وسیم بریلوی نے ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی غریب الوطنی کو موضوع سخن بنایا ہے نیز واضح کیا ہے کہ کس طرح ہندوستانی تہذیب ومعاشرت تذبذب، انتشار اور بکھراؤ کا شکار ہوگئی ہے۔ مگر ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کے نئے رنگ اٹھانے کو بھی موضوع سخن بنایا ہے۔ امثلہ ملاحظہ کریں۔

عجیب دباؤ ہے ان باہری ہواؤں کا
گھروں کا بوجھ بھی اٹھتا نظر نہیں آتا

نئے مکان بنائے تو فاصلوں کی طرح
ہمیں یہ شہر بسانا بھی تو نہیں آیا
آج کی دنیا اُس کو جانے
جس کی کوئی پہچان نہیں
دشمن تہذیب مشرق اور کیا چاہے گا تو
ہم نے ٹی وی کو کھلا وقت اذاں رہنے دیا
نئی کالونی میں بچوں کی ضدیں لے تو گئیں
باپ دادا کا بنایا ہوا گھر ختم ہوا

الحاصل مندرجہ بالا اشعار کے ذریعہ وسیم بریلوی نے نئی تہذیب و معاشرت کا رنگ دکھایا ہے۔علاوہ ازیں نئی تہذیب کے سبز باغ اور رنگ دگرگوں کو بھی موضوع سخن بنایا ہے

ملی ہواؤں میں اُڑنے کی وہ سزا یارو
کہ میں زمین کے رشتوں سے کٹ گیا یارو
لگے گی آگ تو سمتِ سفر نہ دیکھے گی
مکان شہر میں کوئی نظر نہ آئے گا
وسیم کل اسی محفل میں سربلند بھی تھے
جہاں پہ بیٹھے ہیں ہم آج سر جھکائے ہوئے
آج کل کے راستوں کی بے یقینی دیکھ کر

کون ہے جس میں سفر کا حوصلہ رہ جائے گا
اس دورِ تنگ دل میں ترقی کے نام پر
وہ گھر ملے کہ جن میں ہوا کا گذر نہ ہو
میلے کی رونقوں میں بہت گم تو ہو وسیمؔ
گھر لوٹنے کا وقت میاں سر پہ آ گیا

باالتحقیق نئی تہذیب ومعاشرت کے کاغذی وجود کو موضوع سخن بنا کر اس کے بے مغز ہونے کو بیان کیا ہے۔ اور نئی تہذیب ومعاشرت کی سحر آمیزی نیز شیدائیوں کے نئی تہذیب ومعاشرت کے موج خیز طوفان میں بہہ جانے کو بھی موضوع بنایا ہے۔ امثلہ ملاحظہ کریں۔

آنکھیں منظر ہوئیں کان نغمہ ہوئے
گھر انداز ہی گھر سے جاتے رہے
مانگتے پھررہے ہیں وہ کرنوں کی بھیگ
جن کے آنگن میں سورج اُتارا گیا
ساتھ موجوں کے سبھی ہوں جہاں بہنے والے
کون سمجھے گا سمندر تیری گہرائی کو
ذرا سا قطرہ کہیں آج اگر ابھرتا ہے
سمندروں ہی کے لہجہ میں بات کرتا ہے

جلے مکانوں کی چنگاریوں کو ملنے دو
تم اپنی اونچی عمارت بچا نہ پاؤ گے
میں جن کو جان کے پہچان بھی نہیں سکتا
کچھ ایسے لوگ مرا گھر جلا نے والے تھے

الحاصل مندرجہ بالا اشعار میں وسیم بریلوی نے کاغذی ونئی تہذیب ومعاشرت کی سحر آمیزی اور اس کے شیدائیوں کی بے راہ روی کو واضح کیا ہے۔ ''یک در گیر ومحکم گیر'' کے مصداق وسیم بریلوی نے حقیقی ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کے وفاداروں اور جان نثاروں کی سرفروشی اور ثابت قدمی کو موضوع سخن بنایا ہے۔ بعض امثلہ ملاحظہ کریں۔

میں آسماں پہ بہت دیر رہ نہیں سکتا
مگر یہ بات تو زمین سے کہہ نہیں سکتا
جنھیں سلیقہ ہے تہذیب غم سمجھنے کا
انھیں کے رونے میں آنسو نظر نہیں آتے
گھر لوٹنے کا وقت میاں سر پہ آگیا
میں زندہ ہوں اور اسی زندہ ضمیری کی بدولت
جو بوے تیرے لہجے میں بھلا تیری زبان کیوں ہو
گھر ڈھونڈ رہے ہیں میرا راتوں کے پجاری
میں ہوں کہ چراغوں کو بجھا بھی نہیں سکتا

ویسے تو اک آنسو ہی بہا کر مجھے لے جائے
ایسے کوئی طوفان ہلا بھی نہیں سکتا

الحاصل مندرجہ بالا اشعار میں وسیم بریلوی نے حقیقی ہندوستانی تہذیب سے بے راہ روی، نئی تہذیب کی بے جڑ نشو ونما پائے، حقیقی ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کے وفاداروں کی ثابت قدمی وسرفروشی ،احساس واپسی، زندہ ضمیری، ابدی چراغ ، صاحب ظرف اور ثابت قدمی کو موضوع سخن بنا کر واضح کیا ہے۔

ہمیں چراغ سمجھ کر بجھا نہ پاؤ گے
ہم اپنے گھروں میں کئی آفتاب رکھتے ہیں

ڈاکٹر ممتاز الحق رقمطراز ہیں کہ ''غزل دور انحطاط میں بکھرے ہوئے معاشرے کی آواز ہے'' ۲۷

الحاصل افراد کے ربط وضبط سے معاشرہ کا وجود نمو خیز ہو کر ترقی کی منازل طے کرتا ہے فرد ہی اس کے وجود کا باعث ہے اور معاشرہ میں فرد کا مقام ارفع واعلیٰ ہے نیز اسی قدر و منزلت نمایاں اہمیت کی حامل ہوتی ہیں جس کی عکاسی وسیم بریلوی نے کی ہے۔

دکھی سماج میں آنسو بھرے زمانے میں
اسے یہ کون بتائے کہ اشکبار نہ ہو
کیوں یہ آوازیں مرا پیچھا کیے جاتی ہیں
میں تو بستی سے بہت دور چلا آیا ہوں

ریزہ ریزہ بکھرنا مقدر ہوا
ہار کر بھی کبھی ہار مانی نہیں

آؤ یہ محبت ہے اسے دونوں نبھائیں
اس دل میں سما جائے یہ وہ راز نہیں

اس شاخ سے اُڑا تھا پرندوں کا قافلہ
اُڑنے کے بعد سب کی اُڑنیں جدا ہوئیں

پانی پہ تیرتی ہوئی یہ لاش دیکھئے
اور سوچیے کہ ڈوبنا کتنا محال ہے

پیار تہذیب تعلق کا عجب بندھن ہے
کوئی چاہے تو حدیں پار نہ کرنے دے گا

ڈوبتی زندگی اندھیروں میں
پھر کہیں سے دیا اٹھا لائی

ہم اک لمحہ بھی اپنی طرح نہ جی پائے
تمام عمر عجب مصلحت سے کام لیا

اسی اُجالوں کی بستی میں وہ بھی رہتا تھا
جو ایک شب کی طرح زندگی گذار گیا
کس کو بتائے گا یہاں شام ہے یہ سحر نہیں

جب تیرے اختیار میں تیرا خود اپنا گھر نہیں

آواز کا لبوں سے بہت فاصلہ نہ تھا
لیکن وہ خوف تھا کہ کوئی بولتا نہ تھا

آنسو کو اعتبار کے قابل سمجھ لیا
میں خود ہی چھوٹا نکلا تراغم بڑا نہ تھا

اس نے ہی مجھ کو دیکھا زمانے کا آنکھ سے
جس کو میری نظر سے کوئی دیکھتا نہ تھا

ہر موڑ پر امید تھی ، ہر سوچ آرزو
خود سے فرار کا بھی کوئی راستہ نہ تھا

اپنا یہ المیہ ہے کہ ہم ذہنی طور پر
اس شہر میں رہے جو ابھی تک بسا نہ تھا

کیسی گراوٹوں پہ کھڑی تھیں ، مگر وسیمؔ
اونچی عمارتوں سے کوئی پوچھتا نہ تھا

الحاصل دکھی سماج میں آنسو بھرے زمانے میں ، میں تو بستی سے بہت دور چلا آیا ہوں، ریزہ ریزہ بکھرنا مقدر ہوا، آؤ یہ محبت ہے اسے دونوں نبھائیں، اک شاخ سے اڑا تھا پرندوں کا قافلہ، پانی پہ تیرتی ہوئی یہ لاش دیکھئے، پیار تہذیب تعلق کا عجب بندھن ہے، ڈوبتی زندگی اندھیروں میں، جو رکھنا پڑتا ہے سماجی نماشوں کا بھرم، تمام عمر عجیب مصلحت سے کام لیا

اسی اُجالوں کی بستی میں وہ بھی رہتا تھا، جب تیرے اختیار میں تیرا خود اپنا گھر نہیں۔ آواز کا لبوں سے بہت فاصلہ نہ تھا لیکن وہ خوف تھا کہ کوئی بولتا نہ تھا، میں خود چھوٹا نکلا تیرا غم بڑا نہ تھا، ان اجنبیوں سے ستائے ہیں ان دنوں ، خود سے فرار کا بھی کوئی راستہ نہ تھا، اپنا یہ المیہ ہے کہ ہم ذہنی طور پر اس شہر میں رہے جو ابھی تک بسا نہ تھا، اونچی عمارتوں سے کوئی پوچھتا نہ تھا، کے ذریعہ وسیّم بریلوی نے ہندوستانی سماج، ہندوستانی تہذیب ومعاشرت اور ہندوستانی تہذیب اور معاشرت کی تعمیر وتخریب نیز نشیب وفراز کو منفرد انداز میں واضح کیا ہے۔ قبیح پہلوؤں کو بھی واضح کیا ہے۔

کوتائی رہبر سے منزل نہ ملی ورنہ
دل بعد میں ڈوبا ہے بہکے تھے قدم پہلے
وہ کیا کریں گے میرے شبستان میں روشنی
بجھ جائیں آندھیوں کے تصور سے جو دیے
ہر اک اپنے لئے میرے زخم گنتا ہے
مرے لئے بھی کوئی ہو جو مجھ سے پیار کرے
جو پیش پیش تھے بستی بچانے والوں میں
لگی جب آگ تو اپنا بھی گھر بچا نہ سکے
ہمیں نے کردیا اعلان گمراہی ورنہ
ہمارے پیچھے بہت لوگ آنے والے تھے

گمراہ کیے ہوں کئی پھول سے جذبے
میری بستیاں نہ دیکھو یہاں وہ مکان بھی ہیں
جنھیں خود نگاہ بانوں نے کھنڈر بنا دیا ہے
میں چلا تھا سوئے منزل تو کوئی نہ ساتھ آیا
میں بھٹک گیا دنیا مرے ساتھ ہوگی
مصلحت یہ ہے کہ الجھیں نہ ابھی طوفان سے
ہم کہ ٹوٹی ہوئی کشتی کے نگہباں ٹھہرے
کب تک میری پیاس کو یوں بہلائے گا
صاف بتا کب گھر گھر ساون آئے گا
اگرسردار بازاروں میں بکنے کو نہ آجاتے
قبیلے کا مرے ہر یوں سودا نہیں ہوتا
انھیں کے کھوکھلے دعوؤں میں سلطانی حوالے ہیں
وہ جن لوگوں نے پرکھوں کے کھنڈر تک بیچ ڈالے

الحاصل وسیم بریلوی نے رہبرانِ مالک وملت کی اپنے فرائضِ منصبی سے کوتائی، غیر مساوی، غیر معتبر، غیر مفیداور سعی لاحاصل کو واضح کیا ہے کہ وہ کس طرح عوام کے حقوق کی حق فروشی کر کے کم ظرفی کا مظاہر کرتے ہیں اور سب کہنے کی باتیں ہی کہتے ہیں۔

کیسا دریا ہے کہ پیاسا تو نہ مرنے دے گا
اپنی گہرائی کا اندازہ نہ کرنے دے گا
اور ابھی کچھ دھوکے دے لو
جانے کب آنکھیں کھل جائیں
روندے جاتے ہو رشتے توڑے جاتے ہو دل
اس طرح تو کوئی بھی تعمیر ہوسکتی نہیں
گمراہ کیسے ہوں گے کئی پھول سے جذبے
ایسے تو کوئی رہنما ہو نہیں سکتا

جب من پر دھن کا نشہ چڑھتا ہے تو دھوکہ بازی کا بیج پھوٹ کر انگور کی بیل کی طرح من کو ملبوس کر لیتا ہے جس سے من صرف اور صرف دھن کا ہی متقاضی ہو جاتا ہے اسی کا ایک پہلو دھوکہ بازی ہے جس کو وسیم بریلوی نے موضوع سخن بنایا ہے مگر رجائی پہلو بھی نمایاں ہے۔

آگ ایسی لگانے سے کیا فائدہ
جس کے شعلوں کو خود ہی بجھانا پڑے
سمجھتے ہی نہیں نادان کے دن کی ہے ملکیت
پرائے کھیتوں پہ اپنوں میں جھگڑا ہونے لگتا ہے
بری چلی ہے ہوا ہمسفر بدلنے کی
نہ جانے کون کہاں کس کے ساتھ ہوجائے

زن، زر اور زمین کا نشہ جب من پر ملبوس ہو جاتا ہے تو حسد، نا انصافی ،حق تلفی، دھوکہ جیسے پرُ زوال اور لا دوا امراض جنم لیتے ہیں۔ حسد کا لغوی معنی ہے، کسی کا زوال چاہتا ،مگر حقیقت میں حاسد کا اپنی ہی زوال ہوتا ہے۔الحاصل وسیم بریلوی نے مندرجہ بالا اشعار میں حسد کے مُضر ومخرب پہلوؤں کی نقاب کشائی کی ہے۔

جا دکھا دنیا کو مجھ کو کیا دکھاتا ہے غرور
تو سمندر ہے تو ہو میں تو مگر پیاسا نہیں

اس زمانے کا بڑا کیسے بنوں
اتنا چھوٹا پن مرے بس کا نہیں

پرانے رشتوں کی بے غرضیاں نہ سمجھے گا
وہ اپنے عہدے سے جب اتر نہیں جاتا

سوال آخر یہ اک دن دیکھنا ہم اُٹھائیں گے
نہ سمجھے جو زمین کے غم وہ اپنا آسماں کیوں ہو

سچ کی چپ مصلحت کی زباں کیا ہوئی
قطرے خود کو سمندر بتانے لگے

اپنی دریائی پہ اُترا نہ بہت اے دریا
ایک قطرہ ہی بہت ہے تیری رسوائی

زمینی خاکساری کا بھرم رکھنے کی خاطر وہ
بلندی کو بہت دن درد سر ہونے نہیں دیتا

جادکھا دنیا کو مجھ کو کیا دکھاتا ہے غرور، اس زمانے کا بڑا کیسے بنوں، پرانے رشتوں کی بے غرضیاں نہ سمجھے گا، نہ سمجھے جو زمین کے غم وہ اپنا آسماں کیوں ہو، قطرے خود کو سمندر بتانے لگے اپنی دریائی پہ اترانہ بہت اے دریا، بلندی کو بہت دن دردسر ہونے نہیں دیتا، کے ذریعہ وسیمؔ بریلوی نے کاغذی غرور کو پیش کیا ہے، نیز یہ بھی واضح کیا ہے کہ غرور کی رسوائی کے لئے ایک قطرہ ہی بہت ہے جو غرور کو دردِ سر نہیں ہونے دیتا۔الحاصل مندرجہ بالا اشعار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کاغذی غرور کی قدر اُٹھ جاتی ہے۔

نئی عمروں کی خودمختاریوں کو کون سمجھائے گا
کہاں سے بچ کے چلنا ہے کہاں جانا ضروری ہے
تھکے ہارے پرندے جب بسیرے کے لئے لوٹیں
سلیقہ مند شاخوں کا لچک جانا ضروری ہے
یہ چند لمحوں کی بے اختیاریاں ہیں وسیمؔ
گنہ سے رشتہ بہت دیر رہ نہیں سکتا
گھروں کی تربیت آ گئی ٹی وی کے ہاتھوں میں
کوئی بچہ اب اپنے باپ کے اوپر نہیں جاتا
میں جیسے چاہوں جیوں میری زندگی ہے میاں

تمہیں سلیقہ سکھانے کی کیا پڑی ہے میاں
وسیم رشک سے دیکھوں نہ کیوں پرندوں کو
یہ شام ہوتے گھروں کو تو لوٹ آتے ہیں
اس دور کا یہ سچ ہے مگر کس کو بتائیں
غیروں کی طرح بھی کوئی اپنا نہیں لگتا
ایک بگڑی ہوئی اولاد بھلا کیا جانے
کیسے ماں باپ کے اونٹوں سے ہنسی جاتی ہے
آج کے بکھرے ہوئے بچوں کی قسمت میں کہاں
وہ کہانی جو بزرگوں سے سنی جاتی ہے

اگرچہ تخم تاثیر سے مجلس تاثیر زیادہ ہوتی ہے۔ مگر صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالع ترا طالع کند الغرض نئ عمروں کی خودمختاریاں، تھکے ہارے پرندے چند لمحوں کے بے اختیاریاں، بچہ باپ پر نہیں جاتا تمھیں سلیقہ سکھانے کی کیا پڑی ہے، ٹھوکروں کا حساب، غیروں کی طرح بھی تو کوئی اپنا نہیں لگتا بگڑی اولاد بھلا کیا جانے، بکھرے بچوں کی قسمت میں کہاں کے ذریعہ وسیم بریلوی نے موجود دور کی بکھری ہوئی اولاد کی بے راہ روی کی نقاب کشائی کی ہے۔

میں اس مکان میں رہتا ہوں اور زندہ ہوں
وسیم جس میں ہوا کا گزر نہیں ہوتا

یہ کس کا ہاتھ ہے پھر کاٹ کیوں نہیں دیتے
جو سارے شہر کی شمعیں بجھائے دیتا ہے
اُس کو کاندھوں پہ لے جارہے ہیں وسیمؔ
اور وہ جینے کا حق مانگتا رہ گیا
کسی امیر کا رستہ کہیں نہ رُک جائے
غریب لوگ ہیں چوراہا چھوڑ دیتے ہیں
رات میری نہیں رات تیری نہیں
جس نے آنکھوں میں کاٹی وہی پائے گا
جگانا آتاہے اس کو کئی طریقوں سے
گھروں پہ دستکیں دینے خدا نہیں آتا
ایسے شخص کومیر بنایا جو بس خواب دیکھتا ہے
بستی کے لوگوں نے اپنا آپ مقدر پھوڑ لیا

الحاصل وسیمؔ بریلوی نے مندرجہ بالا اشعار میں ''حق بحق دار رسید'' کی حق فروشی ،کو ہوا کا گذر نہیں ہوتا ، یہ کس کا ہاتھ ہے پھر کاٹ کیوں نہیں دیتے ، وہ جینے کا حق مانگتا رہ گیا ، کی لاش کا کوئی بھی دعویدار نہ تھا، کسی امیر کا رستہ کہیں نہ رُک جائے ، دستکیں دینے خدا نہیں آتا ، اپنا آپ مقدور پھوڑلیا کے ذریعہ واضح کیا ہے کہ کہیں نہ کہیں سہواً ،عمداًیا قصداً حق فروشی ضرور ہورہی ہے۔ نیز یہ بھی واضح کیا حق داراورحق فروشی دونوں ہی حق تلفی کے ذمہ دار ہیں۔

بکھر کر رہ گیا ہم سائیگی کا خواب ہی ورنہ
دیئے اس گھر میں روشن ہوں تو اس گھر میں دھواں کیوں
آسمان جب زمینوں کی قسمت لکھیں
کوئی انصاف مانگے تو کیا پائے گا
ہماری جان گئی جائے دیکھنا یہ ہے
کہیں نظر میں نہ آجائے مارنے والا
بنیں گے اونچے مکانوں میں بیٹھ کر نقشے
تو اپنے حصے میں مٹی کا گھر نہ آئے گا
اس دورِ منصفی میں ضروری نہیں وسیمؔ
جس شخص کو خطا ہو اسی کو سزا ملے
یہ ہے تو سب کے لئے ہو یہ ضد ہماری ہے
اس ایک بات پہ دنیا سے جنگ جاری ہے
یہاں ادب بھی سیاست سے بچ نہیں پایا
کسی نے خون جلایا کسی کا نام ہوا

الغرض، اس گھر میں دھواں کیوں، انصاف مانگے تو کیا پائے گا، نظر میں نہ جائے مارنے والا، تو اپنے حصے میں مٹی کا گھر نہ آئے گا، جس شخص کی خطا ہو اسی کو سزا ملے، کس کسی نے خون جلایا کسی کا نام ہوا کے ذریعہ وسیمؔ بریلوی نے موجودہ معاشرے کی دکھتی رگ

پر ہاتھ رکھ کر واضح کیا ہے کہ ناانصافی کے ضامن منصف اور دعویٰ دار دونوں ہیں۔ امثلہ

جب ایک بار جلالیں ہتھیلیاں اپنی
تو خدانے بھی اس ہاتھ میں دیا نہ دیا
اپنے آگے کسی کو سمجھتا نہیں
اُس کے ہاتھوں میں ایک آئینہ کون دے
کس کو بتائے گا یہاں شام ہے یہ سحر نہیں
جب ترے اختیار میں تیرا خود اپنا گھر نہیں
کسی ایسی آرزو میں جو کہی سنی جائے
وہاں عمر کاٹ آئے جہاں سانس لی نہ جائے
ضرور جبر حدوں سے گزر گیا ہوگا
جو اپنی جان پہ کھیلے بُرا نہیں ہوتا

ظلم وستم کا منبع دھن اور من کے امتزاج سے نمو پذیر ہو کر عروج کو پہنچ جاتا ہے۔ جس من میں دھن کا نشہ چڑھ کر سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہے تو انسانی ذہن مفلوج ہو کر حق تلفی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جس سے حقوق کی پامالی ہوتی ہے پھر ظلم وستم کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے اور مظلوم کے دل کی کسک وآہ عرش الٰہی پہ دستک دیتی ہیں جس کی ترجمانی وسیم بریلوی نے اس طرح کی ہے۔

میں اُس مکاں میں رہتا ہوں او رزندہ ہوں
وسیم بس میں ہوا کا گذر نہیں ہوتا
وسیم اپنے اندھیروں کاخود علاج کرو
کوئی چراغ جلانے ادھر نہ آئے گا
تمام شہر کی آنکھوں میں سرخ شعلے ہیں
وسیم گھر سے اب ایسے میں کوئی کیا نکلے
جلے مکانوں کی چنگاریوں کو ملنے دو
تم اپنی اونچی عمارت بچا نہ پاؤ گئے

الغرض مندرجہ بالا اشعار میں وسیم بریلوی نے دورِ جدید کے ایک اہم موضوع عدم تحفظ کو پیش کیا ہے کہ کسی طرح انسان ہجومِ انسان میں خود کو تنہا ، بے بس بے سہارا اورغیرمحفوظ محسوس کرتا ہے ۔ وبے پاؤں چل رہا ہے، رکی رکی سانس لے رہا ہے اورخوف وہراس کے ماحول میں جی رہا ہے لہو کے جام پی رہا ہوں۔اگر چہ عدم تحفظ کو وسیم بریلوی نے موضوع سخن بنایا ہے مگر تحفظ کے رجائی پہلو کو بھی لبادہ اشعار عطا کیا ہے۔

جو ہوتا پاؤں میں کانٹا نکال سکتے تھے
کسی کے ذہن کا کانٹا نکال دیں گے
ذہنوں میں وہ جنگ جاری ہے
جس کا کوئی اعلان نہیں ہے

آندھیوں کے ارادے تو اچھے نہ تھے
یہ دیا کیسے جلتا ہوا رہ گیا
گھر تو گھر ذہن بھی جل اٹھتے ہیں
آگ ایسی کوئی لگائے ہے
ذہنوں میں دیوار نہ ہو ، تو
ملنا کوئی دشوار نہیں ہے
میں جن کو جان کے پہچان بھی نہیں سکتا
کچھ ایسے لوگ میرا گھر جلانے والے تھے
جب اپنے لوگ ہی آئیں گے لوٹنے کے لئے
تو دوستی کا تقاضا ہے گھر کھلا رکھنا
وسیم ذہن کی خودداریاں بھی کیا شئے ہے
برا سا لگتا ہے جب کوئی رائے دیتا ہے
کچھ بڑی سوجوں میں یہ سوچیں بھی شامل ہیں وسیم
کس بہانے سے کوئی گھر جلایا جائے

الغرض ذہن کا کانٹا نکال دیں کیسے، ذہنوں میں وہ جنگ جاری ہے، ذہن بھی جل اُٹھے ہیں، لوگ میرا گھر جلانے والے تھے، دوستی کا تقاضا ہے گھر کھلا رکھنا ذہن کی خودداریاں بھی کیا شئے ہیں، کس بہانے سے کوئی گھر جلایا جائے، کے ذریعہ وسیم بریلوی نے واضح کیا

ہے کہ موجودہ دور میں مادیت، آرام پسندی اور تیز رفتاری کی دوڑ میں انسان کا دل تنگ اور ذہن مفلوج ہو چکا ہے جس کی وجہ سے انسان کے دل و ذہن نیم زندہ اور بے حس ہو چکے ہیں۔

وسیم رشک سے دیکھوں نہ کیوں پرندوں کو
یہ شام ہوتے گھروں کو تو لوٹ آتے ہیں
جو چھوڑ آئے اسی انجمن میں جاؤ وسیم
وہیں قرار ملے گا جہاں قرار گیا
نئے زمانے میں آنکھیں نہیں ملا پائے
تو لوگ گزرے ہوئے زمانے میں پیار کرنے لگے

شام کا بھولا صبح کو گھر آئے تو اُسے بھولا نہیں کہتے کے مصداق احساس واپسی بھی ایک نہایت اہم موضوع ہے جب ایک مسافر دران سفر اپنے راہ سے گھنے جنگل میں کچھ وقت کے لئے بھٹک جائے تو پھر واپس لوٹ آئے اس مسافر کی ہی طرح مذکورہ موضوع بھی ہے۔ الحاصل بہت گم تو ہو، آؤ گھر لوَٹ لیں، یہ شام ہوتے گھروں کو تو لوٹ آتے ہیں اور اُسی انجمن میں جاؤ کے ذریعہ وسیم بریلوی نے احساس واپسی کو موضوع سخن بنایا ہے۔

رات کے ہاتھ سے دن نکلنے لگے
جائیدادوں کے مالک بدلنے لگے
زمین تو جیسی ہے ویسی ہی رہتی ہے
زمین کو بانٹنے والے بدلتے رہتے ہیں

جائیدادیں کہاں ہیں ان میں
جائیدادوں میں بٹ گئے بھائی
تمام جھگڑے ، یہاں ملکیت کے ہوتے ہیں
کہیں بھی رہنا مگر گھر کرائے کا رکھنا
اُسی پہ ہوگیا قربان دو دلوں کا ملاپ
وہ جائداد کا جھگڑا جو خاندان میں تھا

الحاصل مندرجہ بالا اشعار میں وسیم بریلوی نے منقولہ اور غیر منقولہ جائداد کو موضوع سخن بنایا ہے کہ جائداد وزمین کسی کی بھی ہم سفر نہیں ہے زن، زر اور زمین نہ ہی مالک کی ہم سفر اور ہم قدم ہوتی ہے نیز نہ کسی کی ملکیت ہوتی ہے۔ نیز یہ جائداد ہی ہے جس کی وجہ سے دلوں کا ملاپ قربان ہوجاتا ہے۔ زمینی رشتوں کا خاتمہ بھی ہوتا ہے اور گھریلو جھگڑوں کا رشتۂ جان وحیات جنم لیتا ہے۔ الحاصل وسیم بریلوی نے جائداد وزمین کے عارضی قبضہ اور جائداد کے اُبال جو دودھ کے اُبال کی طرح ہوتا ہے کو واضح ہوتا ہے۔

نئے دور کے چراغوں! تمھیں کتنی مسرت سے
وہ مکان تک رہے ہیں جہاں روشنی نہ پہنچی
میں اس اُمید پہ ڈوبا کہ تو بچالے گا
اب اس کے بعد مرا امتحان کیالے گا
اس ایک آس پہ مڑ کر کبھی نہیں دیکھا

کہ جس نے چھوڑ دیا وہی پکارے گا
منحصر اب تو اس آس پر جینا ہے وسیم
رات کے بعد سنا ہے کہ سحر آئے ہے
ڈوبتی زندگی اندھیروں میں
پھر کہیں سے دیا اٹھا لائی
اندھیرا ذہن کا سمت سفر جب کھونے لگتا ہے
کسی کا دھیان آتا ہے اُجالا ہونے لگتا ہے
اسی سے جلتے ہیں صحرائے آرزوٗ میں چراغ
یہ تشنگی تو مجھے زندگی سے پیاری ہے

الحاصل وسیم بریلوی نے اُمنگ جوانی، غیر محدود تشنگی تباہی آرزو، راہ گزر، پر اشک مسرت وامید بے وفا ،اُمید فی نا اُمید ،شکوہ وشکایت، امید سحر، اندھیروں میں دیا، ذہن کا سمت سفر اور صحرائے آرزو جیسے امید کے ارفع واعلیٰ پہلوؤں کو اُجاگر کر کے سوتوں کو جگایا اور بےعملوں کو درس عمل دیا ہے۔

سفر مشکل سہی لیکن مری ہمت یہ کہتی ہے
اکیلا چل دیا ہوں میں اکیلا رہ نہیں سکتا
حد سے بڑھ کے تعلق نبھایا نہیں
میں نے اتنا بھی خود کو گنوایا نہیں

بہت دنوں میں زمانے کی ٹھوکروں میں رہا
کہو زمانے سے اب میرا انتظار کرے
ایک آتے ایک جاتے زمانے کے درمیان
ہم تھے جو اعتبار کا رستہ بنے رہے
ذرا سی خاک ہوں اس بات پر نہیں جانا
ہزار آندھیاں آئیں بکھر نہیں جانا

''یک در گیر و محکم گیر'' کے مصداق عاشق جدائی، بدگمانی، شکوہ وشکایت اور اقرار انکار کی دل دوز جگر سوز حسرت انگیز اور صبر آزما منازل کا سفر کرنے سے عاشق کو صبر آتا ہے جس سے وہ راہِ استقامت اختیار کرتا ہے نیز مشکل سے مشکل سفر طے کرنے کی ہمت نمو خیز ہو جاتی ہے، جس کی عکاسی وسیم بریلوی نے کی ہے۔

ان پہ جانباز پرندوں نے بسیرا چاہا
جن پہاڑوں سے برف کبھی پگھلتی بھی نہیں
روشنی سے ہیں دامن بچائے ہوئے
کتنے خوددار ہوتے ہیں سائے
جا دکھا دنیا کو، مجھ کو کیا دکھاتا ہے غرور
تو سمندر ہے ، تو ہو، میں تو مگر پیاسا نہیں
سفر پہ آج وہی کشتیاں نکلتی ہیں

جنھیں خبر ہے ہوائیں بھی تیز چلتی ہیں
خود کو پہچان کے دیکھے تو ذرا یہ دریا
بھول جائے گا سمندر کی طرف جانا
مجھے بھی چاہیے کچھ وقت خود سے ملنے کو
میں ہر کسی کو تو اپنا پتہ نہیں دیتا
یہ سرِعظیم ہے جھکنے کہیں نہ پائے وسیمؔ
ذراسی جیسے کی خواہش یہ مر نہیں جانا
وسیمؔ جینا وہیں تک بہت غنیمت ہے
کہ یہ حیات جہاں تک کسی پر بار نہ ہو

''من عرف نفس فقد عرف اللہ'' کے مصداق انسان علم اور خود شناسی کے ذریعہ ہی اپنی ٓذات اور ربِ کائنات کو پہچان سکتا ہے۔

گھر سجانے کا تصور تو بہت بعد کا ہے
پہلے یہ طے ہوکہ اس گھر کو بچائیں کیسے
تمہاری راہ میں مٹی کے گھر نہیں آئے
اسی لئے تو تمہیں ہم نظر نہیں آئے
حادثوں کی زد پہ ہیں تو مسکرانا چھوڑ دیں
زلزلوں کے خوف سے کیا گھر بنانا چھوڑ دیں

ہماری آنکھ کے آنسو کی اپنی دنیا ہے
کسی فقیر کو شاہوں کا ڈر نہیں ہوتا

الحاصل گھر کو بچائیں کیسے، ہم نظر نہیں آتے بھروسہ نہ کرلینا، زورِ بازو سے۔ کیا گھر بنانا چھوڑ دیں اور فقیر کو شاہوں کا ڈر نہیں ہوتا ، کے ذریعہ وسیم بریلوی نے عرفانِ ذات، استقامت، ثابت قدمی، عمل پیہم اور تحفظ گھر کی واضح الفاظ میں ترجمانی کی ہے۔

تمام عمر کی کوشش کا بس یہی حاصل
کسی کو اپنے مطابق کوئی بنا نہ سکے
میں لاکھ چاہوں ، مگر ہو تو یہ نہیں سکتا
کہ تیرا چہرہ میری ہی نظر کا ہوجائے
آرزوؤں کا رشتوں سے رشتہ ہی کیا
تم کسی کے ہوئے ، میں کسی کا ہوا
اپنی پہچان مٹا دینا ہو جیسے سب کچھ
جو ندی ہے وہ سمندر سے مل جاتی ہے

اپنے مطابق کوئی بنا نہ سکے، تیرا چہرہ میری ہی نظر کا نہیں ہوسکتا، تم کسی کے بعد میں کسی کا اور ندی کا سمندر سے مل جانا کے ذریعہ وسیم بریلوی نے واضح کیا ہے کہ بعض مقاصد کے حصول کی خاطر انسان بے ثمر کوششوں میں سرگرم عمل رہتا ہے، جن سے اپنی پہچان بھی کھودیتا ہے۔ نیز خود کو اجتماع میں گم کر دیتا ہے جس کی ترجمانی وسیم بریلوی نے کی ہے۔

خاکِ پا ہو کے ملو، جس سے ملو پھر دیکھو
اس بلندی سے تمہیں کون اترنے دے گا
میں سب سے جھک کر ملتا ہوں
میری کہیں بھی ہار نہیں ہے

''عاجزی خدا کو بھی پسند ہے'' یہ عاجزی ہی ہے جو انسان کو خالقِ انسان سے ممیّز کرتی ہے نیز انسان کو پیکرِ اخلاق بنا دیتی ہے۔علاوہ ازیں ایک صالح معاشرہ کو فروغ دیتی ہے۔الحاصل وسیم بریلوی نے خاک پا ہو کے ملو، سب سے جھک کر ملتا ہوں کے ذریعہ واضح کیا ہے کہ عاجزی ہی فلاح وفوز اور ادب وتہذیب کا معتبر ومفید ذریعہ ہے اور واضح کیا ہے کہ عاجزی ہی رازِ بلندی ہے۔

مجھ کو چلنے دو اکیلا ہے ابھی میرا سفر
راستہ روکا گیا تو قافلہ ہوجاؤں گا
دبائے جانے سے اک موج بے وقعت نہیں ہوتی
یہی خطرہ لگا رہتا ہے کب طوفان ہوجائے
کبھی لہو سے بھی تاریخ لکھنی پڑتی ہے
ہر اک معرکہ باتوں سے سر نہیں ہوتا
اپنے سائے کو اتنا سمجھانے دے
مجھ تک میرے حصے کی دھوپ آنے دو

ہمت مرداں مددِ خدا کے مصداق جذبہ سرفروشی ہی سرفرازی وکامیابی کا باعث بنتا ہے۔تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ جب بھی طالب نے مطلوب کی جستجو میں سر بکف قدم گاڑے ہیں تو کامیابی نے قدم پہ قدم چومے تھے۔یہی جذبۂ سرفروشی ہے جس نے بڑے بڑوں کے عزم واستقلال کو برقرار رکھا نیز جگر سوزی میں جگرافروز ہمت وحوصلہ عطا کرتا ہے۔ جس کی ترجمانی وسیم بریلوی نے کی ہے۔

سہارا لینا ہی پڑا ہے مجھ کو دریا کا
میں ایک قطرہ ہوں تنہا تو بہہ نہیں سکتا
ایک تہذیبی تسلسل ہے ساری زندگی
پیڑ سے پتہ الگ ہوگا تو کیا رہ جائے گا
دم دئیوں میں نہ دیکھا ، تو ایسے بھی تھے
آندھیوں سے تعلق بڑھانے لگے

وسیم بریلوی نے واضح کیا ہے کہ ''اتفاق میں طاقت ہے' کے مصداق ربط فرد، ربط قطرہ سہارا دریا، تہذیبی تسلسل ، جذبۂ سرفروشی اور رابطہ استوار سے ہی ملک وملت میں ایک تہذیبی اور صلاح معاشرہ نموپذیر ہوتا ہے۔جس کی ترجمانی وسیم بریلوی نے کی ہے۔ادیب سہیل رقمطراز ہیں کہ ''غزل واقعات کاورزنامچہ تو نہیں مگر ثقافتی قدرو کی تاریخ ضرور ہے۔''۲۸

ڈاکٹر محمد جمال شریف رقم طراز ہیں کہ ''بعض بڑے باکمال شاعر بھی گزرے ہیں

جنہوں نے ہندوستانی تہذیب کے عناصر مقامی ماحول اور معاشرت کو اپنی شاعری میں بہتر طریقہ پر پیش کیا ہے۔ان شعراء نے اپنے کلام مقامی جغرافیہ،قدرتی مناظر، رہن سہن کے طور پر طریقے، لباس وزیرات، عید وتہوار اور تہذیبی ومجلسی سرگرمیوں، معاشرتی ورزمیہ جیسے موضوعات پر طبع آزمائی کر کے اس بہتر انداز سے اس کی ترجمانی کی اور عکاسی کی ہے کہ اس کی نظیر مشکل سے مل سکتی ہے۔''۲۹

برصغیر مدت مدید سے ہی کئی تہذیبوں کا منبع ومصدر رہا ہے۔ اک طرف دراوڑی تہذیب ہے تو دوسری طرف مغربی تہذیب ہے نیز جنوبی وسطی ایشائی اور جنوبی مغربی ایشائی تہذیبیں، جن کے امتزاج سے ایک مشترکہ تہذیب نموخیز ہوتی ہے جو مشترکہ ''ہندوستانی تہذیب'' کہلائی ہے۔اس مشترکہ تہذیب کو دو تہذیبوں نے وجود بخشا ہے۔ایک ہندو تہذیب جس کو پروٹو نیگروائٹ، دراوڑ اور آریائی مشترکہ تہذیب کے امتزاج نے وجود بخشا تھا۔ اور دوسری مسلم تہذیب جس کو عرب تاجر، ترک اور مغل تہذیب کے امتزاج نے وجود بخشا تھا۔الحاصل ان دونوں کے باہمی امتزاج سے ہی ہندوستانی تہذیب نموخیز ہوتی ہے۔جس کے خمیر تیار ہونے میں صدیوں پر مبنی وہ تعلقات کارفرما تھے جو مختلف قوموں کے تہذیبی، معاشرتی، مذہبی اور سیاسی اختلاط کا ثمرہ ہیں اشفاق احمد عمر رقم طراز ہیں کہ۔

''پوری دُنیا میں ایک سرزمین ہے جہاں ایک ساتھ ہزاروں تہذیب کا پریم بلند ہوتا ہے اور ہندوستان کی مٹی بہت زرخیز اور نرم ونازک ہے جس کے بطن سے میرؔ، داغؔ، غالبؔ، مومنؔ، آتشؔ، ناسخؔ، اقبالؔ، مصحفیؔ، جگرؔ، فراقؔ، ،فیضؔ، مجازؔ، جیسی شخصیتوں نے جنم لیا

اور یہی وہ پاک سرزمین ہے جہاں وسیم نے بھی آنکھیں کھولی۔“ ۲۹

وسیم بریلوی نے ”شہر میرا“ اور ”ادنی ساباسی“ میں ہندوستانی تہذیب معاشرت کی عکاسی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے کی ہے ملاحظہ کریں۔

شہر میرا اداس گنگا سا
کوئی بھی آئے اور اپنے پاپ
کھوکے جاتا ہے دھوکے جاتا ہے
آگ کا کھیل کھیلنے والے
یہ نہیں جانتے کہ پانی کا
آگ سے بیر ہے ہمیشہ کا
آگ کتنی ہی خوفناک سہی
اس کی لپٹوں کی عمر تھوڑی ہے
اور گنگا کے صاف پانی کو
آج بہنا ہے کل بھی بہنا ہے
جانے کس کس کا درد سہنا ہے
شہر میرا اداس گنگا سا

الحاصل وسیم بریلوی نے جہاں گنگا جمنی تہذیب کی عکاسی کی ہے وہاں کاغذی تہذیب کے کاغذی پن کو بھی پیش کیا ہے۔

لاکھوں سال پرانا پیپل
جس کی لمبی لمبی شاخیں
صدیوں کی بانہوں میں اپنی
باہیں ڈالے جھوم رہی ہیں
اور یہ عمر رسیدہ پیپل
جس کے نیچے آگ لگی ہے
گردن ڈالے سوچ رہا ہے
کیا یہ جلنا ہی جینا ہے
وہ ایک پھول کی پتی کی خوشبو
بکھر کے رہ گئی اس اعتبار کے ہاتھوں
جسے بنانے میں صدیوں کا حوصلہ درکار
جسے گنوانے میں لمحوں کی گمراہی کافی
وہ اک پھول کی پتی گلاب کی خوشبو
کچھ ایسی بکھری کی آنسو پر اختیار نہیں
کچھ ایسی بکھری کی ماحول سوگوار لگے
یہ سارا باغ جیسے گناہ کار لگے

(''۳۱، اکتوبر ۱۹۸۴ء کی غمگین شام کے نام'')

الحاصل وسیم بریلوی نے مندرجہ بالا اشعار میں تہذیبی ومعاشی شرتی بھونچال اور انتشار کو واضح کیا ہے دراصل جو تہذیب ومعاشرت کی بازیافت کا ہی پہلو ہے۔

یہ اپنا شہر یہ باتوں یہ بول چال کا شہر
خاموشیوں کے سمندر سے جا ملا کیسے
نہ قہقہے نہ وہ بے باک دوستی کے نشان
یہ دلوں کے درمیاں یہ فاصلہ ہوا کیسے
نہ جانے کس کی نظر لگ گئی کہ ہر رونق
کھڑی ہے سڑکوں پہ اوڑھے ہوئے وہ سناٹے
جو راہ گیروں سے وشواس چھین لیتے ہیں
حسین پھولوں سے بوباس چھین لیتے ہیں
تیاگ والوں سے سنیاس چھین لیتے ہیں
عجب ہوا ہے کہ چوراہے چھوڑ چھوڑ کے لوگ
مڑے ہیں تنگ اندھیری گلی کی طرف
جو راہ دیتی نہیں راہ روک لیتی ہے

الحاصل وسیم بریلوی نے ''یہ اپنا شہر'' نظم میں استفہامیہ اسلوب اپنا کر حقیقی تہذیب ومعاشرت اور کاغذی عوام الناس کی کاغذی تہذیب ومعاشرت سے آنکھ لڑ جانے اور حقیقی تہذیب ومعاشرت سے دست برداری پر دست تاسف ملا ہے۔

عجب ہوا ہے کہ چوراہے چھوڑ چھوڑ کے
مڑے ہیں لوگ اندھیری سی گلی کی طرف
جو راہ دیتی نہیں راہ روک لیتی ہے

وسیم بریلوی نے کاغذی تہذیب ومعاشرت کی اطاعت وفخر پر دست تاسف ملا اور حقیقی تہذیب ومعاشرت اور کاغذی تہذیب ومعاشرت کی حقانیت کو بھی واضح کیا ہے۔

جو میرے احساس سے کھیلیں
مجھ کو وہ دن رات نہ دو
میری راہیں بہت الگ ہیں
جاؤ میرا ساتھ نہ دو
تم چڑھتے سورج کے پجاری
میں راتوں کا ہم راہی
تم پکی بالوں سے جھولو
میں پگ ڈنڈی دھول بھری
مجھ کو مجھ سے جو چھڑا دیں
ایسے احساسات نہ دو
میری راہیں بہت الگ ہیں
جاؤ میرا ساتھ نہ دو

تم سونے چاندی کی چھن چھن
میں مٹی کیا سوندھا پن
تم اک شہر کا ٹیڑھا راستہ
میں گاؤں کا پھیلا پن

وسیمؔ بریلوی نے ہندوستانی تہذیب و معاشرت کے بعض پہلوؤں کی عکاسی کی ہے۔

تمہارے پاس شرافت کی پاسداری تھی
جسے زمانہ کوئی اہمیت نہیں دیتا
تمہارے پاس حیا کا زیور تھا
جسے یہاں پہ کوئی مفت بھی نہیں لیتا
میرے خدا نے دیا آدمی نے چھین لیا
تمہیں روا جوں کی شوخی نے مجھ سے چھین لیا
تمہارے گھر میں امارت کا اہتمام نہ تھا
کہ جس سے جسم کی بولی لگائی جاتی ہے
پھر ان ضمیر فروشوں کا تجربہ بھی نہ تھا
جو سود لیتے ہیں اولاد کی جوانی سے
رواج و رسم و مقدر کی پاسبانی میں
قریب آکے بہت دور ہوگیا تم سے

روایتوں کا گرایا ہوا سنبھل نہ سکا
قدم اٹھائے مگر اپنی راہ چل نہ سکا
زمانہ اپنے کئے پر بہت پشیماں تھا
مگر اداس بغاوت کے آگے اک نہ چلی
اب اہتمام چراغاں سے بزم کیا سجتی
چتا میں آگ لگاتے رہے چتا نہ جلی
ہر اہتمام کے باوصف زخم بھر نہ سکا
مری اداس نگاہی کو ختم نہ کرسکا

'میری تصویر'

وسیم بریلوی نے ''بنجارن'' کو بطور علامت برت کر معاشرتی حقائق کی ترجمانی کی ہے۔ بقول وسیم بریلوی ''تہذیبی دائروں میں رہ کر جب سے بے تکلف ہونے کو جی کیا ہے تو غزل کے بجائے نظم کا دامن پکڑا ہے۔''[۱۳۱]

چند خیمے نصب ہیں اک سردیوں کی رات ہے
شہر سے کچھ دور ہے خانہ بدوشوں کا پڑاؤ
ٹمٹماتے ہیں دیئے خیموں کے اندر شام سے
مفلسی کے تنگ حلقے میں سسکتے ہیں الاؤ
اس قبیلے کی کوئی نو عمر لڑکی صبح سے

قینچیاں لیکر گئی تھی بیچنے کے واسطے
شہر کی ان کوٹھیوں اونچے مکانوں کی طرف
سنتری روکے کھڑے رہتے جن کے راستے
لیکن اتنی رات ہونے آئی اور لوٹی نہیں
جانے بیچاری یہ کیا گزری ، یہ سب کو فکر ہے
ایک بنجارن ،قبیلہ بھر کی عزت کا سوال
وہ بڑی خود داری تھی، یہ ہر زماں پر ذکر ہے
ایک کہتا ہے چلو تھانے میں چل کر بولو دیں
دوسرا کہتا ہے ''پہلے بھی گئے تھے کیا ہوا''
سیٹھ بھی شہروں کے ہیں شہروں کے تھانیدار بھی
سب کو آیا ہے ہماری آبرو سے کھیلنا
شہر کے تہذیب داروں کی نظر میں بھائیو!
ایک غریب انسان کی عزت کوئی عزت نہیں
قمقموں کی دسترس میں جگمگاتی کوٹھیاں
چھن رہی ہے جن کے پردوں سے اندھیری روشنی
''ہم غریب انساں گھبراتے ہیں اس احساس سے
بڑھ کے خیموں تک نہ آ جائے یہ ان کی روشنی

صبح کو اخبار کی سُرخی پہ نظریں جم گئیں
''سیٹھ دامودر کے کوٹھی پر بھیانک مشغلے''
'' ایک بنجارن تحفظ کرتے جسم کا
اوپری منزل سے گرکرمرگئی کل چھ بجے''

(بنجارن)

رام کے دیس پہ اُٹھی تو ہے چشم راوَن
روح رانا کی عقابوں کی طرح جھپٹے گئی
ویر ٹیپو کی غضب ناک نگاہیں اُٹھیں
موت اسی دہرمیں پانی کی طرح برسے گئی
لکشمی بائی ، بھگت سنگھ ، وشواجی کا لہو
اسی دھرتی کی حفاظت کے لئے جیتا تھا
رانا پرتاب سنگھ کا دیرؤ کوئی افسانہ نہیں
یہ شرارہ بھی وطن کے لئے جاگا تھا

(آندھی کا بہاؤ)

میں اس دھرتی کا ادنیٰ ساباسی ہوں
سچ پوچھوں تو مجھ سا پریشاں کوئی نہیں

کل میرا نیلام کیا تھا غیروں نے
آج تو میرے اپنے بیچے دیتے ہیں

(ادنیٰ ساباسی)

اے زمیں اے ہماری دھرتی ماں
ہم تیرا احترام کرتے ہیں
ہم خطاوار چاہے جتنے ہوں
ایک ماں سے تو یہ امید نہ تھی

(یہ امید نہ تھی)

آج اک سال ہوگیا خالد
جب اسی گومتی کے پانی کو
تم نے پھولوں کی سیج سمجھا تھا
اور ٹھکرا دیا جوانی کو

(خودکشی)

دیوالی کی رات آئی ہے تم دیپ جلائے بیٹھی ہو
معصوم امنگوں کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی ہو
میں دور کہیں تم سے بیٹھا اک دیپ کی جانب تکتا ہوں
اک بزم سجائے رکھی ہے ایک درد جگائے رکھتا ہوں

(ایک نظم)

دہکتی آگ میں لپٹا ہوا تمام وجود
برہنہ جسم کھڑی ہے گناہ کی دیوی

(بے نام کسک)

نئی تہذیب کے آباد بیانوں سے
دست مزدور پہ ہنستے ہوئے ایوانوں میں
خونِ انسان پہ پلتے ہوئے انسانوں میں
جانے پہچانے ہوئے لوگوں میں انجانو میں

(تیری یاد)

الحاصل مندرجہ بالا معروضات جو''ادنیٰ سا باسی''، ''یہ امید نہ تھی''، ''خودکشی''، ''ایک نظم''، ''بے نام کسک'' اور ''تیری یاد'' نظموں سے پیش کیے ہیں بالتحقیق واضح ہوجاتا ہے کہ وسیم بریلوی نے ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی کی ہے۔ اور یہ ذہن نشین رہے کہ اردو شاعری کے تصور عشق اور تصور حسن و جمال کا تعلق کسی نہ کسی ذریعہ سے ہندوستانی تہذیب ومعاشرت سے متصل ہے کیوں اسی ہندوستانی فضا میں شاعری کی ولادت و پرورش ہوئی ہے۔ وسیم بریلوی کے قطعات ملاحظہ کریں جو ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کے عکاس ہیں۔

شمع کی طرح آج محفل میں
جل رہا ہوں میں روشنی کے لئے
کوئی دیکھے تو میری مجبوری

شعر کہتا ہوں زندگی کے لئے

رندگی زندگی کا غم ہوجائے
عشق کا حوصلہ نہ کم ہوجائے
اے میرے اشک پوچھنے والے
تیرا دامن کہیں نہ نم ہوجائے

آنسوؤں کے لئے ترستا ہوں
داغ دھونا بھی میرے بس میں نہیں
مسکرانے کی بات کرتے ہو
اب تو رونا بھی میرے بس میں نہی

ہر ایک پھُول کے دل میں گھُٹا گھُٹا سا دھواں
بہار ایسی کسی کی نظر سے گذری ہے
یہ سوگوارئ گلشن بتا رہی ہے وسیم
کوئی اداس حسینہ ادھر سے گذری ہے

ختم کب ہو یہ کچھ نہیں معلوم
ہر نفس پر ہے موت کا خطرہ

زندگی اس طرح ہے دنیا میں
جیسے کانٹے پہ اوس کا قطرہ

جانے کیسے وسیم کے دل نے
اک ذرا سا سکون پایا تھا
یاد ماضی نے بڑھ کے ٹوک دیا
کتنی مشکل سے مسکرایا تھا

چھوٹی چھوٹی خوشیاں اپنی چھوٹے چھوٹے غم
ہم کیا جانیں سنا دھری تیرے دین دھرم

کھیت پڑا ہے گروی جیسے غیر کے گھر گھر والی
اپنے باغ کی سیوا سے ونچت ہے باغ کا مالی
قرضہ کیسے اترے بانٹے کون کسی کا غم

مندر چپ ہے مسجد چپ ہے، نفرت بول رہی ہے
اور سیاست زہر کا کہاں تک پہنچا تول رہی ہے

چہروں کے اس شہر میں جیسے سب جانے انجانے
نفرت کی دھول اٹی ہے کون کسے پہچانے

من میں چھڑیں ایسی بے نام جنگیں
انگڑائی بھی لے نہ پائیں امنگیں
ہونٹوں کو پیاسوں سے جوڑ گیا ساون
جوڑا کچھ ایسا کہ توڑ گیا ساون
عورت کے سمّان سے بڑھ کر عورت کی مجبوری
مرد کو پورا کرنے میں ہی عورت ہوئی ادھوری
جسم کو آگ لگانے پر مجبور ہے پیٹ کی آگ
پھولوں نے انگارے پہنے گھر گھر پہونچی آگ
کوئی اسے کہتا پریورتن کوئی سیاسی گھات

الحاصل مندرجہ بالا معروضات میں وسیم بریلوی نے متلاشی کرسی، مفلسی، آگِ نفرت، زہرنفرتِ حق تلفی عورت اور پیٹ کی آگ کو واضح کیا ہے جو ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کے اہم پہلو ہیں۔

ڈاکٹر کنور بے چین راقم طراز ہیں کہ

''جہاں تک زبانی تہذیب کا تعلق ہے تو وہ ہندوستان کی عوامی زندگی میں رچے بسے لوگ گیتوں میں ہی سب سے زیادہ شامل اور محفوظ رہی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ لوگ گیتوں میں عوامی زندگی، عوامی تہذیب، عوامی زبان اور عوامی سُروں کا ایسا روحانی سنگم ہے

کہ وہ سامعین کو بے ساختہ عالم جذبات میں لے آتا ہے............
ہم اپنی زندگی کو تین سطحوں پر گزارتے ہیں جسمانی سطح، دلی سطح اور
روحانی سطح، شاعری ان تینوں میں دلی سطح کے تلاطم کا جشن ہے اور
لوک گیت تو محض جشن ہی نہیں، جشنِ عظیم ہے............ اس وقت
میں اردو میں اپنا امتیازی مقام ومرتبہ رکھنے والے عالمی شہرت یافتہ
شاعر جناب وسیمؔ بریلوی کے گیتوں کو پڑھ رہا ہوں۔ ان کے گیتوں
میں مجھے ہندوستانی سماج میں پھیلے ہوئے انہی عناصر کی بہتات ملتی
ہے"[۳۲]

وسیمؔ بریلوی نے غزلوں اورنظموں کے علاوہ گیتوں میں ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی کی ہے بعض امثلہ ملاحظہ کریں۔

میرے گاؤں کی مٹی تیری مہک بڑی البیلی
تیرا بھولاپن دنیا کی سب بڑی پہیلی
تیرے آنگن میں اترے ہیں سچے سچے موسم
تو اپنے سیدھے سادھے رنگوں سے بھاری بھرکم
تیرے سامنے کیا لگتے بیلا جو ہی چمیلی

(مرے گاؤں کی مٹی)

تیری اور ہی دیکھا میں اپنی اور نہ دیکھا
جب جب بڑھنا چاہا پاؤں سے لپٹی پچھمن ریکھا

(سجن میں بھول گیا یہ بات)

تن کے سارے رنگ بھکاری من کا رنگ سہاگ
باہر باہر پورن ماشی اندر اندر آگ
رنگوں کا اتہاس سجائے رنگوں رنگوں بولی
مگر اب ساجن کیسی ہولی

(پیاسی ہولی)

برہا کی اگنی میں چل گئی آشاؤں کی ہولی
آج مرا سناٹا مجھ سے کھیلے آنکھ مچولی
عشق ہے آگ لگانے والا جیون ایک الاؤ
کب تک کھلنے دوں سانسوں میں تنہائی کے گھاؤ
ایسے دیس بسا ہوں جس میں کوئی نہ سمجھے بولی
آج مرا سناٹا مجھ سے کھیلے آنکھ مچولی

(آشاؤں کی ہولی)

پوجا کے پھولوں پر بھی لالچ کی اوس پڑی ہے
لجّت لجّت پریم دیوی آس کی دوار کھڑی ہے

(خوشبو آنگن آنگن جائے)

الحاصل تیری مہک بڑی البیلی، پچھمن ریکھا، دین دھرم، قرضہ کیسے اُترے چہروں کے شہر، مندر چپ مسجد چپ، جنم جنم اسی کی ہو جائے، بے نام جنگیں، گھر گھر پہنچی آگ، ساجن کیسی ہوئی، آشاؤں کی ہولی اور پریم دیوی کے ذریعہ وسیّم بریلوی نے ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی کی ہے نیز تنہائیوں کے ذریعہ بھی ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی کی ہے۔بعض تنہا ییے ملاحظہ کریں۔

اپنا دل بھی ٹٹول کر دیکھو
فاصلہ بے وجہ نہیں ہوتا
ہمیں بھی خوابوں کی دنیا عزیز ہے لیکن
زمین پر رہنے کا احساس مارے دیتا ہے
کتنی گناہ گار ہے راتوں کی زندگی
دیکھو کسی چراغ کی آنکھوں میں جھانک کر
غریب لہروں پہ پہرے بٹھائے جاتے ہیں
سمندروں کی تلاش کوئی نہیں لیتا
تمام کھڑکیاں دروازے کھول ڈالے مگر
گھٹا ہوا تھا جو گھر میں دھواں وہ کم نہ ہو
جہاں گلاب سا کھلتا کوئی نظر آئے
میں شاخ کی مانند کانپ جاتا ہوں

پانی پہ تیرتی ہوئی یہ لاش دیکھئے
اور سوچئے کہ ڈوبنا کتنا محال ہے
جہاں رشتے ہواؤں کی طرح بہنے کے عادی ہوں
وہاں اپنے تو ہوتے ہیں پر اپنا پن نہیں ہوتا
کوئی بھی سیدھے منہ بات نہیں کرتا
ہم ایسا بستی میں کیا کر بیٹھے ہیں
ہوس کے بس میں رہنے سے بڑی کیا مفلسی ہوگی
فقیر اُس کو نہیں کہتے جو در در مانگ لیا ہے
ہر ایک دریا کو خود میں سمیٹ لیتا ہے
کوئی بتائے سمندر سے پیار کیسے ہو
جو دل میں ہے زباں پر بھی کسی دن آ ہی جائے گا
بہت دن دولتیں رکھی نہیں جاتیں خزانوں میں
ہماری آنکھ میں آنسو نظر آئیں تو یہ سمجھو
تمہارے ہونٹوں کی جھوٹی ہنسی اب جانے والی ہے
لحاظ آنکھ کا، رشتوں کا ڈر نہیں رہتا
جب ایک شخص کے ہاتھوں میں گھر نہیں رہتا
میری سانسوں مجھے دھوکا نہ دینا

میں کچھ دن اور جینا چاہتا ہوں
ہمیں طوفان سے لڑنے کی ہمت بھی ہے عادت بھی
کسی ملاح پہ ، کشتی پہ ، ہم تکیہ نہیں کرتے
گلی محلوں میں دکھ درد کے رشتے رہتے ہیں
کالونی میں تنہائی کے مارے رہتے ہیں
جیون کو اک جنگ سمجھ کر لڑنے والی ہی
دشمن سے چوکنے دوست بچ کے رہتے ہیں
دھوپ کو سایۂ دیوار کہاں ملتا ہے
خانہ برباد کو گھر کہاں ملتا ہے
ابھی بھی وقت ہے مل جل کے کوئی حل ڈھونڈو
نہیں تو پھر کوئی رستہ نکل نہ پائے گا
اب کسی کے مٹائے سے مٹتی نہیں
میری دنیا ہے اور یہ ذرا سی نہیں
پرائے پیروں سے چلتے تو ساتھ اک ڈر بھی چلتا ہے
کہیں خیرات کے ٹکڑوں پہ کوئی گھر بھی چلتا ہے
پتنگ جیسا یہ اُڑنا بھی کوئی اُڑنا ہے
کہ اُڑ رہے ہیں، مگر دوسروں کے ہاتھ میں ہیں

کسی کا راز کسی سے نہیں کہتے

یہ احتیاط اندھیروں میں پائی جاتی ہے

الحاصل وسیم بریلوی نے تنہائیوں کے ذریعہ ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کے نشیب وفراز اورحسن وقبیح پہلوؤں کی عکاسی کی ہے نیز کاغذی تہذیب کے کھوکھلے پن کوبھی واضح کیاہے۔

نئے اسلوب میں جدیدموضوعات (تاریخی، مذہبی،قومی،ملی معاشرتی وغیرہ) کوپیش کرنے کا آغاز سرسیدتحریک کے زیراثر ہواتھا۔جس نے جدید شاعری کوجنم دیاتھا۔اس سلسلے میں حالی کا نام سرفہرست ہے۔ان کی نظمیں جدید شاعری کا اولین نمونہ ہیں۔جن کے ذریعہ اُنھوں نے اپنے عہد کی عکاسی کی ہے۔جدیدشاعری کاصحیح ماحول اقبال،چکبست اور جوش کی خدمات کااحسان مند ہے نیز ان کے کئی ہم عصر شعرانے اپنی تخلیقات کے ذرایع جدیدشاعری کی بنیادوں کو پختہ کیاہے۔جن میں عظمت اللہ خاں،اختر شیرانی ، حفیظ جالندھری، حامداللہ افسر، احسان دانش روش صدیقی، ساغرنظامی منظورحسن شور، الطاف شہید کی خدمات انفرادیت کی حامل ہیں۔عبادت بریلوی رقمطراز ہیں

''جدید اردوشاعری کا آغاز سماجی اورعمرانی رجحان سے ہوا تھا حالی نے پہلےنظموں میں قومی مسائل کی ترجمانی کی تھی۔پھراقبال اورچکبست نے اس رجحان کو آگے بڑھایا اورمختلف سماجی اورسیاسی مسائل پرنظمیں لکھیں۔''۳۳؎

جدید اُردو غزل نے جہاں سیاسی وفلسفیانہ مسائل کو موضوع سخن بنایا وہاں تہذیبی اورمعاشرتی مسائل کی بھی عکاسی کی ہے۔جس طرح غزل تمام اصناف سخن میں سے نمایاں ومنفرد حیثیت کی حامل ہے اس طرح اس کا ایک مخصوص مزاج بھی ہے جوغزل گو کی متعلقہ تہذیب ومعاشرت کے باہمی تعلق سے پیدا ہوتاہے جس نے غزل کو وجود بخشا تھا، اور جذبے کوتہذیب سے آنکھ لڑانے میں اپنی مثال آپ ہی ہے الحاصل اس میں باہمی میل جول کا سدا بہار عمل ،عمل پیرا ہوتا ہے۔ جوفرداورسماج اور جزواورکل کوایک ہی لڑھی میں پروتا ہے۔ نیز تہذیب ومعاشرت کے آداب واطوار کو برتنے کا بھی تقاضہ کرتی ہے اورفرد کے ذاتی تجربات کو عالمی رنگ عطا کرت یہے۔جس کی ترجمانی اقبالؔ نے اس طرح کی ہے۔

فرد را ربط جماعت رحمت است
جوہر اور اکمال از ملت است
ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ
پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

ڈاکٹرممتاز الحق رقمطراز ہیں کہ

''غزل فرد کی کسک اورفریاد کو سائٹی کی کسک اورفریاد کے لئے ایک علامت کے طور پراستعمال کرنے کی طرف سدامائل رہتی ہے۔'' ۳۴؎

پروفیسر سید محمد عقیل رقمطراز ہیں کہ''غزل مخصوص نظام زندگی، معاشرت اورتہذیب کے بھی دھارے بہتے رہتے ہیں۔۳۵؎

رگوں میں دوڑنے پھرنے کے ہم نہیں قائل

جو آنکھ ہی سے نہ ٹپکا وہ لہو کیا ہے[۳۵]

غزل تہذیب ومعاشرت کی عکاس ہے جوفرد، معاشرہ، معاشرت، تہذیب، فن کار، فن پارہ اور ادب کو ایک لڑی میں پروتی ہے جس سے ایک دائمی عمل عمل پیرا ہوتا ہے جو تہذیب ومعاشرت کے تمام پہلوؤں کو واضح کرتا ہے۔اور غزل کے باقاعدہ آغاز سے ہی تہذیب ومعاشرت کا رنگ پکڑتا ہے جس کا واضح اثر ولی کی غزلوں میں موجود ہے۔ جو ہندوستانی معاشرے کی شاہد ہیں علاوہ ازیں انگریزی عہد کی ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کا نشیب وفراز بھی واضح ہوتا ہے۔ وسیم بریلوی نے تہذیبی اور معاشرتی ٹوٹ پھوٹ کی عکاسی مندرجہ ذیل الفاظ میں کی ہے اور الفاظ کے پس منظر کے متعلق سید محمد عقیل رقمطراز ہیں کہ

> ''الفاظ بھی اپنے پیچھے ایک تاریخ ایک سماجی پس منظر ایک تہذیب کی پرورش رکھتے ہیں۔ اچھا شاعر چاہئے نظم کا ہو یا غزل کا، قدیم ہو یا جدید، ان کی قدر و قیمت کو سمجھتا ہے کیوں کہ یہ الفاظ اس کے لئے ایک ایسا آلہ کار بنتے ہیں جن سے وہ انسانی سماجی زندگی سے تعلق اور ان تجربوں کو واضح کرتا ہے۔ جن سے دنیا گذرتی ہے سماجی زندگی کے نشیب وفراز کا جوہر پوشیدہ ہے...... انسانی زندگی سے اپنے اس سماجی اور تہذیبی رشتے کو واضح کرتا ہے۔ جس کے درمیان وہ سانس لے رہا ہے۔''[۳۶]

زندگی ہے اور دل نادان ہے
کیا سفر ہے اور کیا سامان ہے
ننھے بچوں نے چھو بھی لیا چاند کو
بوڑھے بابا کہانی سناتے رہے
کیا عجیب آرزو گھر کے بوڑھوں کی ہے
شام ہو تو کوئی گھر سے باہر نہ ہو
پھل تو خیر کہاں اس کے کھا پاؤں گا
پھر بھی پورے شوق سے پیڑ لگانا ہے
آج کے بکھرے ہوئے بچوں کی قسمت میں کہاں
وہ کہانی جو بزرگوں سے سنی جاتی ہے
تیز رفتاری سے لڑنے کی عجیب دوڑ میں ہے
سانس لینے کے لئے تو ذرا انسان ٹھہرے
نئے زمانے سے آنکھیں نہیں ملا پائے
تو لوگ گزرے زمانے سے پیار کرنے لگے
بری چلی ہے ہوا ہم سفر بدلنے کی
نہ جانے کون کہاں کس کے ساتھ ہو جائے
چاہئے جتنا بھی بگڑ جائے زمانے کا چلن

جھوٹ سے ہارتے دیکھا نہیں سچائی کو

ہوا میں اڑنے کی دھن یہ دن دکھایا تھا
اُڑان میری تھی لیکن سفر پرایا تھا

وسیمؔ ذہن کی خودداریاں بھی کیا شے ہیں
برا سا لگتا ہے جب کوئی رائے دیتا ہے

ملی ہواؤں میں اڑنے کی وہ سزا یارو
کہ میں زمین کے رشتوں سے کٹ گیا یارو

اس چھوٹے زمانے کے بڑے کیسے بنو گے
لوگوں کو جب آپس میں لڑانا نہیں آتا

شاخ سے ٹوٹ کر جو ہواؤں میں تھے
ایسے پتے مرے خیر خواہوں میں تھے

غزل کا مزاج ہی یہ ہے کہ وہ ''الف'' یا ''ب کا ذکر نہ کرے بلکہ الف یا ب کے ان اوصاف کا ذکر جو آفاقی، مثالی اور عالم گیر مقدور کے حامل ہوں۔ بیسویں صدی میں حیرت انگیز سیاسی اور تہذیبی آ گاہی سے پیش نظر اگر چہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ غزل کا مزاج دامن بدنداں ہو جائے گا مگر وہاں بھی غزل نے فراخ دلی کا مظاہرہ کیا بقول فیضؔ

غم جہاں ہو، غم یار ہوکہ تیر ستم
جو آئے آئے کہ ہم دل کشادہ رکھتے ہیں

وسیمؔ بریلوی نے شعری روایت کو برقرار رکھتے ہوئے ہندوستانی تہذیب اور تہذیب کے قبیح پہلوؤں کی عکاسی کی ہے۔

جو میری زندگی کے ساتھ کی ہے
وہی مرنے پہ فنکاری نہ کرنا
مرے بچوں کے آنسو پونچھ دینا
لفافے کا ٹکٹ جاری نہ کرنا

(وسیمؔ بریلوی)

مسافروں سے کہو، رات سے شکست نہ کھائیں
میں لا رہا ہوں خود اپنے لہو سے بھر کے چراغ

(احمد ندیم قاسمی)

اے سحر آج ہمیں راکھ سمجھ کر نہ اُڑا
ہم نے جل جل کر تیرے راستے چمکائے ہیں

(اسرارالحق مجازؔ)

یہ اپنی وفا کا عالم ہے ان کی جفا کو کیا کہئے
اس نشتر زہرآگیں رکھ کر نزدیک رگ جاں بھول گئے

(احسان دانشؔ)

کہیں ہیں چیخیں کہیں کراہیں، کہیں لاشیں لہو میں لتھڑی
عجب پرُ ہول ہیں وہ راہیں کہ جن سے انسان گزر رہا ہے

(مرزا جعفر علی خاں آثر)

کچھ اس طرح سے بہار آئی ہے کہ بجھنے لگے
ہوائے لالہ و گل سے چراغ دیدہ و دل

(حفیظ ہوشیار پوری)

زمانے مدفن ایام ہے خموش رہو!
نہ جانے کون ہماری صدا کو سنتا ہے

(یوسف ظفر)

آشیانوں میں سمٹنے سے تھمے گا طوفان
ابر چھایا ہے تو پھر برق بھی لہرائے گا

جمیل ملک

اہل چمن کو جرات پرواز بھی نہ تھی
پتا کہیں جو کھڑکا تو دل ڈوبنے لگا

(حافظ لدھیانوی)

غم جاں ہو کہ غم دوراں ہو
کچھ بھی اب تیرے سوا یاد نہیں

(باقی صدیقی)

کہاں ہے گردش دوراں کدھر ہے سیل حوادث
سکوتِ مرگ مسلسل میں ڈوبنے لگی ناؤ

فارغ بخاری

غم دوراں غم جاناں ، غم دل
چراغ یاس ہے روشن ہمارا

(شہرتؔ بخاری)

کاغذ کے پھول سر پہ سجاکر چلی حیات
نکلی برون شہر تو بارش نے آ لیا
ایک جھونکے سے لرز جاتی ہے بنیاد میری
کون سی شاخ پہ تونے کیا تعمیر مجھے
شہر در شہر گھرجلائے گئے
یوں بھی جشن طرب منائے گئے
وقت کے ساتھ ہم بھی ناصرؔ
خار و خش کی طرح بہائے گئے

ناصرؔ

ابرار کاشف کے مندرجہ ذیل اعتراف پر میں اپنے اس باب کی تکمیل کرتا ہوں۔
''ہم سب اس بات کا اعتراف کرتے ہیں بلکہ فخر کے ساتھ اعلان کرتے یں کہ اگر

ہندوستان میں پروفیسر وسیم بریلوی جیسے قلم کار پیدا نہ ہوتے تو یہ ملک نابینا ہوکر رہ جاتا اس ملک کی تہذیبی آنکھوں کو بصارت وبصیرت عطا کرنے والوں کی فہرست، پروفیسر وسیم بریلوی کے نام کے بغیر ایسی ہی ہے جیسے شرم وحیا کے بغیر آنکھیں جیسے مہندی کے بغیر خوبصورت ہاتھ، جیسے چوڑیوں کے بغیر گوری کلائیاں‘‘ ۳۷؎

حوالہ جات

۱۔ کلیاتِ اقبال۔۸۳

۲۔ کلام،ص۵۷

۳۔ اُردو شاعری کا مزاج،ص۳۷

۴۔ شاعر ستمبر ۲۰۱۰ء ص۳۴

۵۔ موسم اندر باہر کے،ص۴۳

۶۔ آنکھوں آنکھوں رہے،ص۴۵

۷۔ اذان ۱۰ر فروری ۲۰۱۲ء،ص۸

۸۔ تزئین ادب (سہ ماہی) اپریل تا جون ۲۰۱۷ء،ص۳۳

۹۔ تحریک ادب (خصوصی شمارہ) اکتوبر ۲۰۱۷ء میں ۳۶۶،۳۶۲

۱۰۔ اردو شاعری کا مزاج،ص۱۴

۱۱۔ گولڈن ''تاریخ ہندوستان'' ۱۹۸۰ء میں ۳۰۷

۱۲۔ ''تاریخ ہند'' ماضی اور حال ۲۰۱۵ء،ص۳۱

۱۳۔ مخزن معلومات ۲۰۰۱ء،ص۸۷

۱۴۔ ''مخزن معلومات''ص۱۱۳،بحوالہ مواہب لدینہ جلد دوم،ص۷۴،تفسیر عزیزی،ص۱۷۰

۱۵۔ ''تعمیر ادب'' حصہ چہارم،ص۱۴

۱۶۔ تسلسل جولائی، دسمبر ۲۰۰۵ء،ص۲۹

۱۷۔ ''جدید شاعری'' عبادت بریلوی،ص۳۶۶

۱۸۔ اردو شاعری کا مزاج، وزیر آغا (ص۲۷،۳۴،۶۱)

۱۹۔ نعت رسول اور شعرائے حیدر آباد،ص۱۶

۲۰۔ نوائے ادب،ص۵

۲۱۔ اردوشاعری کا مزاج، وزیرآغا،ص۳۱

۲۲۔اردوشاعری کا مزاج وزیرآغا،ص۲۷

۲۳۔جامعہ،جنوری، مارچ۲۰۰۶ء،ص

۲۴۔ اُردوشاعری کا مزاج، وزیرآغا،ص۳۲،۳۳

۲۵۔ اردوشاعری کا مزاج وزیرآغا،ص۱۳۸،۱۳۹

۲۶۔ آزادی کے بعد اُردوغزل، ڈاکٹر وسیم بیگم،ص۵۲۔۷۱

۲۷۔ اردوغزل کی روایت اورترقی پسند غزل، ڈاکٹر ممتاز الحق،ص۳۲۔۳۵

۲۸۔ ماہنامہ قومی زبان ص۵۴،(فروری۱۹۸۸ء)

۲۹۔ دکن میں اردوشاعری ولی سے پہلے''ڈاکٹر محمد جمال شریف،ص۲۴۳

۳۰۔ وسیم بریلوی کی شاعری فکراورفنی جہات پروفیسر خواجہ اکرام الدین،ص۲۸۱

۳۱۔ ''موسم اندر باہر کے''وسیم بریلوی،ص۲۷

۳۲۔ موسم اندر کے باہر،وسیم بریلوی،ص۷

۳۳۔ ''جدید شاعری''عبادت بریلوی،ص۳۶۸

۳۴۔ اردوغزل کی روایت اورترقی پسند غزل ،ص۱۰۰، بحوالہ اردو شاعری کا مزاج، وزیرآغا ،۱۹۷۴ء، ص۲۴۴،۲۴۵

۳۵۔''غزل کے نئے جہات''سید محمد عقیل،ص۱۲

۳۶۔ ''غزل کے نئے جہات''سید محمد عقیل،۱۰۶،۱۰۷

۳۷۔ وسیم بریلوی،شخص اورشاعر،قمر گونڈوی،ص۱۷۵

باب پنجم

فن، اسلوب اور ڈکشن کے حوالے سے

- فن
- اسالیب (تخاطب، خود کلامی اور استفہامیہ)
- ہیئت
- صنائع لفظی
- تخلیقی زبان (تشبیب، استعارہ، پیکر اور علامت)

شاعری چونکہ الفاظ اور احساسات کے بیچ کی منازل کو طے کرنے کی سعیِ مشکور کا نام ہے۔ڈاکٹر محمد ریاض الاسلام راقمطراز ہیں:

''دو مصرعوں پر مشتمل ایک شعر اپنے اندر وہ طاقت اور تاثیر رکھتا ہے جو ایک پوری تقریر نہیں رکھتی۔اس قوت اور تاثیر کا راز الفاظ کے انتخاب، استعمال کا سلیقہ اور خود فنکار کے خلوص و فنکاری میں پو شیدہ ہے۔[1]

واضح ہو تا ہے کہ فنکار کو راہِ عمل میں گامزن رہنا پڑے گا تب ہی الفاظ اور احساسات کے بیچ کی منازل طے کرسکتا ہے یعنی فنکار کا اسلوب ہی وہ راہِ عمل ہے جو شعر کو وجود عطا کرتا ہے۔شعر کا رحم و مادہ الفاظ ہو تے ہیں نیز الفاظ ہی نازک اور باریک معانی ومفاہیم، متاثر کن تصویروں اور حادثاتِ زندگی کو پُر معنی اور پُر کشش بناتے ہیں جو شعر کے روپ میں منظر عام پر آتے ہیں علاوہ بریں شعر میں استعمال شدہ الفاظ کی وقعت اور روز افزوں ہوتی ہے الفاظ کے بطون سے موسیقی وغنائیت بھی اپنی منازل طے کرتی ہے۔یہی الفاظ معیاری شاعر اور اشعار کا ضامن ہوتے ہیں۔اشعار شناسی کے اہم اصول دو ہیں پہلا اصول یہ ہے کہ شعر کا موضوع کیا ہے اور دوسرا اصول یہ ہے کہ اس موضوع کو پیش کرنے کے لیے کیسا اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔ان دونوں کے اشتراک سے فنکار الفاظ اور احساسات کے بیچ کی منازل طے کرتا ہے۔نیز موضوع معنی خیز ہو اور اسلوب سریع التاثیر، سریع الفہیم اور دل نفوذ ہو گا تو شاعری اعلیٰ درجہ کی ہو گی ورنہ فنکار کی سعی، سعی لا حاصل ہو

گئی۔اعلیٰ درجہ کی شاعری ہی دل پر اثر کرتی ہے اور فن کار کے خلوص کو واضح کرتی ہے۔
ڈاکٹر سید صادق علی رقمطراز ہیں جو مندرجہ بالا معروضات پر دلالت کرتا ہے۔

''کسی بھی فنکار کو بہتر طور پر اُس کے فن کے ذریعے ہی سمجھا جا سکتا ہے اور فن کو اس کے اسلوب کے ذریعے اپنی بات کو کہنے کے لیے فنکار کن وسائل کو اپناتا ہے۔اور کن سے بچنے کی کوشش کرتا ہے، کن معاملات میں وہ منفی رویہ اختیار کرتا ہے اور کن میں مثبت، کن باتوں کو کرنے کی تلقین کرتا ہے اور کن سے دور رہنے پر زور دیتا ہے۔ان ہی تمام باتوں پر اسلوب کا دارو مدار ہوتا ہے یا یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہر فن میں کوئی نہ کوئی بات ضرور ہوتی ہے جسے ہم مو ضوع یا مواد سے تعبیر کرتے ہیں اس کے علاوہ فن میں یہ بھی دیکھا جا تا ہے کہ وہ بات کیسے کہی جا رہی ہے؟اس'' کیسے کہی جا جا رہی ہے'' سے ہی کچھ اور سوالات جُڑے ہوئے ہیں مثلاً اس بات کو کون کہہ رہا ہے، کس سے کہہ رہا ہے؟ ان سبھی سوالوں کا سلسلہ اسلوب یا اندازِ بیان سے جا کر ملتا ہے ہر عظیم فن کے بارے میں اس قسم کی جستجو انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔''[۲]

الحاصل موضوع اور اسلوب کا چولی دامن کا ساتھ ہے فنکار الفاظ اور احساسات کے پیچ کی منازل طے کرنے کے لیے ان دونوں کے ہمراہ سعیِ مشکور کو سرانجام دے کر اپنے

جذبات، احساسات، تجربات، حادثات اور واقعات کو شاعری کا روپ عطا کرتا ہے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلوب کی تشکیل کس طرح ہوتی ہے۔ عناصر خمسہ (مصنف، ماحول، موضوع، مقصد، مخاطب) کے اشتراک سے اسلوب اپنی تشکیلی منازل طے کرتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں۔ ڈاکٹر منظر عباس نقوی ان عناصرِ خمسہ کی وضاحت کرتے ہیں ملاحظہ کریں:

''گویا اسلوب کے تعین میں اس بات کو بڑا دخل ہے کہ بات کون کہہ رہا ہے؟ کِس زمانے میں کہہ رہا ہے؟ کیا کہہ رہا ہے، کون کہہ رہا ہے اور کس سے کہہ رہا ہے؟ بات کون کہہ رہا ہے سے مراد یہ ہے کہ انشا پرداز کی علمی استعداد کیا ہے، ادبی ذوق کیسا ہے۔ ادب کے بارے میں اُس کا نقطۂ نظر کیسا ہے؟ موضوع کا واضح تصور رکھتا ہے یا نہیں۔ نیز یہ کہ روایت کا سیر ہے یا تجزیے کو پسند کرتا ہے...... مصنف کے بعد ماحول کا نمبر آتا ہے ماحول سے مراد اس عہد کا ادبی ذوق جس میں فن پارے کی تخلیق ہوئی۔ یہ مذاق اس عہد کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی نظام کی پیداوار ہوتا ہے مصنف کے مزاج میں لاکھ انفرادیت سہی لیکن یہ ممکن نہیں وہ عہد کے مذاق کا کلیتہً نظر انداز کردے...... ہر موضوع ایک جداگانہ اسلوب کا متقاضی ہوتا ہے اور ہر قسم کے خیالات کی ادائی کے لیے ایک ہی طرح کا اسلوبِ بیان

اختیار نہیں کیا جا سکتا ......موضوع کے بعد اسلوب کی تشکیل میں وہ
مقصد بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔جس کی خاطر انشا پرداز اظہارِ خیال
پر مجبور ہوا۔ یہ مقاصد مختلف قسم کے ہو سکتے ہیں ۔مثلاً قاری کو مرغوب
کرنا ،معقول کرنا ،مطلع کرنا ،متاثر کرنا یا محظوظ کرنا ......اسلوب کی
تشکیل میں بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ مصنف کا روئے تخاطب
کس کی طرف ہے اس کو یہ بھی پیشِ نظر رکھنا پڑتا ہے کہ کن لوگوں
کے لیے وہ لکھ رہا ہے وہ کس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں ، ان کی علمی
استعدار کیا ہے ، ذخیرہ الفاظ کتنا رکھتے ہیں ۔ادبی ذوق کیسا ہے ،
رجحانات کیا ہیں اور یہ کہ کون سا اسلوب بیان ان کے دل و دماغ پر
سب سے زیادہ اثر انداز ہوسکتا ہے ۔مخاطب کی نفسیاتی لحاظ رکھے
بغیر جو اسلوب بیان اختیار کیا جائے گا ، وہ خواہ کتنا ہی پُر شکوہ کیوں نہ
ہو کامیاب اسلوب بیان ہرگز نہیں ہوسکتا ۔۳۳

الحاصل الفاظ اور احساسات کے بیچ کی منازل طے کرنے میں اسلوب ایک جسم کا روپ اختیار کر لیتا ہے اور خیال وفکر اس کی روح بن جاتے ہیں اور یہ دونوں فنکار کے فن پارے میں موجود ہوتے ہیں ۔ نیز ان سے فن پارہ روح افزا بن جاتا ہے ۔ ریاض الحق راقمطراز ہیں ملاحظہ کریں:

''فن پارے میں فکر اور اسلوب کو روح اور جسم سے تعبیر کیا

جاتا ہے اسلوب میں ''کیا کہا'' سے زیادہ ''کیسے کہا'' کا عمل دخل
رہتا ہے۔اس کا انحصار اس امر پر بھی ہے کہ یہ اسلوبیاتی سطح اظہار کو
موثر اور جاندار بنانے کے لیے موافق زبان کے استعمال پر زور دیتی
ہے اور فن کار اپنی استعداد کے مطابق اظہار میں وہی رنگ بھرتا ہے
جس کا تقاضا اظہار کی معنوی سطح کرتی ہے ......فکر کی نقل کی جا سکتی
ہے لیکن اسلوب کی نقل ممکن نہیں کیونکہ اس میں لفظ کی پرداخت ،
جمالیاتی عنصر اور فنکار کا اپنا زاویۂ نگاہ سبھی شامل ہوتے ہیں۔''[۴]

الحاصل الفاظ اور احساسات کے پیچ کی منازل سے گذرتے وقت فنکار عناصر خمسہ کی دستِ گیری سے اسلوب کو ایک ممتاز و منفرد جسم عطا کرتا ہے جس میں فکر و خیال کی روح پرواز کرتی ہے۔جسم و روح دونوں فن پارے میں موجود ہوتے ہیں اور فن پارہ فنکار کی شخصیت کا پرتو ہوتا ہے۔ایک شعر اپنے دامن میں وہ قوت اور تاثیر رکھتا ہے جو ایک تقدیر میں مفقود ہوتی ہے اس قوت اور تاثیر کا دارو مدار الفاظ کے انتخاب وطرز استعمال اور فنکار کی فنی مہارت و ایمانداری پر ہوتا ہے۔اگر فکر و خیال کی روح میں نمو ہے تو الفاظ خود بخود فن پارے کی روح کو لبادہ پہنا دیتے ہیں۔ڈاکٹر امیر اللہ خان شاہین رقمطراز ہیں:

''خیال اگر مربوط ہو تب لفظوں کے انتخاب میں کوئی پریشانی
نہیں ہوتی وہ موتی کی لڑیوں کی طرح اُترتے چلے آتے ہیں اور
پاس پاس بیٹھتے جاتے ہیں''[۵]

ریاض الحق اپنے ایک مضمون ''ترجمہ نگاری: مراحل ومنازل'' میں الفاظ کے انتخاب کا ذکر کرتے ہیں ملاحظہ کریں۔

> ''Poetry Zone میں لفظ کے انتخاب میں زیادہ قطعیت اور معروضیت برتنی پڑتی ہے اور صحیح الفاظ کا تعین کرتے کرتے ناکوں چنے چبانا پڑتے ہیں تاکہ متن غیر موزوں ثابت نہ ہو۔''[۲]

عند التحقیق واضح ہوتا ہے کہ الفاظ اور احساسات کے بیچ کی منازل طے کرتے ہوئے ایک مقام ایسا آتا ہے جہاں اسلوب جسم بن جاتا ہے اور فنکار کا خیال وفکر اسلوب کی روح بن جاتا ہے اگر اس روح میں نمو ہے نیز خیال وفکر مربوط ہے تو اس روح کو الفاظ کا لبادہ ازخود زیب تن ہو جاتا اور اگر یہ روح ربط ونمو کے مادہ سے مفقود ہے تو پھر الفاظ کا انتخاب وطرز استعمال فنکار کے لیے ناکوں چنے چبانے کے مترادف ہے نیز فنکار کو اس مقام تک پہنچنے کا ثمر سعی لا حاصل ملے گا پھر فنکار کے حس وحواس اس ثمر کے ذرائعہ سے اپنی نمو کو خاک میں ملا کر فنکار کی بے دست پاہی پر نوحہ گری کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اگر اس مقام پر فنکار کو ثمر سعی مشکور مل گیا تو اس کے فکر و خیال کی نمو روزافزوں ہوتی جاتی ہے نیز حس و حواس میں قوت حس نمو خیز ہو کر خیال وفکر کو مربوط کرتی ہے جس سے الفاظ فنکار کے فکر و خیال کو ازخود لبادہ زیب تن کرتے ہیں۔ الفاظ موتی کی لڑیوں کی ازخود پاس پاس آ کر بیٹھتے جاتے ہیں پھر فنکار الفاظ اور احساسات کے بیچ کی منازل طے کر لیتا ہے مگر ان دماغ سوز و دل دوز منازل سے گذرتے وقت خزاں کے دور بھی اُلٹے پاؤں واپس لوٹتے ہیں اور زمانہ

بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔ ان منازل کی پُر خار راہوں کی ترجمانی وسیم بریلوی کرتے ہیں۔:

میں وہ مسافر غمگین ہوں جس کے ساتھ وسیم
خزاں کے دور بھی کچھ دور چل کے نہ سکے

زمانے ! راہ میں چھوڑے تو جا رہا ہے مجھے
مری کمی تجھے محسوس ہر قدم ہو گئی

نامرادیٔ منزل گراں نہیں گذری
وہ تجربات ملے ہیں ہر اک سفر سے مجھے

اسی ضمن میں ڈاکٹر سید صادق علی نے ''اقبال کے شعری اسالیب'' میں فلا بیر کا قول لکھا ہے وہ راقمطراز ہیں:

''ہر خیال کو ادا کرنے کے لئے کچھ الفاظ مخصوص ہیں اور اُن کی ترتیب بھی مقرر ہے جب تک اُن الفاظ اور اُس ترتیب تک رسائی نہیں ہو جاتی وہ خیال ادا نہیں ہوسکتا۔''

شبلی نعمانی رقمطراز ہیں کہ

''جو جذبات یا احساسات الفاظ کے ذریعے سے ادا ہوں وہ شعر ہیں''۔ ''جو کلام انسانی جذبات کو برانگیختہ کرے اور ان کو تحریک میں لائے وہ شعر ہے۔'' ۷

الحاصل شعر کامل شعر وہ ہے جو موزون و باثر ہو نیز جذبات، احساسات، خیالات

اور بہترین ترتیب الفاظ کا پیکر ہو اور جس کی نمود محنت، پیہم وخون جگر سے ہو علاوہ ازیں فن کار کی فنی صلاحیت لامحدود ہو اور اس کی نظر اعلیٰ ظرفی کا مظاہر کرے ورنہ شعر مہمل شعر ہوگا۔ اور شعر کی کسوٹی یہ ہے کہ شعر میں جو کہا ہے وہ کتنا وقیع ہے، کیا الفاظ مناسب ومتناسب ہیں، کیا شعر کی زبان تخلیقی ہے اور صنائعی لفظی کا حامل ہے نیز قارئین وسامعین کے جذبات کو برانگیختہ کرے بقول ہربرٹ ریڈ

''شاعری صرف الفاظ کی آواز کا نام نہیں بلکہ اس کا نام بھی ہے کہ یہ الفاظ ذہن پر اپنا کیا عکس ڈالتے ہیں'' ۸

الحاصل جب احساسات وجذبات اور خیالات وتجربات کو فن کار روش عام سے ہٹ کر الفاظ کا لبادہ عطا کرتا ہے تو وہ فن کار کا منفرد اسلوب ہوتا ہے نیز شاعری بھی معیاری واعلیٰ ہوتی ہے دراصل شاعری وہ ہے جو پر لطف ہو، فکر کو بیدار کرنے، فن کو جلا عطا کرے، اسلوب معنی خیز ودلنشین ہو، بہترین الفاظ بہترین ترتیب کے ساتھ احساسات کی ترجمانی کریں اور فن کار الفاظ اور احساسات کے پیچ کی منازل کو طے کرے۔

نور حسن نقوی رقم طراز ہیں کہ

''دراصل اعلیٰ درجہ کا ادب اسی وقت وجود میں آتا ہے جب کہی جانے والی بات معنی خیز ہو اور کہنے کا انداز دل نشین۔'' ۹

ڈاکٹر سنبل نگار رقم طراز ہیں کہ

''شاعری دراصل ان تجربات کا اظہار ہے جن سے شاعر

دوچار ہوتا ہے۔ پر تجربات جتنے گوناگوں اور جتنے اہم ہونگے شاعری
اتنی ہی بلند رتبہ ہوگی لیکن شرط یہ ہے کہ ان کا اظہار بھی سلیقہ مندی
سے ہوا ہو۔‘‘ ۱۰؎

الحاصل مندرجہ بالامعروضات سے واضح ہوتا ہے کہ شاعری دراصل معیاری واعلیٰ وہ ہے جوفن کار کے تجربات کی عکاسی بہترین الفاظ کی بہترین ترتیب سے کرے، جو قارئین وسامعین کے جذبات کومتحرک کرکے۔جس میں جذبہ واحساس اورفکروفن کا امتزاج ہونیز طرز بیان واسلوب معنی خیزاوردل نشین ہوعلاوہ ازیں فن کوجلا بخشے۔بقول اختر انصاری

’’اصطلاح شعرامیں غزل متفق الوزن اورمتفق القوافی
اشعار کے ایسے مجموعے کوکہتے ہیں جس میں کسی مسلسل مفہوم
کا پایاجاناضروری نہیں۔ ہرشعر آزاد، قائم بالذات، جود مکتفی ، معنی
کےاعتبار سے اپنی جگہ پرمکمل اورمستقل حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔‘‘ ۱۱؎

بقول فراقؔ گورکھپوری:۔

’’غزل اس کرب اورتکلیف کا نام ہے جب زخمی ہرن کے
گلے سے تیر نکالا جائے اس وقت ہرن کے منہ سے جو درد بھری
آواز نکلےاسی آہ وبکا کا نام غزل ہے۔‘‘ ۱۲؎

الحاصل مندرجہ بالا معروضات سے واضح ہوتاہے کہ غزل کا ہرشعرمکمل اور قائم بالذات ہوتاہے ۔متفق الوزن ومتفق القوافی اشعارکے مجموعہ کوغزل کہتے ہیں ۔جس کی

کائنات الفاظ سے آباد ہوتی ہے۔جن سے احساسات وجذبات اورتجربات وخیالات کی عکاسی ہوتی ہے۔جواپنے حقیقی اورمجازی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔اورغزل درد وکرب کی آہ وبکا کا نام بھی ہے۔اس کا نہایت اہم پہلو تغزل ہے۔جس کا تعلق معنی ومواداوراسلوب سے ہوتا ہے۔فن کاراس صنف نازک سے طبع آزمائی کا آغاز بھی کرتے ہیں نیز یہی معمولی اور غیرمعمولی فن کار کا نشان امتیاز بھی ہے۔جورمزوایما کا فن ہے مگر نازک فن ہے۔

غزل وہ صنف سخن ہے جومخصوص مزاج اورمخصوص پیکر کی متقاضی ہوتی ہے۔زبان، بیان،ساخت بحروغیرہ ہی غزل کے مخصوص پیکرکووجودبخشتے ہیں۔نیز یہ وہ صنف سخن ہے جس کے الفاظ شیریں۔ لچکدار قریب الفہم،نرم،غیر پیچیدہ اورواضح ہوتے ہیں۔ جواپنے مخصوص مفاہیم کوواضح کرتے ہیں نیز الفاظ کاایک مخصوص استعاراتی نظام ہوتا ہے جس کے ذریعہ دریا کوکوزہ میں بندکردیا جاتا ہے۔ان کا موضوع کیا ہے اوران کوکیسے ترتیب دیا گیا۔یہی غزل کا فن ہے۔باالتحقیق واضح ہوتا ہے کہ غزل کافن رمزوایما کافن ہے اگر چہ غزل کافن نہایت ہی لطیف وشفاف فن ہے مگرجگر وگردہ کا متقاضی ہے۔جس میں غزل گو پرخار وادیوں سے ہی گزرکراور بدن کولہولہان کرکے ہی دومصرعوں میں رمزوایماء کے سہارا وہ موضوع سمیٹ لیتا ہے جومقرر کی تقریر میں سمانہیں سکتااورجس کے لئے مصنف کی تصنیف کا ظرف عاجز ہوتا جاتا ہے۔اور یہ رمزوایما ہی ہے جس کوکوئنٹیلین (Quntillian) نے فن کی معراج قراردیاہے۔

ڈاکٹرممتازالحق رقم طراز ہیں کہ

''فن میں کسی صنف سخن کی محض خارجی شکل وصورت اور ساخت کو ہی شامل نہیں کیا جاتا بلکہ اس کی داخلی کیفیت، مزاج اورلب ولہجہ بھی فن کا ہی حصہ ہے۔'' ۱۳

ڈاکٹر سنبل نگار رقم طراز ہیں کہ

'غزل کی تو ایک شکل مقرر ہے اسی شکل کو ہیئت بھی کہا جاتا ہے۔غزل کی ہیئت یہ ہے کہ تمام مصرعوں کا وزن یکساں ہوتا ہے۔ پہلا شعر جو مطلع کہلاتا ہے اس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ ہوتا ہے اگر ردیف کا اہتمام کیا گیا ہے تو دریف بھی ہوتی ہے۔باقی تمام شعروں میں قافیہ ہوتا ہے اورغزل مردف یعنی ردیف رکھنے والی ہے تو ردیف بھی ہوتی ہے۔آخری شعر جس میں شاعر کا تخلص بھی ہوتا ہے۔مقطع کہلاتا ہے۔'' ۱۴

ڈاکٹر ممتاز الحق رقم طراز ہیں کہ

'قافیہ اور ردیف شاعر کی سوئی ہوئی شخصیت کو جگا دیتے ہیں بلکہ بھولے ہوئے واقعات یاد آجاتے ہیں۔'' ۱۵

الحاصل عنائیت کو بحر، ردیف وقافیہ اورانتخاب وترتیب۔الفاظ ہی کے ذریعہ شاعر وجود عطا کرتا ہے۔باالتحقیق واضح ہوتا ہے کہ فن جسم اورروح دونوں کے امتزاج کا نام ہے۔صنف،غزل کے جسم سے مراد ظاہری ہیئت جو مطلع، قافیہ، ردیف اور وزن و بحر سے مکمل

ہوجاتی ہے۔ جوفن کارکی جولان گاہ ہوتی ہے۔اورروح سے مراد داخلی ہیئت جوموضوع ومواد، اختلاط حرف ومعنی، لب ولہجہ، اسلوب وطرزادا، نغمگی وموسیقی، اشارے وکنائے، رمزوایما، فصاحت وبلاغت، مزاج وکیفیات سے نموپذیرہوتی ہے۔دراصل غزل کافن نہایت ہی لطیف ونازک اورClose Cincuit فن ہے۔اگرچہ غزل کافن نارک اور Close Cincuit کافن ہےمگریہی فن ہے جوانسان کے احساسات وجذبات کومتحرک وبیدارکرتاہے نیزپرخاروادیوں سے گذرجانے کاحوصلہ عطاکرتاہے۔ اوراس کااسلوب فن کارکالباس نہیں بلکہ جلدہوتی ہے۔جس کی عکاسی وسیم بریلوی نے اس طرح کی ہے۔

مشکلیں تو ہر سفر کا حسن ہیں
کیسے کوئی راہ چلنا چھوڑ دے
میں نے اپنے پاؤں میں زنجیر ڈالا خود ہی
یہ سوچتا ہوں کہ آخر مری خطا کیاہے
پوچھنا ہے تو غزل والوں سے پوچھو جاکر
کیسے ہر بات سلیقے سے کہی جاتی ہے
میری تنہائیاں بھی شاعر ہیں
نذر اشعار و جام رہتی ہیں
میرے شعروں کو تیری دنیا میں
میرے دل کا غبار لایا ہے

میرے شعروں کو غور سے مت سن
ان میں تیرا بھی ذکر آیا ہے

پہلے تولو، پھر کچھ بولو
لفظ کوئی بے کار نہیں ہے

کبھی لفظوں سے غداری نہ کرنا
غزل پڑھنا، ادا کاری نہ کرنا

وسیم کس نے کہا تھا کہ یوں غزل کہہ کر
یہ پھول جیسی زمیں آنسوؤں سے تر کر دے

شاعری زہر تھی، کیا کریں اے وسیم
لوگ پیتے رہے، ہم پلاتے رہے

غزل سرائی کا دعویٰ تو سب کریں وسیم
مگر وہ میر سا لہجہ نظر نہیں آتا

کون سی بات کہاں کیسے کہی جاتی ہے
یہ سلیقہ ہو تو ہر بات سنی جاتی ہے

میں بنانا چاہتا تھا جس کو غالب کی غزل
تم نے اس بستی میں میرا گھر کہاں رہنے دیا

ڈاکٹر سنبل نگار رقم طراز ہیں کہ

''لب ولہجہ کے اعتبار سے شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اورانہیں شاعری کی تین آوازیں بھی کہا جاتا ہے۔خود کلامی کا لہجہ شاعری کی پہلی آواز ہے ۔یہاں شاعراپنے آپ سے گفتگو کرتا ہے۔دوسرے سے گفتگو یعنی تخاطب شاعری کی دوسری آواز ہے۔شاعری کی تیسری آواز وہ ہے جب شاعر کچھ کردار وضع کرتا ہے یا تاریخ سے مستعارے لیتا ہے ۔اوراپنی بات ان کی زبان سے ادا کرتا ہے۔''[۱۶]

باالتحقیق واضح ہوتا ہے کہ شاعری کے تین اسلوب معتبر ہیں ایک خود کلامی کا اسلوب، دوسرا تخاطب کا اسلوب اور تیسرا وہ اسلوب جو فن کار کردار کی زبان سے اپنی بات کہلاتا ہے تیز غزل کے فن کے پیش نظر شاعرانہ وسائل کا سہارا بھی لیتا ہے۔الغرض وسیمؔ بریلوی کی شاعری میں پہلے دونوں اسالیب موجود ہیں اوران کے ساتھ ساتھ استفہامیہ اسلوب بھی پایا جاتا ہے کلام وسیمؔ بریلوی سے امثالہ ملاحظہ کریں۔

خود کلامی کا اسلوب

(ع)مرے ہاتھوں میں مرا گھر تو ہے، دروازہ نہیں

(ع)جانے کس کا ہے انتظار وسیمؔ

(ع)وسیمؔ آج کہیں تم بھی سنگسار نہ ہو

(ع)آگ ایسی لگانے سے کیا فائدہ

(ع)میری قیمت لگی کی لگی رہ گئی

(ع)ہمیں کتابوں میں کیا ڈھونڈنے چلے ہو وسیمؔ

(ع) زندگی کے سفر کی نہ پوچھو وسیمؔ

وسیمؔ اتنے بڑے زندگی کے میلے میں

بس ایک غم ہے جو اپنا دکھائی دیتا ہے

(ع)وسیمؔ رشک سے دیکھوں نہ کیوں پرندوں کو

کل رات اپنا جائزہ لے کر پتا چلا

مجھ سے بڑا کوئی گناہ گار نہ تھا

وسیمؔ کیسے مری منزلیں قریب آتیں

تمام عمر ارادے مرے سفر میں رہے

نہ ہو آس کا سہارا، تو وسیمؔ زندگی ہے

وہ صدا جو دی نہ جائے وہ دعا جو کی نہ جائے

(ع)جو چھوڑ آئے اسی انجمن میں جاؤ وسیمؔ

(ع)تب جا کے اے وسیمؔ زمانے میں ہم ہوئے

(ع)میں اپنے آپ سے کب تک خفا نہیں ہوتا

(ع)کوئی نہ سمجھے کاش مری مجبوری کو

(ع)ہم ایک لمحہ بھی اپنی طرح نہ جی پائے
(ع)وسیمؔ اس کی تڑپ ہے تو اس کے پاس چلو
(ع)جو بدل جائے میری تقدیر ہو سکتی نہیں
محبت میں بچھڑنے کا ہنر سب کو نہیں آتا
کسی کو چھوڑنا ہو تو ملاقاتیں بڑی کرنا
(ع)مرے لئے بھی کوئی ہو جو مجھ سے پیار کرے
کچھ اتنا خوف کا مارا ہوا بھی پیار نہ ہو
وہ اعتبار دلائے اور اعتبار نہ ہو
وسیمؔ اپنے گریباں میں جھانک کر دیکھا
تو اپنے چاروں طرف کوئی بھی بُرا نہ لگا
وسیمؔ اس کے ہی گھر اور اس پہ ہی تنقید
یہی بہت ہے کہ اس نے تمہیں اٹھا نہ دیا
لوٹتا ہوں تو سلیقے سے سجا ملتا ہے
میرے پیچھے کوئی جیسے مرے گھر آئے ہے
کھونا پانا میں کیا جانوں
پیار ہے کاروبار نہیں ہے
(ع)وسیمؔ صبح کی تنہائی سفر سوچو

(ع)کیا بات ہوئی کیوں وہ زمانہ نہیں آتا
میں اس مکان میں رہتا ہوں اور زندہ ہوں
وسیم جس میں ہوا کا گذر نہیں ہوتا
(ع)میں کہاں گذاروں یہ زندگی مرے سامنے یہ سوال
(ع)مجھ میں ہے مگر مجھ سے الگ بول رہا ہے
(ع)پیاس کا وہ سفر ہوں میں جس کو وسیم
(ع)وسیم آؤ ان آنکھوں کو غور سے دیکھو
(ع)ہم تو بے نام اداروں کے مسافر ہیں وسیم
(ع)ہم بھی اے کاش کسی پیڑ کے سائے ہوتے
(ع)اس کی آنکھوں میں اک آنسو سا رہوں گا عمر بھر
(ع)کوئی آئے گا مرے گھر کو بچا لے جائے گا
(ع)بس ایک غم ہے جو اپنا دکھائی دیتا ہے
(ع)شمع کی طرح کسی بزم کے ہو جاتے وسیم
(ع)وسیم کیسے زمانہ ہمیں بھلائے گا
(ع)اپنے ماضی کو نہ دوہراؤ وسیم
(ع)سوچتا ہوں آج کی یہ بستاں
اک تسلسل ختم ہو جاتا وسیم
موت آجاتی اگر آرام سے

تخاطب کا اسلوب

مری تلاش کو بے نام و بے سفر کردے
میں تیرا راستہ چھوڑوں تو دربدر کردے
(ع)ہمارے بارے میں لکھنا تو بس یہی لکھنا
میں تجھ سے ملتا ہوں تفصیل میں نہیں جاتا
مری طرف سے ترے دل میں جانے کیا نکلے
(ع)تیرا یہ شہراک اندیشہ ہو جاتے ہے
(ع)تیرے جانے کا منظر ہی غم خوار تھا
(ع)کہ تیرا ذکر کروں اور تیرا نام نہ ہو
(ع)راستو! میری کوئی منزل نہیں
(ع)جان پڑجاتی ہے تیرے نام سے
اے دورنو ہمارا مقدر وہی رہا
کیا ہم شریک گردش شام وسحر نہ تھے
(ع)کھو نہ دینا کہیں ٹھوکروں کا حساب
(ع)تو تو نفرت بھی نہ کرپائے گا اس شدت کے ساتھ
(ع)ایک تیرا در ہی کیا ہم تو زمانہ چھوڑ دیں
(ع)نظر بچانے کا فن بھی تمہیں کو آتا ہے

(ع)تو دوستی کا تقاضا ہے گھر کھلا رکھنا
(ع)تم کو بھی تو اندازہ لگانا نہیں آتا
(ع)تم کو توکوئی گھر جلانا نہیں آتا
(ع)مجھے تلاش کروگے تو پھر نہ پاؤگے
میں ہنس ہنس کر گزارا ہے تجھے
زندگی! تجھ پر میرا احسان ہے
(ع)آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات تو کرکے دیکھتا
(ع)تم اپنے چہرے کا ہم سے حساب لے لینا
میں نے چاہا ہے تجھے عام سے انسان کی طرح
تو میراخواب نہیں جو بکھر جائے گا
(ع)تم گرانے میں لگے تھے تم نے سوچا ہی نہیں
(ع)مجھ کو چلنے دو اکیلا ہے ابھی میرا سفر
(ع)اک ترے کہنے سے کیا میں بے وفا ہو جاؤنگا
(ع)لیکن مری آنکھوں میں تجھے ڈر نہ ملے گا
(ع)لیکن ترے رہنے کو یہاں گھر نہ ملے گا
(ع)قطرے ہی سے خوش ہوتو سمندر نہ ملے گا
(ع)کہ میں بچھڑکے بھی تجھ سے جدا نہیں ہوتا

ہم یہ تو نہیں کہتے کہ ہم تجھ سے بڑے ہیں
لیکن یہ بہت ہے کہ ترے ساتھ کھڑے ہیں
تجھے پانے کی کوشش میں کچھ اتنا کھو چکا ہوں میں
کہ تو مل بھی اگر جائے تو اب ملنے کا غم ہوگا
(ع)تو کیا میرے من کی پیاس بجھائے گا
(ع)تجھ سے ہٹ کر میں کسے دیکھتا تیرے جیسا
(ع)جیسا چاہا تھا تجھے دیکھ نہ پائے دنیا
(ع)تجھے ہی ڈھونڈنے نکلے تھے تیرے دیوانے
(ع)تجھ کو سوچا تو پتہ ہوگیا رسوائی کو
(ع)عمر بھر تجھ سے بچھڑنے کی کسک ہی نہ گئی
(ع)تجھ سے ہر لمحہ بچھڑنے کا ڈر تو ختم ہوا
مری بستیاں نہ دیکھو، یہاں وہ مکان بھی ہیں
(ع)جو تو نہیں تو ترے خواب دیکھنا کیا ہے
(ع)ہوا کی تیزی دریچے میں بند کرلینا
تمہارے ساتھ نگاہوں کا کاروبار کیا
تمہارے بعد نگاہوں میں کون آتا ہے
تری نظر کو چرا کر کوئی کہاں لے جائے

تری نظر تو نظر میں ہے اک زمانے کی

(ع)ضرور تو نے کوئی راستہ نکال دیا

(ع)تم آگئے ہو تو کچھ چاندنی سی باتیں ہوں

(ع)میں تجھے بھول تو گیا ہوتا

(ع)میں تیری راہ سے ہٹنے کو ہٹ گیا لیکن

(ع)تیرے بغیر مری زندگی کا ہر لمحہ

(ع)تم تو آنکھوں سے آنسو چھپانے لگے

(ع)میں گلاب تو نہیں ہوں مگر اے چمن نصیبو!

استفہامیہ اسلوب

(ع)زندگی تو ہی بتا دے کہ کہاں گذرے گی

(ع)میں کہاں گذاروں یہ زندگی مرے سامنے یہ سوال ہے

یہ کون راہ دکھا کر چلا گیا مجھ کو

میں زندگی میں بھلا کس کے کام آیا تھا

(ع)میری آنکھوں کو یہ سب کون بتانے دے گا

(ع)کہاں کی شمعیں ہیں کن محفلوں میں جلتی ہیں

(ع)یہ کون ہے سمندر سکھائے دیتا ہے

(ع) یہ کس کا ہاتھ ہے پھر کاٹ کیوں نہیں دیتے

(ع)وسیم ذہن کی خود داریاں بھی کیا شے ہیں

(ع)زندگی تجھ پہ اب الزام کوئی کیا رکھے

(ع)جانے کس حال میں بے درد زمانہ رکھے

(ع) کچھ پتہ ہو تو بتائیں کہ کدھر جاتے ہیں

(ع)میں تجھ دیکھ کر اور کیا دیکھتا

(ع)کون آنسو کے اندر خدا دیکھتا

(ع) کانپتے ہاتھوں سے کیوں جام دیا جاتا ہے

(ع) کس عدالت میں سنا جائے گا دعویٰ ان کا

(ع) کہاں گیا مجھے ہنس ہنس کے ہارنے والا

(ع)اب اس کے بعد مرا امتحان کیا لے گا

(ع)جو بے عمل ہے وہ بدلہ کسی سے کیا لے گا

(ع) کیسے طے ہوگا کبھی تم نے سوچا ہوتا

(ع)یہ تیرا غم بھی کہاں تک مجھے نبھائے گا

(ع)یہ شرط ہے تو بھلا کون مسکرائے گا

(ع)وسیم کیسے زمانہ ہمیں بھلائے گا

(ع)کل پکاری جائیں گی کس نام سے

(ع)کون کہتا ہے کہ دل میں چور دروازہ نہ تھا

(ع)وہ جانتا ہی نہیں دل کی اہمیت کیا ہے

(ع)کہاں جاتا اگر میں لوٹ کے پھر گھر نہیں جاتا

(ع)کسی کا دل دکھانے کو پھر اپنی زباں کیوں ہو

(ع)کس کے لئے زندہ ہوں بتا بھی نہیں سکتا

(ع)محبتوں میں کب اتنا حساب ہوتا ہے

(ع)کس کے ہیں کس کے کہلائیں

(ع)کیا بتاؤں کیسا خود کو دربدر میں نے کیا

(ع)ہمارے گھر کا پتہ پوچھنے سے کیا حاصل

(ع)کس بہانے کوئی شہر جلایا جائے

(ع) یہ دیکھنے کا سلیقہ بھی کس کو آتا ہے

(ع)میری دھویوں کے سر کو ردا کون دے

ظلم کس نے کیا کون مظلوم تھا

سب کو معلوم ہے پھر بتا کون دے

(ع)کس قدر آئینہ اکیلا تھا

(ع)کون دیکھے گا مری شام سفر کیسی ہے

(ع)اس چھوٹے زمانے کے بڑے کیسے بنوگے

اپنے چہرے سے جو ظاہر ہے چھپائیں کیسے
تیری مرضی کے مطابق نظر آئیں کیسے
(ع)پہلے یہ طے ہو کہ اس گھر کو بچائیں کیسے
(ع)سر جھکانا نہیں آتا تو جھکائیں کیسے
(ع)ہنسنے والے تجھے نظرآئیں کیسے
(ع)اپنی مٹی کو کہیں چھوڑ کے جائیں کیسے
(ع)ایک قطرے کو سمندر نظر آئیں کیسے
(ع)اُس کو کچھ یاد لائیں کیسے
(ع) کیسا دریا ہے کہ پیاسا تو نہ مرنے دے گا
(ع)اس بلندی سے تمہیں کون اُترنے دے گا
(ع)زندگی ایسے تجھے کون گذرنے دے گا
(ع) کیسے ہوا کہاں ہوا پیار عجیب چیز تھا
(ع)تو یہ رشتہ نبھانا کس قدر آسان ہو جائے گا
(ع)سورج کی نظروں میں کیسے آنا ہے
(ع)وہ کہاں جاتا کسے صفائی دیتا
(ع)روشنی دے گا مرے گھر کو کہاں اپنا چراغ
(ع)نہ جانے کون کہاں کس کے ساتھ ہو جائے

(ع)کون سمجھا مزاج تنہائی

(ع)وہ جانے کیوں مجھے پھر بھی سزا نہیں دیتا

(ع)کہاں سے قصہ چلا تھا کہاں تمام ہوا

(ع)کماں سے تیر کہاں آپ نے نکال دیا

میں تو گہرا کنواں ہوں اے لوگو!

کون میرے قریب آئے ہے

(ع)یہ سلیقہ مجھے جانے کب آئے گا

(ع)وسیمؔ گھر سے اب ایسے میں کوئی کیا نکلے

(ع)کون ہے جس میں سفر کا حوصلہ رہ جائے گا

(ع)کیسے کہوں کہ وہ مرا غم خوار ہی نہ تھا

(ع)ہوا کے سامنے ایک ننھا سا دیا کیا ہے

(ع)تیرے چہرے پہ کیوں اُداسی ہے

عندالتحقیق واضح ہوتا ہے کہ فن پارہ سے قبل ہی الفاظ اور ان کی ترتیب موجود ہوتی ہے تو فنکار احساس اور الفاظ کے پیچ کی منازل کو طے کرتے وقت فنی مہارت، منفرد اسلوب، ہیئت، تخلیقی زبان اور صنائع لفظی سے اپنے حس وحواس کے ذریعے محسوسات، احساسات، تجربات، حادثات، مشاہدات واقعات نیز وارداتِ قلبی کو الفاظ کا لبادہ زیبِ تن کرتا ہے۔

چونکہ غزل کا نشان امتیاز ہیئت ہے عندالتحقیق واضح ہوتا ہے کہ وسیمؔ بریلوی کی غزلیں

ہیئت کے رو سے کلاسیکی غزل کی روایت کو بھی برقرار رکھتی ہیں اور جدید دور کی غزلوں کی نمائندہ بھی ہیں۔کلاسیکی غزل میں ہیئت کے رو سے پہلا شعر مطلع ہوتا ہے اوراس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ ہوتے ہیں نیز غزل کے دیگر اشعار کا مصرعہ ثانی مطلع کا ہم قافیہ ہوتا ہے غزل کا آخری شعر مقطع ہوتا ہے۔کلاسیکی غزل کی ہیئت کے ان تمام پہلوؤں کو وسیم بریلوی نے فنی مہارت سے برتا ہے اور جدید دور کی غزل مطلع اور مقطع کی پابندی نہیں کرتی ہے۔شمس الرحمٰن فاروقی رقمطراز ہیں:

''غزل میں مطلع و مقطع ہوتا ہے، نظم میں مطلع و مقطع ہوسکتا ہے۔ ویسے کوئی ضروری نہیں کہ ہر غزل میں مطلع و مقطع بھی ہو۔ظفر اقبال اور زیب غوری کے التزام کے باوجود آج (اور آج سے پہلے کے بھی) ایسے غزل گو موجود ہیں جن کی اکثر غزلوں میں اگر مطلع و مقطع دونوں غائب نہیں ہوتے تو مطلع یقیناً نہیں ہوتا۔خلیل الرحمٰن اعظمی کی مثال سامنے کی ہے جو مقطع کبھی نہیں کہتے۔ غالب پر تو مشہور الزام ہے ہی''۱۷

وسیم بریلوی کی غزلیں ملاحظہ کریں جو کلاسیکی غزل کی ہیئت پر دلالت کرتی ہیں:

نغمۂ غم سے بھی کام چل جائے گا

دل بہرحال دِل ہے بہل جائے گا

آنکھ لگنے نہ پائے کہیں راہ میں
پھر زمانہ کوئی چال چل جائے گا
ایک ہی دھن میں نغمہ بھی اور آہ بھی
کیا نظام دوعالم بدل جائے گا
ساتھ چھوڑے وسیمؔ اب نہ یہ بے خودی
ہوش آیا تو پھر دل مچل جائے گا

("تبسمِ غم"، ص ۲۴)

تم سے ملنے کو چہرے بنانا پڑے
کیا دیکھائیں جو دل بھی دکھانا پڑے
غم کے گھر تک نہ جانے کی کوشش کرو
جانے کس موڑ پر مسکرانا پڑے
آگ ایسی لگانے سے کیا فائدہ
جس کے شعلوں کو خود ہی بجھانا پڑے
کل کا وعدہ نہ لو کون جانے کہ کل
کس کو چاہوں کسے بھول جانا پڑے
کھو نہ دینا کہیں ٹھوکروں کا حساب
جانے کس کس کو رستہ بتانا پڑے

ایسے بازار میں آئے ہی کیوں وسیم
اپنی بولی جہاں خود لگانا پڑے

(''آنکھ آنسو ہوئی''ص،۳۶۔۳۷)

تری آرزو بہت ہے تیرا انتظار کم ہے
یہ وہ حادثہ ہے جس پر مرا اختیار کم ہے
یہ حوادث زمانہ بڑی دور لے گئے ہیں
مجھے اپنی زندگی سے یہ نہیں کہ پیار کم ہے
میں گناہ گار بھی ہوں میں گناہ گر بھی لیکن
مجھے کوئی ایسا ٹوکے جو گناہ گار کم ہے
میں وسیم شعر کہنے کے لئے ترس رہا ہوں
کئی دن سے آنکھ میری ادھر اشکبار کم ہے

(''مزاج''ص۵۵)

باالتحقیق مندرجہ بالا غزلوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وسیم بریلوی نے فن مطلع اور فن مقطع کو بخوبی برت کو ہیئت غزل کو برقرار رکھا ہے اور فن غزل کو بھی مجروح نہیں ہونے دیا ہے۔
وسیم بریلوی نے مطلع اور مطلع کے بغیر بھی غزلیں کہی ہیں۔امثلہ ملاحظہ کریں:

ٹوٹا جاتا ہے ہر ایک قافلہ منزل کے قریب
جب یہ عالم ہے تو پھر عزم سفر کون کرے

ہم نے بجھتے ہوئے دیکھے ہیں امیدوں کے چراغ
ان ستاروں کی اداؤں پر نظر کون کرے
جس سے اپنے ہی مقدر کے اندھیرے نہ مٹے
اس شب غم سے تمنائے سحر کون کرے
اشک پی لیتا ہوں یہ سوچ کے دانستہ وسیمؔ
دل کے ٹکڑے ہیں انہیں چشم بہ در کون کرے

(تبسم غم ص ۳۴)

دیکھئے دور بدلتا ہے کہ ساقی کی نظر
آج میخانے میں پروردۂ غم آئے ہیں
تم کہیں مری محبت سے گریزاں تو نہیں
وہم کیسے مرے دل میں شب غم آئے ہیں
نگۂ لطف کا اک جام ادھر بھی ساقی
سب سے پہلے ترے میخانے میں ہم آئے ہیں
آنکھ لگنا بھی قیامت تھا جوانی میں وسیمؔ
ٹھوکریں کھائی ہیں تب ہوش میں ہم آئے ہیں

(''تبسم غم''، ص ۲۵)

وہ کہاں جاتا کسے کوئی صفائی دیتا
اپنے آگے جسے کچھ بھی نہ دکھائی دیتا
وہ کوئی جذبہ سمجھنے ہی کو تیار نہیں
میں کہاں تک اسے رشتوں کی دہائی دیتا
ایک دن دیکھے سفر پر ہی نکلنا ہوگا
پیار میں راستہ ہوتا تو دکھائی دیتا
گھر سے نکلا ہوں کہ دن جیت کے اب لوٹوں گا
رات آتی تو یہی خواب دکھائی دیتا
کس طرح گھر کے بڑے شہر جلانے نکلے
کاش بچوں کو یہ منظر دکھائی نہ دیتا
تجھ سے ہٹ کر میں کسے دیکھتا تیرے جیسا
کوئی انداز کسی میں تو دکھائی دیتا
روشنی دے گا میرے گھر کو کہاں ایسا چراغ
تیرے چہرے کی بدولت جو دکھائی دیتا

(''آنکھوں آنکھوں رہے''ص۴۰۔۴۱'')

وسیم بریلوی کی بغیر ردیف کے غزلیں ملاحظہ کریں:

سوچیں تو خود سے شرمائیں
کس کے ہیں کس کے کہلائیں
آنکھ میں ہوں آنسو کہلائیں
گھر چھوٹے مٹی ہوجائیں
کچھ باتوں کا حسن یہی ہے
دل میں رہیں ہونٹوں پہ نہ آئیں
عمر ہی کتنی ان رنگوں کی
کیسے تیری تصویر بنائیں
اور ابھی کچھ دھوکے دے لو
جانے کب آنکھیں کھل جائیں

(''آنکھ آنسو ہوئی''،ص۲۵)

محفلوں محفلوں پہ تنہائی
شہر میں رہ کے بھی ہیں صحرائی
اتنا حساس بھی نہ ہونا تھا
مسکرائے تو آنکھ بھر آئی
میں نے تو اس میں جہاں دیکھا
مجھ میں کیا بات اسے نظر آئی

محفلوں کی ہنسی کے چرچے ہیں
کون سمجھا مزاج تنہائی
ڈوبتی زندگی اندھیروں میں
پھر کہیں سے دیا اٹھا لائی
دوستی سے صداقیں روٹھیں
رہ گئی دشمنی میں سچائی
جائیدادیں کہاں بٹیں ان
جائیدادوں میں بٹ گئے بھائی

(''آنکھوں آنکھوں رہے'' ۵۵)

بالتحقیق مندرجہ بالا غزلیں اُس شعری روایت کا پختہ ثبوت ہیں جس میں فن مجروح نہیں ہوتا بلکہ فن کار کی فنی مہارت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ وسیم بریلوی نے اُس شعری روایت کو بھی برقرار رکھا ہے جس میں فن مقطع سے پہلو تہی کی جاتی ہے۔ بعض امثلہ ملاحظہ کریں۔

دیئوں کا قد گھٹانے کے لئے راتیں بڑی کرنا
بڑے شہروں میں رہنا ہو تو پھر باتیں بڑی کرنا
محبت کے گھروں کے کچے پن کو یہ کہاں سمجھیں
ان آنکھیں کو تو بس آتا ہے برساتیں بڑی کرنا

محبت میں بچھڑنے کا ہنر سب کو نہیں آتا
کسی کو چھوڑنا ہو تو ملاقاتیں بڑی کرنا

(''آنکھ آنسو ہوئی'')

جہاں دریا کہیں اپنے کنارے چھوڑ دیتا ہے
کوئی اٹھتا ہے اور طوفان کا رخ موڑ دیتا ہے
مجھے بے دست وپا کر کے بھی خوف اس کا نہیں جاتا
کہیں بھی حادثہ گزرے وہ مجھ سے جوڑ دیتا ہے
بچھڑ کے تجھ سے کچھ جانا اگر تو اس قدر جانا
وہ مٹی ہوں جسے دریا کنارے چھوڑ دیتا ہے
محبت میں ذرا سی بے وفائی تو ضروری ہے
وہی اچھا بھی لگتا ہے جو وعدے توڑ دیتا ہے

(''آنکھوں آنکھوں رہے'' ص۸۷)

صورت بزم کچھ ایسی تیرے جاتے ہی بنی
تیرے دیوانوں کو ہر شمع بجھاتے ہی بنی
آگ کو آگ کے شعلوں میں بجھاتے ہی بنی
دل میں جب درد اُٹھا جام اُٹھاتے ہی بنی

ہائے ان مدھ بھری آنکھوں کی نشیلی گردش
قیمت جام نگاہوں سے گراتے ہی بنی

(تبسم غم ص ۵۱)

وسیم بریلوی کی حسن مطلع والی غزلیں مثال کے طور پر پیش کرتا ہوں ملاحظہ کریں:

مٹے وہ دل جو تیرے غم کو لے کے چل نہ سکے
وہی چراغ بجھائے گئے جو جل نہ سکے
ہم اس لئے نئی دنیا کے ساتھ چل نہ سکے
کہ جیسے رنگ یہ بدلی ہم بدل نہ سکے
میں اُن چراغوں کو عمروفا کو روتا ہوں
جو ایک شب بھی میرے دل کیساتھ جل نہ سکے
خدا کرے مجھے پینے سے روکنے والے
زیادہ دیر تیرا دور جام چل نہ سکے
میں وہ مسافرِ غمگیں ہوں جس کے ساتھ وسیم
خزاں کے دور بھی کچھ دور چل کے چل نہ سکے
وسیم اہل جہاں نے زبان قلم کر دی
مرے خیال پہ جب اُن کے زور چل نہ سکے

(''تبسم غم'' ص ۲۹)

یہ ہے تو سب کے لئے ہو یہ ضد ہماری ہے
اس ایک بات پہ دنیا سے جنگ جاری ہے
اڑن والوں اڑانوں پہ وقت بھاری ہے
پروں کی اب کے نہیں حوصلوں کی باری ہے
میں قطرہ ہو کے بھی طوفان سے جنگ لیتا ہوں
مجھے بچانا سمندر کی ذمہ داری ہے
اسی سے جلتے ہیں صحرائے آرزو میں چراغ
یہ تشنگی تو مجھے زندگی سے پیاری ہے
کوئی بتائے یہ اس کے غرور بیجا کو
وہ جنگ میں نے لڑی ہی نہیں جو ہاری ہے
ہر ایک سانس پہ پہرہ ہے بے یقینی کا
یہ زندگی تو نہیں موت کی سواری ہے
دعا کرو کہ سلامت رہے مری ہمت
یہ اک چراغ کئی آندھیوں پہ بھاری ہے

(''آنکھوں آنکھوں رہے''ص۳۴۔۳۵)

کچھ اتنا خوف کا مارا ہوا بھی پیار نہ ہو
وہ اعتبار دلائے اور اعتبار نہ ہو

ہوا خلاف ہو موجوں پہ اختیار نہ ہو
یہ کیسی ضد ہے کہ دریا کسی سے پار نہ ہو
میں گاؤں لوٹ رہا ہوں بہت دنوں کے بعد
خدا کرے کہ اُسے میرا انتظار نہ ہو
ذرا سی بات پہ گھٹ گھٹ کے صبح کر دیتا
مری طرح بھی کوئی غم گسار نہ ہو
دکھی سماج میں آنسو بھرے زمانے میں
اسے یہ کون بتائے کہ اشکبار نہ ہو

(''آنکھ آنسو ہوئی''۵۱)

وسیم بریلوی کی ثانی حسن مطلع والی ایک غزل بھی بطور خاص ملاحظہ کریں

کب چشم الم ہوتی ہے نم دیکھا رہا ہوں
میں عشق میں خوداری غم دیکھ رہا ہوں
ان آنکھوں کو نم بعد ستم دیکھ رہا ہوں
یہ سازی اندازِ کرم دیکھ رہا ہوں
آئینہ طوفان الم دیکھ رہا ہوں
کتنا مرے سینے میں ہے دم دیکھ رہا ہوں
یہ راہ صنم خانہ ہے وہ راہ حرم ہے

کس راہ پہ اُٹھتے ہیں قدم دیکھ رہا ہوں
میں گردش دوراں کو سمجھنے کیلئے آج
الجھا کے تیری زلف کے خم دیکھ رہا ہوں
اللہ کے بندوں پر وسیم آج یہ دن
اللہ کے بندوں کا ستم دیکھ رہا ہوں

("تبسم غم" ص ۲۷)

اسے تلاش ہو اب کیا کسی بہانے کی
ہمیں کو پڑ گئی عادت فریب کھانے کی
پھر آئے لوگ ہوئیں کوششیں منانے کی
مگر وہ میں کہ نہ سمجھا ہوا زمانے کی
تمہاری ضد ہے اگر فاصلہ بڑھانے کی
تو ہم بھی آخری کوشش میں نبھانے کی
تری نظر کو چرا کر کوئی کہاں لے جائے
تری نظر تو نظر میں اک زمانے کی
تمہارے ہاتھوں میں ہم کیسے بستیاں سونپیں
تمہارے ہاتھوں کو عادت ہے گھر جلانے کی

("آنکھوں آنکھوں رہے" ص ۱۲)

وسیمؔ بریلوی کی وہ غزلیں ملاحظہ کریں جن میں فن قافیہ سے پہلو تہی کی ہے۔
غالبؔ راقمطراز ہیں

کہ ’’بھلا، میں تم سے پوچھتا ہوں‘‘ آب کجا، شراب کجا‘ کے ساتھ’’ تابہ کجا‘‘ کا قافیہ جائز رکھو رکھو گئے؟ یقین ہے کہ نہ رکھو گئے۔‘‘۱۸؎

ستم بخیر ترا زندگی کی شان گئی
وہ غم دیا کہ تلافی میں جس کی جان گئی
یہ لگ رہا ہے کہ ہر زخم بھرجاتا ہے
یہ کن لبوں پہ مرے دل کی داستاں گئی
نہ ہو شراب تو اب کون خون سے جام بھری
ہمارے ساتھ ہی بہ شان امتحاں گئی
خوشی میں درد کے پہلو تلاش کرتا ہوں
وسیمؔ جب سے مری آرزو کی آن گئی

(’’تبسم غم‘‘، ص۳۲)

اس کی آنکھوں سے کیا نیند چرانا ہے
خود کو بھی تو ساری عمر جگانا ہے
تجھ تک جس رستے سے ہو کر جانا ہے

اس پر تو پہلے سے ایک زمانہ ہے
کس سے بچنا کس سے ہاتھ ملانا ہے
سب کے پاس اپنا اپنا پیمانہ ہے
آگ ہوا پانی سے جو بھی رشتہ ہو
مٹی کے ہیں مٹی میں مل جانا ہے
کوئی نہ سمجھے کاش مری مجبوری کو
گھر کا غم لے کر محفل میں جانا ہے

("آنکھوں آنکھوں رہے" ص۲۲)

میں بجھا میرا گھر جگمگاتا رہا
کچھ لگا بھی تو ہو کچھ بھی جاتا رہا
زندگی نے کچھ ایسے لئے امتحاں
موت کا خوف تھا وہ جاتا رہا
ماننے کو یہاں کون تیار تھا
لاکھ میں اپنے رشتے بتاتا رہا
اب تو سمجھوتہ کرتے بنے گی وسیمؔ
آپ کے ہاتھ سے وقت جاتا رہا

("آنکھ آنسو ہوئی۔ ص۴۹)

الحاصل "تبسم غم" کی مندرجہ بالا غزل میں شان، جان، داستاں، امتحاں اور آن قوافی

ہیں جن میں داستاں اورامتحاں فن قافیہ کے نقیض ہیں کیوں کہ مطلع میں نون منقوط ہے ۔ دوسری غزل میں چرانا، جگانا، جانا، زمانہ، ملانا، پیمانہ، جانا اور جانا قوافی ہیں جس کے مطلع میں الف حروف روی جب کہ زمانہ اور پیمانہ فن قافیہ کے نقیض ہیں نیز جانا کا تکرار بھی ہے جو نقص قافیہ ہے۔ اور آخر غزل میں جگمگاتا، جاتا، جاتا، بتاتا اور جاتا قوافی ہیں جن ''جاتا'' کا تکرار ہے جوفن قافیہ کا نقیض ہے۔ الحاصل مندرجہ بالا غزلوں میں وسیم بریلوی نے فن قافیہ کے اصولوں سے پہلوتہی کی ہے۔

راہِ وفا کے فاصلے کچھ معتبر نہ تھے
اچھا ہوا کہ آپ میرے ہمسفر نہ تھے

(''تبسم غم''ص ۶۸)

کھل کے ملنے کا سلیقہ آپ کو آتا نہیں
اور میرے پاس کوئی چور دروازہ نہیں

(''آنکھ آنسو ہوا''ص ۱۹)

اسے سمجھنے کا کوئی تو راستہ نکلے
میں چاہتا بھی یہی تھا وہ بے وفا نکلے

(''مزاج''ص ۲۳)

جس سے رشتہ ہے کاروبار کا ہے
ایک بھی کوئی اعتبار کا ہے

(''آنکھوں آنکھوں رہے'' ۸۶)

''تبسم غم'' کی غزل کے مندرجہ بالا مطلع میں معتبر اور ہمسفر قوافی ہیں جن سے مطلع کا وجود قائم ہوتا ہے ہم سفر کا قافیہ مرکب ہے جو نقیض مطلع ہے۔ ''آنکھ آنسو ہوئی'' کی غزل کے مطلع میں آتا اور دروازہ قوافی ہیں جن ''الف'' اور ''ہ'' کے حرف کا نقیض ہے۔ ''مزاج'' کی غزل کے مطلع میں راستہ اور وفا قوافی ہیں جن میں بھی حرف روی (ہ اور الف) کا نقیض ہے اور ''آنکھوں آنکھوں رہے'' کی غزل کے مطلع میں کاروبار اور اعتبار قوافی ہیں جن میں کاروبار مرکب ہے جو نقیض ہے۔ الحاصل مندرجہ بالا معروضات سے بخوبی واضح ہوجاتا ہے کہ وسیم بریلوی نے کئی فن مطلع سے پہلوتہی ضرور کی ہے۔

ہے وہ دِل جو ترے غم کو لے کر چل نہ سکے
وہی چراغ بجھائے گئے جو جل نہ سکے
ہم اس لئے نئی دنیا کے ساتھ چل نہ سکے
کہ جیسے رنگ یہ بدلی ہم بدل نہ سکے

الحاصل چل، جل، چل اور بدل قوافی ہیں۔ جن میں چل کا تکرار ہے جو حسن مطلع کا نقص ہے۔ (''تبسم غم'' ص۲۹)

ملے کچھ تو خوشی ہوگی نہ کچھ جائے تو غم ہوگا
تعلق جتنا اس دنیا کے ہنگاموں سے کم ہوگا
کہاں تک آنکھ روئے گی کہاں تک کس کا غم ہوگا
میرے جیسا یہاں کوئی نہ کوئی روز کم ہوگا

الحاصل غم، کم، غم اورکم قوافی ہیں جن میں غم اورکم دونوں کا تکرار ہے۔ جو حسن مطلع کانقص ہے۔(آنکھوں آنکھوں ہے'' ص۳۰)

یہ اپنا ظرف ہے جو دربدر ہونے نہیں دیتا
ادھر ہوجایئے تو ادھر ہونے نہیں دیتا
کسی کوشش کو میری کارگر ہونے نہیں دیتا
یہ گھر کا خواب ہے جو گھر کو گھر ہونے نہیں دیتا

الحاصل دربدر، ادھر، کارگر اور گھر قوافی ہیں جن میں دربدر اور کارگر دونوں مرکب ہیں جو حسن مطلع کانقص ہے۔(آنکھوں آنکھوں ہے'' ص۸۵)

اپنے انداز کا اکیلا تھا
اس لئے میں ا بڑا اکیلا تھا
پیار تو جنم کا اکیلا تھا
کیا میرا تجربہ اکیلا تھا

الحاصل کا، بڑا، کا اور تجربہ قوافی ہیں جن میں 'کا' کا تکرار ہے نیز حرف ردی الف اور ہ کا نقیض ہے جو حسن مطلع کا نقص ہے۔ باالتحقیق مندرجہ بالا معروضات سے واضح ہوتا ہے کہ وسیم بریلوی نے فن حسن مطلع سے کئی نہ کئی پہلوتہی کی ہے۔اور ایک ناقص ثانی حسن مطلع کی مثال بھی ملاحظہ کریں۔(آنکھوں آنسو ہوئی'' ص۵۷)

مجھے بجھا دے مرا دور مختصر کردے
مگر دیئے کی طرح مجھ کو معتبر کردے
مری تلاش کو بے نام و بے سفر کردے
میں تیرا راستہ چھوڑوں تو دربدر کردے
بکھرتے ٹوٹتے رشتوں کی عمر ہی کتنی
میں تیری شام ہوں آجا میری سحر کردے

الحاصل مختصر معتبر، سفر، دربدر، عمر اور سحر قوافی ہیں جن میں دربدر مرکب ہے جو ثانی حسن مطلع کا نقص ہے۔(''مزاج''ص۱۲)

مندرجہ بالا دلائل کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ وسیم بریلوی نے ہیئت کے اعتبار سے کلاسیکی غزلیں بھی کہی ہیں اور جدید دور کی روایت کو بھی اپنایا ہے اور ثانی حسن مطلع کو وجود عطا کیا ہے۔ یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دونوں مصرعے غزل کے پہلے شعر کے ہم قافیہ ہوں تو مطلع وجود میں آتا ہے اور جب غزل کے دوسرے شعر کے دونوں مصرعے بھی مطلع کے ہم قافیہ ہوں تو حسن مطلع جنم لیا ہے نیز جب غزل کا تیسرا شعر بھی مطلع کا ہم قافیہ ہو دونوں مصرعوں کے اعتبار سے تو ثانی حسن مطلع بن جاتا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مطلع، حسن مطلع اور ثانی حسن مطلع کے وجود میں آنے کا دارومدار قافیہ پر ہے تو پھر قافیہ کس طرح وجود میں آتا ہے۔ اگرچہ قافیہ کی شرط یہ ہے وہ ملفوظی ہوتا ہے شمس الرحمٰن فاروقی رقمطراز ہیں جو اس سوال کے جواب پر دلالت کرتا ہے۔ ملاحظہ کریں:

> ''قافیہ اس وقت قائم ہوتا ہے جب دولفظوں میں کم سے کم ایک حرف مشترک ہواور وہ حرف آخری ہواور اس کے پہلے جو حرکت یعنی زبر، زیر یا پیش وہ بھی مشترک ہو لہٰذا ''سم''، ''دم''، ''الم'' یہ سب قافیے صحیح ہیں لیکن ''ستم'' کا قافیہ ''جرم'' صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اگر چہ دونوں میں آخری حرف میم مشترک ہے لیکن میم کے پہلے میں ''ت'' پر زبر ہے اور ''جرم'' میں ر پر جزم ہے یعنی ر ساکن ہے، لیکن اگر حرف روی کے پہلے کے آنے والے حرف میں دونوں جگہ حرکت ہو تو اس بات کی اجازت ہے کہ وہ حرکتیں مختلف ہوسکتی ہیں۔ چنانچہ ''خوش'' کا قافیہ شش (بمعنی چھ) اور ''سم'' کا قافیہ ''گم'' ہوسکتا ہے''۔۱۹

بالتحقیق فنِ غزل پر وسیؔم بریلوی کوفنی مہارت حاصل ہے جو اُن کو عالم گیر شہرت و مقبول کا بھی ایک راز ہے۔ صنائع لفظی سے مرداد وہ اوصاف ہیں جو لفظوں کو عمدہ رعاتیوں، صنعت گری، ہنر مندی اور کاریگری کے ساتھ برتنے سے وجود میں آتے ہیں۔ صنائع صنعت کی جمع ہے پرنور الحسن نقوی راقمطراز ہیں کہ

> ''صنعت کا کمال یہ ہے کہ جب ہم شعر کو پڑھیں اور اس سے اس طرح متاثر اور محفوظ ہوں کہ صنعت کی طرف ذہن منتقل نہ ہو۔ اگر شعر کی تاثیر پر صنعت غالب آجائے تو یہ پینترے بازی

ہے۔"[۲۰]

وسیمؔ بریلوی کے کلام کولفظی اوصاف کی مثالوں کے ساتھ پیش کرتا ہوں جوعلم بدیع کے ضمن میں آتے ہیں۔

تجنیس تام مماثل:۔اسے مراد وہ ہم جنس الفاظ جن کے معانی الگ الگ ہوں تجنیس تام مماثل کہتے ہیں مندرجہ ذیل اشعار میں وسیمؔ بریلوی نے اس صنعت کو برتا ہے:

(ع)خزاں کے دور بھی کچھ دور چل کے چل نہ سکے

منا رہا تھا زمانے کو اک زمانے سے

(ع)آنگن کی دھوپ تھی ادھر آئی اُدھر گئی

زمین تو جیسی ہے ویسی ہی رہتی ہے لیکن

زمین ماننے والے بدلتے رہتے ہیں

(ع)تو تو نفرت بھی نہ کر پائے گا اس شدت کے ساتھ

(ع)تمہارے ساتھ سفر کو سفر نہیں جاتا

(ع)وہ اعتبار دلائے اور اعتبار نہ ہو

وسیمؔ شہرتیں ضد میں قبول کیں ورنہ

میں اس کے ہوتے کسی اور کا نہیں ہوتا

(ع)میں نے ہی آواز تجھے دی تو تو ایک سناٹا تھا

تجنیس مذیل:۔ اِسے مراد وہ ہم جنس الفاظ جس میں ایک لفظ کے آخر میں دو حرف زیادہ ہوں تو تجنیس مذیل کہتے ہیں۔ امثلہ ملاحظہ کریں:

(ع)میں پی رہا ہوں پینا انہیں عذاب نہیں
(ع)مٹانا چاہوگے، مجھ کو مٹا نہ پاؤ گے
(ع)تم اپنے چہرے کا ہم سے حساب لے لینا
(ع)نہ میرا غم کوئی سمجھا ، نہ میں نے سمجھایا
(ع)بجھتے ہیں تو بجھ جائیں کوئی غم نہیں کرتے
(ع)میں خوابوں کو اگر خواب ہی سمجھا ہوتا
(ع)جا دکھا دنیا کو مجھ کیا دکھاتا ہے غرور
(ع)کہ میں بھٹکوں تو بھٹک کر بھی اسی تک پہنچو
(ع)کہ تو مل بھی اگر جائے تو اب ملنے کا غم نہ ہوگا
کس منظر کو کوئی آنکھ بھر کر مانگ لیتا ہے
مگر یہ بھی ہے کچھ آنکھوں کو منظر مانگ لیتا ہے
عرب کے چاند کی آمد سے پہلے کس نے سوچا تھا
کہ تپتی ریت کی قسمت میں ایسی چاندنی ہوگی
(ع)اپنوں کو اپنا کہا، چاہے کسی درجے کے ہوں
جو پیش پیش تھے بستی بچانے والوں میں

لگی جب آگ ، تو اپنا بھی گھر بچا نہ سکے

(ع)اسے بھلانے کو کہتے تو تھے، بھلا نہ دیا

(ع)تمہارا پیارا تو سانسوں میں سانس لیتا ہے

تم گرانے میں لگے تھے تم نے سوچا ہی نہیں

میں گرا تو مسئلہ بن کر کھڑا ہوجاؤں

تجنیس مضارع:۔ اسے مراد وہ ہم جنس الفاظ جن کے بعض حروف مختلف ہوں نیز ایک سے زیادہ حروف متحد المخرج یا قریب المخرج بھی ہوں امثلہ ملاحظہ کریں۔

روشنی اندھیروں کے دل میں پلتی رہتی ہے

ہائے کیسی راتوں میں شمع جلتی رہتی ہے

جس کو کمتر سمجھتے رہے ہو وسیم

مل کے دیکھو کہیں تم سے بہتر نہ ہو

جبر کا زہر کچھ بھی ہو پیتا نہیں

میں زمانے کی شرطوں پہ جیتا نہیں

(ع)سب سے جیتی بھی رہے سب کی چہیتی بھی رہے

(ع)رات تیری نہیں رات میری نہیں

سفر پہ آج وہی کشتیاں نکلتی ہیں

جنہیں خبر ہے ، ہوائیں بھر تیز چلتی ہیں

(ع)میرے چراغ الگ ہوں ترے چراغ الگ

(ع)جو مجھ میں تجھ میں چلا آرہا ہے صدیوں سے

تجنیس تام مستوفی :۔اس صنعت سے مراد تجنیس کے الفاظ مختلف جو قسم کے ہوں یعنی ایک فعل ہو، ایک اسم ہو یا حروف ہو تو یہ صنعتِ لفظی تجنیسِ تام مستوفی کہلاتی ہے۔

مجھے حیات کی مجبور یاں نظر آئیں

نظر سے جب کوئی لوحِ مزار گذاری ہے

(ع)پھول ہونا ہی نہیں پھول نظر آنا بھی

(ع)اس طرح تو ملنا کوئی ملنا نہیں لگتا

(ع)تنہائی میں بھی اسے تنہا نہیں لگتا

(ع)سحر سا پیدا ہوا تھا سحر سے شام ہوا

(ع)کہاں سے قصہ چلا تھا کہاں تمام ہوا

(ع)تو پھر خدا نے بھی اس ہاتھ میں دیا نہ دیا

(ع)توتو نفرت بھی نہ کرپائے گا اس شدت کے ساتھ

(ع)جو زندہ ہو تو پھر زندہ نظر آنا ضروری ہے

(ع)میرا کہلانے کا مطلب یہ تو نہیں تو میرا ہو

تیرے چہرے کی اداسی پہ ہے دنیا کی نظر
میرے حالات پہ کس کی نظر جائے گی

تجنیس ناقص وزائد:۔اس صنعت لفظی سے مراد تجنیس کے دو الفاظ میں صرف ایک حرف کی کمی یا بیشی ہو جائے تجنیس ناقص وزائد کہتے ہیں۔اس صنعت کو وسیم بریلوی نے کلام میں برتا ہے۔امثلہ ملاحظہ کریں۔

(ع) کہ جیسے رنگ یہ بدلی ہے بدل نہ سکے
ہماری جان گئی جائے دیکھنا یہ ہے
کہیں نظر میں نہ آجائے مارنے والا
(ع) کلیجہ چاہئے دشمن سے دشمنی کے لئے
(ع) اس نے کھویا ہے مجھے مجھ پہ بھروسہ کرکے
(ع) میں رہ رہا ہوں یہاں میرا گھر بتاتا ہے
(ع) اک ایسے شخص کے ہاتھوں میں دے دیا خود کو
(ع) دکھائیں تو کسے کس کی نظر میں آنے والے ہیں
(ع) کسی سے بچھڑو ، تو یہ سوچ کر بچھڑ جانا
(ع) اُڑا تو ایک زمانہ مری اُڑان میں تھا

تکریر مستانف:۔یہ وہ صنعتِ لفظی ہے جس میں ایک لفظ کا تکرار اس طرح آئے کہ لفظِ ثانی سے لفظِ اول میں ایک تازہ پہلو وجود میں آ جائے ہیں۔امثلہ ملاحظہ کریں۔

(ع)زندگی ہے تو زندگی کے لیے

(ع)دور سے ہی بس دریا دریا لگتا ہے

(ع)مٹی کے ہیں مٹی میں مل جانا ہے

(ع)بچھڑ کے تجھ سے کچھ جانا اگر تو اس قدر جانا

(ع)فقیر اس کو نہیں کہتے جو در در مانگ لیتا ہے

(ع)کیسے کیسے انھیں بھلاؤں گا

(ع)میں زندہ ہوں اس زندہ ضمیری کی بدولت ہی

(ع)جو زندہ ہو تو پھر زندہ نظر آنا ضروری ہے

(ع)خود چلو تو چلو آسرا کون دے

(ع)کہ اس نے دیکھا مجھے اور دیکھتا نہ لگا

(ع)وہ اعتبار دلائے اور اعتبار نہ ہو

(ع)وہ پرایا بھی ہو کے پرایا نہیں

(ع)کل کا وعدہ نہ لو کون جانے کہ کل

اک قدم بھی نہ اٹھتا تری راہ میں

میں اگر راہ کا فاصلہ دیکھتا

(ع)سارے رنگ آ گے ایک ہی رنگ میں

(ع)تمہارے ساتھ سفر کو سفر نہیں جانا

بہت دنوں میں زمانے کی ٹھوکروں میں رہا

کہو زمانے سے ، اب میرا انتظار کرے

(ع)دل ہے اور دل کی بے لباسی ہے

(ع)اس کو کیا معلوم کہ اس بازار میں کیا کیا بکتا ہے

جو ہوتا پاؤں میں کانٹا نکال سکتے تھے

کسی کے ذہن کا کانٹا نکال دیں کیسے

حسن جلوؤں ہی تک نہیں محدود

حسن حسن نظر بڑھاتا ہے

الحاصل اس صنعتِ لفظی سے کلام میں ایک نئی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

تکریر موکد:۔ یہ صنعت الفاظ کی تکرار سے لفظ کے معنی میں زور پیدا کرتی ہے۔اس صنعت لفظی کو وسیم بریلوی نے بخوبی برتا ہے امثلہ ملاحظہ کریں۔

(ع)نظر میں آئیں گے چہرے نہ جانے کس کس کے

(ع)گھر کے انداز ہی گھر سے جاتے رہے

(ع)نہ اب وہ گھر ہے نہ اس گھر کے لوگ یاد وسیم

میں ایسے لوگوں میں اپنوں کا ذکر کرتا تھا

جنہیں کبھی مرے اپنوں سے واسطہ نہ پڑے

تم آ گئے ہو تو کچھ چاندنی سی باتیں ہوں
(ع)زمین پہ چاند کہاں روز روز اترتا ہے
کیا عجب آرزو گھر کے بوڑھوں کی ہے
شام ہو تو کوئی گھر سے باہر نہ ہو

کیسی توہین لفظ ہستی ہے
رہنے والوں یہ کیسی بستی ہے

(ع)موسم کو ہم نہیں بدلتے موسم ہمیں بدلتے ہیں
رشتوں کو بار بار سمجھنے کی آرزو
کہتی ہے، پھر ملے، تو کوئی بے وفا ملے
(ع) گھر کے انداز ہی گھر سے جاتے رہے
ریزہ ریزہ بکھرنا مقدر ہوا
ہار کر بھی کبھی ہار مانی نہیں
طرح طرح ترے بارے میں سوچ کر دیکھا
مگر کسی بھی طرح اعتبار کم نہ ہوا

تکریرِ مطلق:۔اس صنعتِ لفظی میں لفظ کا تکرار ہوتا ہے جس سے غنائیت وموسیقی پیدا ہوتی ہے۔اس صنعت کو وسیم بریلوی نے فنی مہارت سے برتا ہے۔امثلہ ملاحظہ کریں

اس زمانے سے سفر کرتے اگر کر سکتے
موت سے پہلے ہی مر جاتے اگر مر سکتے

(ع)کس نے یہ ہندوستاں، ہندوستاں رہنے دیا
(ع)تو گیا تو گیا پھر کہاں آئے گا
(ع)لمحہ لمحہ کٹ رہی ہے زندگی
(ع)ان دنوں تم جو روٹھے روٹھے ہو
(ع)پھر وہی ہم، وہی اداسی ہے
تم سے کسی کا پیار نہ سمجھا جائے گا
(ع)کہ بہتے بہتے یہ دریا اچھال لیتا ہے
(ع)کسی کا بوجھ کسی نے کسی پہ ڈال دیا
(ع)تمہیں تو بیٹھے بیٹھے چلنے والوں کو بتانا ہے
(ع)دیکھتے دیکھتے لہروں سے ہم آغوش ہوا
(ع)یوں راہ میں مڑ مڑ کے مری سمت نہ دیکھو
(ع)جو زندہ ہوتو پھر زندہ نظر آنا ضروری ہے
(ع) کہاں سے بچ کے چلنا ہے کہاں جانا ضروری ہے
(ع) کیا سفر اور کیا سامان ہے

تکریرمع الوسائط:۔اس صنعتِ لفظی میں الفاظ کی تکرار اس طرح ہوتی ہے کہ دونوں الفاظ کے درمیان کوئی اور لفظ حد فاصل ہوتا ہے۔امثلہ ملاحظہ کریں۔

(ع) خزاں کے دور بھی کچھ دور چل کے چل نہ سکے
(ع)تو گیا تو گیا پھر کہاں آئے گا
(ع)پاس جاؤں تو ریت ہی ریت ہے
(ع)میری قیمت لگی کی لگی رہ گئی
(ع)تمہارے ساتھ سفر کو سفر نہیں جانا
(ع) کہاں ثواب کہاں کیا عذاب ہوتا ہے
(ع)سنگ اٹھاؤ سنگ کہ دیکھو پتھر ہے پتھر کا جواب
(ع)خواب دیکھوں خواب سی تعبیر ہو سکتی ہے
(ع)اس نے میرا خواب میرا ہی کہاں رہنے دیا
(ع)آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات تو کرکے دیکھتا
(ع)ایک آتے ایک جاتے زمانے کے درمیاں
(ع)کوئی مانے نہ مانے اس کی مرضی
(ع)میرے جیسا یہاں کوئی نہ کوئی روز کم ہوگا
(ع)یہ اپنا ظرف ہے جو دربدر ہونے نہیں دیتا
(ع)یہ گھر کا خواب ہے جو گھر کو گھر ہونے نہیں دیتا

(ع) کوئی در کھولے نہ کھولے ہم پکارے جائیں گے

(ع) پیار تو پیار ہے پیار مرتا نہیں

ردالعجز علی العروض مع التجنیس: ۔اس صنعت لفظی میں فن کار کسی شعر میں عجز میں ایک لفظ برتا ہے اور وہی لفظ عروض میں بھی برتا ہے اور دونوں الفاظ ہم جنس ہوتے ہیں۔

غموں پر ہم ہی اگر یوں نہ التفات کریں
یہ بے گناہ کہاں جائیں کس سے بات کریں

کبھی لفظوں سے غداری نہ کرنا
غزل پڑھنا اداکاری نہ کرنا

آج کا یہ زمانہ اسی کا لگے
وہ جو پیاسا نہ ہو اور پیاسا لگے

ایک کہانی دل پہ لکھی رہ گئی
وہ نظر جو مجھے دیکھتی رہ گئی

زندگی کی تجھ پہ اب کوئی الزام کیا رکھے
اپنا احساس ہی ایسا ہے جو تنہا رکھے

شب مے خانہ بھی جب تجھ پہ گراں گذرے گی
زندگی تو ہی بتادے کہ کہاں گذرے گی

میں آسماں پہ بہت دیر رہ نہیں سکتا

مگر یہ بات زمین سے تو کہہ نہیں سکتا

مجھے بجھادے مرا دور مختصر کردے

مگر دیئے کی طرح مجھ کو معتبر کردے

وسیم کل اسی محفل میں سرِ بلند بھی تھے

جہاں پہ بیٹھے ہیں ہم آج سرِ جھکائے ہو

یہ گونگوں کی محفل ہے نکلنا ہی پڑے گا

کیا اتنا خطا کم ہے کہ ہم بول پڑے ہیں

کون سی بات کہاں کیسے کہی جاتی ہے

یہ سلیقہ ہو تو ہر بات سنی جاتی ہے

ردالعجز علی العروض مع التکرار: ۔اس صنعت میں بھی فنکار عجز میں ایک لفظ برتا ہے اورعروض میں بھی ایک لفظ برتا ہے جو معنی اور صورت کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں

دل ہیں اشکوں کی اب نشانی سے

جل رہے ہیں چراغ پانی سے

میرے غم کو جو اپنا بتاتے رہے

وقت پڑنے پہ ہاتھوں سے جاتے رہے

پیار کی پھانس کس طرح نکلتی بھی نہیں

خط جلا ڈالئے تحریر تو جلتی بھی نہیں

بدگمانی کا صدقہ اتارا گیا

شہر میں پھر کوئی آج مارا گیا

ذراسا قطرہ کہیں آج اگر ابھرتا ہے

سمندروں ہی کے لہجے میں بات کرتا ہے

اپنے چہرے سے جو ظاہر ہے چھپائیں کیسے

تیری مرضی کے مطابق نظر آئیں کیسے

تیری بزم تک آؤں جو یہ آنا راس آئے

یہ سنا ہے جو گئے ہیں وہ بہت اداس آئے

تجھ کو سوچا تو پتہ ہوگیا رسوائی کو

میں نے محفوظ سمجھ رکھا تھا تنہائی کو

زخم کو پھول کہا درد میں درماں دیکھا

پیار جیسا بھی کسی نے کوئی ناداں دیکھا

تخاطب میں جو میرے نام کا اعلان ہوجائے

تمہارا کیا بگڑتا ہے میری پہچان ہوجائے

ہمارے زخموں پہ پردہ ضرور ڈال دیا

کماں سے تیر کہاں آپ نے نکال دیا

زندگی کتنے زخم کھائے ہے

پھر بھی کیا شے ہے مسکرائے ہے

آنکھ میں ہوں آنسو کہلائیں

گھر چھوٹے مٹی ہوجائیں

رات کے ہاتھوں دن نکلنے لگے

جائیدادوں کے مالک بدلنے لگے

کبھی لفظوں سے غداری نہ کرنا

غزل پڑھنا اداکاری نہ کرنا

میں یہ نہیں کہتا کہ میرا سر نہ ملے گا

لیکن مری آنکھوں میں تجھے ڈر نہ ملے گا

لزوم مالا یلزم:۔اس صنعت لفظی میں فنکار قافیہ کے حرف روی کے قبل کسی حرف کو برتنے کا التزام کرتا ہے اور تمام قوافی میں اس کا التزام کرتا ہے امثلہ ملاحظہ ہوں

وسیمؔ جی چکے مرنے کا اہتمام کریں

بہت چلا یہ افسانہ چلو تمام کریں

کبھی لفظوں سے غداری نہ کرنا

غزل پڑھنا، اداکاری نہ کرنا

وہی مرنے پہ فنکاری نہ کرنا

لفافے کا ٹکٹ جاری نہ کرنا

خوشی کا ساتھ ملا بھی تو دل پہ بار رہا

میں آپ اپنی تباہی کا ذمہ دار رہا

مری حیات پہ کس کس کا اختیار رہا

اسی پرندے کا شاخوں کو انتظار رہا

تجھے جو اپنا جتانے کو بے قرار رہا

کوئی بھی دور ہوا مجھ کو سازگار رہا

سانس کا مطلب جان نہیں ہے

جینا کوئی آسان نہیں ہے

خاک سمجھے گا مصمد تری انگڑائی کو

ایک قطرہ ہی بہت ہے تری رسوائی کو

اب ان آنکھوں میں کوئی کہانی ہے

کیسے دریا ہوئے جن میں پانی نہیں ہے

کہاں ثواب کہاں کیا عذاب ہوتا ہے

محبتوں میں کب اتنا حساب ہوتا ہے

مری حیات شکستوں پہ سوگوار نہ ہو

کہیں یہ رسم ستم ہی تیرا سنگھار نہ ہو،

گناہ سے روکنے والو گناہگار نہ ہو
وہ مسکرائے جسے زندگی سے پیار نہ ہو
تجھے بھی آج کہیں میرا انتظار نہ ہو
کہ یہ حیات جہاں تک کسی پہ بار نہ ہو
تخاطب میں جو مرے نام کا اعلان ہوجائے
تمہارا کیا بگڑتا ہے مری پہچان ہوجائے
تو یہ رشتہ نبھانا کس قدر آسان ہوجائے
یہی خطرہ لگا رہتا ہے کب طوفان ہوجائے

اشتقاق:۔ اس صنعتِ لفظی میں بعض الفاظ ایسے برتے جاتے ہیں جو ایک ہی مادہ سے مشتق ہوں نیز اصل حروف کی ترتیب بھی برقرار رہے اور حقیقی معنی سے ربط ہو۔

(ع) کون ظالم ہے کون ہے مظلوم
(ع) جا، دکھا دنیا کو مجھ کو کیا دکھاتا ہے غرور
جانا ہی تھا، تو جاتا، اسے اختیار تھا
جاتے ہوئے یہ بات مجھے کیوں بتا گیا
یہ دیکھنے کا سلیقہ بھی کس کو آتا ہے
کہ اس نے دیکھا مجھے اور دیکھتا نہ لگا
تمہاری سوچوں کے اکثر خلاف ہوتا ہے

تمہارے بارے میں دنیا تو سوچتی ہے میاں

(ع) آرزوؤں کا رشتوں سے رشتہ ہی کیا

(ع) میں خریدوں تجھے تو خریدے مجھے

(ع) ملتا ہی کیا جو مانگتے اپنی خوشی سے ہم

(ع) کلی کی طرح کھلو، کھلتے ہی بکھر جاؤ

دوسروں کو مٹانے کی دھن میں

آدمی خود کو یوں مٹاتا ہے

تمہارے بارے میں کچھ سوچنے کا حق نہیں

مگر تمہارے ہی بارے میں سوچتا ہوں

پتنگ جیسا یہ اڑنا بھی کوئی اڑنا ہے

کہ اڑ رہے ہیں مگر دوسروں کے ہاتھوں میں

صنعت فوقافیہ:۔ اس صنعتِ لفظی میں صرف وہی حروف برتے جاتے ہیں جوفوق النقاط ہوتے ہیں۔ مندرجہ ذیل مصرعے بطور نمونہ ملاحظہ کریں:

(ع)۔ کہ اس سے اور مرے غم کی عمر کم ہو گی

(ع) ہمارے دور کا شاعر تھا اس سے ہم نہ ملے

(ع) کون ظالم ہے کون ہے مظلوم

(ع) آنکھوں آنکھوں رہے اور کوئی گھر نہ ہو

(ع)کہاں قطرہ کی غمخواری کرے ہے

(ع)دعا کرو کہ سلامت رہے مری ہمت

(ع)سارا نشہ تو انتظار کا ہے

(ع)کدورتوں کو دلوں سے نکال کر رکھنا

(ع)ہم آنسوؤں کی طرح مسکرانے والے تھے

(ع)تو دوستی کا تقاضا ہے گھر کھلا دکھنا

(ع)کسی سے واسطہ رکھنا، تو دور کا رکھنا

(ع)لمحہ لمحہ کٹ رہی ہے زندگی

(ع)سفر کے ساتھ سفر کے نئے مسائل تھے

مندرجہ بالا مصرعہ میں صنعتِ لفظی صنعت فوقافیہ برتی گئی ہے اور پہلا مصرعہ صنعت عاطلہ کے بالکل قریب بھی ہے اگر غم کی جگہ الم ہوتا ہے تو پھر صنعت عاطلہ

صنعت تحتانیہ:۔اس صنعتِ لفظی میں تمام وہ حروف برتے جاتے ہیں جو تحت النقاط ہوتے ہیں۔امثلہ ملاحظہ کریں:

(ع)اس طرح سے اُداس بیٹھا ہے

(ع)آج یہ ہے کل اور یہاں ہوگا کوئی

(ع)بلاوا آئے گا چل دیں گے ہم بھی

(ع)کس کے ہیں، کس کے کہلائیں

(ع) گھر چھوٹے مٹی ہو جائیں

(ع)اور ابھی کچھ دھوکے دے لو

(ع)اس آس پر ہی یہاں موسم بہار گیا

(ع) مجھ میں ہے، مگر مجھ سے الگ بول رہا ہے

(ع)ملال یہ ہے یہ پودا بھی سوکھ جائے گا

صنعت ترافق:۔اس صنعتِ لفظی میں چار مصرعے وہ برتے جاتے ہیں جن کے باہمی ردّو بدل سے مضمون میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس صنعت کو وسیمؔ بریلوی نے عمدگی وفنی مہارت سے برتا ہے اور ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ردّو بدل سے مطلع میں بھی فرق نہیں پڑتا ہے۔

کب چشم الم ہوتی ہے نم دیکھ رہا ہوں

میں عشق میں خوداری غم دیکھ رہا ہوں

ان آنکھوں کو نم بعد ستم دیکھ رہا ہوں

یہ سازشی اندازِ کرم دیکھ رہا ہوں

مجھے بجھادے مرا دور مختصر کردے

''تبسم غم''

مری تلاش کو بے نام و بے سفر کردے

مگر دیئے کی طرح مجھ کو معتبر کردے

میں تیرا راستہ چھوڑوں تو دربدر کردے

''تبسم غم''

سوچیں تو خود سے شرمائیں
کس کے ہیں کس کے کہلائیں
آنکھ میں ہوں آنسو کہلائیں
گھر چھوٹے مٹی ہو جائیں

''آنکھ آنسو ہوئی''

دور سے ہی بس دریا دریا لگتا ہے
ڈوب کے دیکھ کتنا پیاسا لگتا ہے
تنہا ہو تو گھبرایا سا لگتا ہے
بھیڑ میں اس کو دیکھ کے اچھا لگتا ہے

''آنکھوں آنکھوں ہے''

ہمارے زخموں پہ پردہ ضرور ڈال دیا
کماں سے تیر کہاں آپ نے نکال دیا
نہ دی زبان مگر کیا عجب کمال دیا
خموش رہ کے بھی کہتا ہے دل کا حال دیا

''آنکھوں آنکھوں رہے''

قطرہ ہوں اپنی حد سے گزرتا نہیں
میں سمندر کو بدنام کرتا نہیں

تو اگر ایک حد سے گزرتا نہیں
میں بھی اپنی حدیں پار کرتا نہیں

''میرا کیا''

راہ وفا کے فاصلے کچھ معتبر نہ تھے
اچھا ہوا کہ آپ مرے ہم سفر نہ تھے
ہم غم نصیب لوگوں کے یہ ہم سفر نہ تھے
اک طنز تھے حیات پہ شام وسحر نہ تھے

قطع الحرف:۔ اس صنعتِ لفظی کا وصف یہ ہے کہ کسی خاص حرف یا حروف کو نہ برتنے کا التزام کیا جاتا ہے۔ وسیم بریلوی کے کلام میں اس صنعت کو برتا گیا ہے اور قطع الف کی مثال ملتی ہے جو سب سے مشکل ہے:

(ع) زندگی رحم کو ترستی ہے
(ع) گذشتہ شب کی تصور فرشیوں کے بعد
(ع) جگر کے زخموں پہ کس کی نظر گئی ہو گئی
(ع) مگر دیئے کی طرح مجھ کو معتبر کردے
(ع) کھو گئی مل گئی وقت کی دھول میں
(ع) خوشبوئیں تو قبیلوں میں بٹتی ہیں

(ع)لوگ باتیں ہوئے لوگ قصے ہوئے

(ع)میلے کی رونقوں میں بہت گم تو ہو وسیمؔ

(ع)ہر آدمی کے مقدر میں گھر نہیں ہوتا

(ع)پہلے تو لو، پھر کچھ بولو

(ع)وہ نظر جو مجھے دیکھتی رہی گئی

(ع)وسیمؔ رشک سے دیکھوں نہ کیوں پرندوں کو

(ع)عجیب لوگ تھے قبروں پہ جان دیتے تھے

(ع)نہیں لمحہ بھی جس کی دسترس میں

(ع)یہ تشنگی تو مجھے زندگی سے پیاری ہے

(ع)عمر بھر تجھ سے بچھڑنے کی کسک ہی نہ گئی

کیسی توہین لفظ ہستی ہے

زندگی رحم کو ترستی ہے

تضریح:۔ وہ صنعتِ لفظی ہے جس میں صدر کے پہلے لفظ کا آخری حرف جو ہوتا ہے وہی عجز کے آخری لفظ کا آخری حرف بھی وہی ہوتا ہے۔ جس کو وسیمؔ بریلوی نے برتا ہے۔

اندھیرے صرف اندھیرے، نظر کدھر جائے

یہ شب بھی یاد رہے گی اگر گذر جائے

ترے خیال کے ہاتھوں کچھ ایسا بکھرا ہوا

کہ جیسے بچہ کتابیں اِدھر اُدھر کردے

اچھا ہے جو ملا وہ کہیں چھوٹتا گیا
مڑ مڑ کے زندگی کی طرف دیکھتا گیا

اپنا یہ المیہ ہے کہ ہم ذہنی طور پر
اس شہر میں رہے جو ابھی تک بسا نہ تھا

سوچنے سے کوئی راہ ملتی نہیں
چل دیئے ہیں تو راستے نکلنے لگے

مجھے پڑھتا کوئی تو کیسے پڑھتا
مرے چہرے پہ تم لکھے ہوئے تھے

تونے کاندھے پہ جگہ دی ہے تو سر لگتا ہے

مجھے دیکھو کہ میں اس کو ہی چاہوں
جسے سارا زمانہ چاہتا ہے

خدا محفوظ رکھنا چاہتا ہے جب دیا کوئی
تو پھر ظالم ہواؤں کو خبر ہونے نہیں دیتا

میں بھی تیرا نہیں تو بھی میرا نہیں
سچ تو یہ ہے کہ کوئی بھی کسی کا نہیں

مجھے دنیا کی خواہش ہو رہی ہے
مرے اندر ہی سازش ہو رہی ہے

موصل:۔شعر میں ایسے الفاظ لانا جن کے حروف متصل ہوں۔اس صنعت لفظی کی کئی اقسام ہیں۔دوحرفی ، سہ حرفی ، چار حرفی اس صنعتِ لفظی کو وسیم بریلوی نے برتا ہے۔

(الف) دوحرفی موصل کی امثلہ ملاحظہ کریں:

یہ راہِ صنم خانہ ہے وہ راہ حرم ہے
کس راہ پہ اُٹھتے ہیں قدم دیکھ رہا ہوں
لوگ کچھ بھی کہیں اور میں چپ رہوں
یہ سلیقہ مجھے جانے کب آئے گا
دکھ ایسا اگر ہم کو بتاتا نہیں آتا
تم کو بھی تو اندازہ لگانا نہیں آتا
زندگی تیرے لئے میں نے بہت کچھ کھویا
یہ نہ سمجھا تھا کہ بے نام ونشان گذرے گی
کوئی نہ سمجھے کاش میری مجبوری کو
گھر کا غم لے کر محفل میں جانا ہے
(ع)ورنہ ہر اک نگاہ تو رفتار پہ گئی
تم تو اپنے آپ میں ہی گم رہتے ہو

تم سے کسی کا پیار نہ سمجھا جائے گا
اُدھورے خوب، گئے دن اَجان اندیشے
(ب) سہ حرفی موصل کی امثلہ ملاحظہ کریں۔
کب چشم الم ہو تی ہے نم دیکھ رہا ہوں
میں عشق میں خودداری غم دیکھ رہاہوں
حسن بازار ہوا کیا کہ ہنر ختم ہوا
آیا پلکوں پہ تو آنسو کا سفر ختم ہوا
بدگمانی کو نگاہوں کے لگے ہیں پہرے
تیرا یہ شہر ایک اندیشہ ہوا جائے ہے
خشک مٹی ہی نے جب پاؤں جمانے نہ دیئے
بہتے دریا سے پھر امید کوئی کیا رکھے
دھوپ کے شہر میں‌اک عمر نہ چلنا پڑتا
ہم بھی کاش کسی پیڑ کے سائے ہوتے
جو پیش پیش تھے بستی بچانے والوں میں
لگی جب آگ تو اپنا بھی گھر بچانے سکے
یہ دل کہ جس کی رسائی میں کیا نہیں ہوتا
دکھے بغیر کسی کام کا نہیں ہوتا

میرے قلم پہ زمانے کی گرد ایسی تھی
کہ اپنے بارے میں کچھ بھی نہ لکھ سکا یارو

(ج) چار حرفی موصل کی امثلہ ملاحظہ کریں:۔

وہ سہا سہا تبسم اُن کا وسیمؔ چشم کرم اُٹھا کر
کہ جیسے کوئی ٹھہر رہا ہو سفر میں پہلا قدم اُٹھا کر

سہارا لینا ہی پڑتا ہے مجھ کو دریا کا
میں ایک قطرہ ہوں تنہا تو بہہ نہیں سکتا

یہ سر عظیم ہے جھکنے کہیں نہ پائے وسیمؔ
ذرا سی جینے کی خواہش یہ مر نہیں جاتا

وہ میری پیٹھ میں خنجر ضرور اتارے گا
مگر نگاہ ملی تو کیسے مارے گا

(ع) آج پی لینے دے ساقی مجھے جی لینے دے

(ع) دل تشنہ تشنہ یہ بھول جا کہ یہ پالیا وہ گنوادیا

منشاری:۔ یہ وہ صنعتِ لفظی ہے جس کے کسی مصرعہ یا شعر میں سب یا زیادہ حروف داندانے والے برتے جائیں۔ وسیمؔ بریلوی نے اس صنعت کو برتا ہے۔

(ع) حسن سب ناز عشق سارا نیاز

تھکے ہارے پرندے جب بسیرے کیلئے لوٹیں

سلیقہ مند شاخوں کا لچک جانا ضروری ہے

کھو نہ دینا کہیں ٹھوکروں کا حساب

جانے کس کس کو رستہ بتانا پڑے

(ع)یہ بار بار تری سمت ذہن کا جانا

(ع)تجھے بھی آج کہیں میرا انتظار نہ ہو

اوس کا ننھا سا قطرہ سمجھائے گا

سورج کی نظروں میں کیسے آنا ہے

کہاں پہنچ گئی دنیا اسے پتہ ہی نہیں

جو اب بھی ماضی کے قصے سنائے جاتا ہے

بستیاں ہوگئیں ویران سبھی جانتے ہیں

آپ سے کون کہے آپ نگہباں ٹھہرے

یہ اپنی مرضی سے اپنی جگہ بناتے ہیں

سمندروں کو کوئی راستہ نہیں دیتا

یہ چھوٹے چھوٹے دیئے سازشوں میں رہتے ہیں

کسی کا گھر کوئی سورج جلا نہیں سکتا

گھر کی سب رونقیں مجھ سے اور میں وسیمؔ

طاق پر اک دئے جیسا جلتا رہا

ہزار توڑ کے آجاؤں اس سے رشتہ وسیمؔ
میں جانتا ہوں وہ جب چاہے گا بلائے گا
میں نے ہنس ہنس کر گزارا ہے تجھے
زندگی تجھ پر مرا احسان ہے
مسلسل حادثوں سے بس مجھے اتنی شکایت ہے
کہ یہ آنسو بہانے کی بھی تو مہلت نہیں دیتے
بہت بھروسہ نہ کر لینا اپنی آنکھوں پر
دکھائی دیتا ہے جو کچھ وہ خواب ہوتا ہے

صنعت نظم النثر :۔اس صنعتِ لفظی میں منظوم کلام کو نثر کی طرح لکھا بھی جا سکے اور نثر کی طرح پڑھ بھی جا سکے تو صنعت نظم النثر کہلاتی ہے، نیز پڑھتے وقت منظوم کلام کا احساس بھی ہو۔امثلہ ملاحظہ کریں۔

وسیمؔ ایسے زمانے میں اس مزاج کے ساتھ
یہ کم نہیں ہے کہ ہم زندگی گذار چلے

نظم النثر :۔وسیمؔ اس زمانے میں ایسے مزاج کے ساتھ یہ کم نہیں ہے کہ ہم زندگی گذار چلے:

دیر سے ایک نا سمجھ بچہ
اک کھلونے کے ٹوٹ جانے پر
اس طرح سے اُداس بیٹھا ہے

جیسے میت قریب رکھی ہو
اور مرنے کے بعد ہر ہر بات
مرنے والے کی یاد آ تی ہو

نظم النثر :۔ایک نا سمجھ بچہ اک کھلونے کے ٹوٹ جانے پر اس طرح سے اُداس دیر سے بیٹھا ہے جیسے مرنے والے کی مرنے کے بعد ہر ہر بات یاد آتی ہے اور میت قریب رکھی ہو۔

لب پہ آ ئی ہو ئی باتوں کو سمجھنے والو
خاموشی بھی کبھی اک طرزِ بیاں رکھتی ہے

نظم النثر :۔لب پہ آئی ہوئی باتوں کو سمجھنے کو والو خاموشی بھی کبھی اک طرز بیان رکھتی ہے۔

پھل پڑوسی کے درختوں پہ نہ پکتے تو وسیمؔ
میرے آنگن میں یہ پتھر بھی نہ آئے ہوتے

نظم النثر :وسیمؔ پھل پڑوسی کے درختوں پہ نہ پکتے تو میرے آنگن میں یہ پتھر بھی نہ آئے ہوتے

مرے چراغ الگ ہوں ترے چراغ لگ
مگر اُجالا تو پھر بھی جدا نہیں ہوتا

نظم النثر :میرے چراغ الگ ہوں ترے چراغ الگ مگر اُجالا تو پھر بھی جدا نہیں ہوتا

میں اپنی طاقت انصاف کھو چکا ورنہ
تمہارے ہاتھ مرا فیصلہ نہیں ہوتا

نظم النثر :میں اپنی طاقت انصاف کھو چکا ورنہ تمہارے ہاتھ میرا فیصلہ نہیں ہوتا

کہیں بھی جائے میری ہم سفر سی لگتی ہے
وہ راہ جس میں کوئی نقش پا نہیں ہوتا

نظم النثر: وہ راہ جس میں کوئی نقش پا نہیں ہوتا کہیں بھی جائے مری ہم سفر سی لگتی ہے۔

جو بھی ملتا گلے لگا لیتا
کس قدر آئینہ اکیلا تھا

نظم النثر: جو بھی ملتا گلے لگا لیتا کس قدر آئینہ اکیلا تھا

تقاضہ وقت کا کچھ بھی ہو یہ دل
وہی قصہ پرانا چاہتا ہے

نظم النثر: تقاضہ وقت کا کچھ بھی ہو یہ دل وہی قصہ پرانا چاہتا ہے

اپنے ہی قد کے ہوگئے بچے
اب کہاں کوئی اختیار کا ہے

نظم النثر: اپنے ہی قد کے ہوگئے بچے اب کہاں کوئی اختیار کا ہے

ختم کب ہو یہ کچھ نہیں معلوم
ہر نفس پر ہے موت کا خطرہ
زندگی اس طرح ہے دنیا میں
جیسے کانٹے پہ اوس کا قطرہ

نظم النثر: دنیا میں زندگی اس طرح ہے جیسے کانٹے پہ اوس کا قطرہ ختم کب ہو یہ کچھ نہیں معلوم

موت کا خطرہ ہر نفس پر ہے۔

ذہنوں میں دیوار نہ ہو، تو
ملنا کوئی دشوار نہیں ہے

نظم النثر :ذہنوں میں دیوارِ نہ ہو،تو ملنا کوئی دشوار نہیں ہے۔

ساتھ تیرا نہ کچھ بدل پایا
میرا ہی راستہ اکیلا تھا

نظم النثر :ساتھ تیرا نہ کچھ بدل پایا میرا ہی راستہ اکیلا تھا

میں اپنے وعدے پہ قائم نہ رہ سکا ورنہ
وہ تھوڑی دور ہی جا کر تو لوٹ آیا تھا

نظم النثر :میں اپنے وعدے پہ قائم نہ رہ سکا ورنہ وہ تھوڑی دور ہی جا کر تو لوٹ آیا تھا۔

اک جدائی کا وہ لمحہ جو مرتا ہی نہیں
لوگ کہتے تھے کہ سب وقت گزر جاتے ہیں

نظم النثر :جدائی کا وہ اک لمحہ جو مرتا ہی نہیں لوگ کہتے تھے کہ سب وقت گزر جاتے ہیں۔

ان پہ جاں باز پرندوں نے بسیرا چاہا
جن پہاڑوں سے کبھی برف پگھلتی بھی نہیں

نظم النثر :ان پہ جاں باز پرندوں نے بسیرا چاہا جن پہاڑوں سے کبھی برف پگھلتی بھی نہیں۔

چھوڑ دو تم بھی مجھے سب کی طرح
راستو! میری کوئی منزل نہیں

نظم النثر: راستو! تم بھی مجھے سب کی طرح چھوڑ دو میری کوئی منزل نہیں۔

بڑا گماں تھا کہ یہ شہرِ زندگی ہے مگر
یہاں تو جو بھی ملا، اپنی لاش اٹھائے ہوئے

نظم النثر: یہاں تو جو بھی ملا، اپنی لاش اٹھائے ہوئے جگہ بڑا گماں تھا کہ یہ شہر زندگی ہے۔

تضمن المز دوج:۔ ہم قافیہ الفاظ جو کسی شعر میں قوافی کے علاوہ استعمال کیے جائیں تو یہ صنعت ضمن المز دوج کہلاتی ہے۔مندرجہ ذیل اشعار میں اس صنعت کو برتا ہے۔

اس زمانے سے سفر کرتے اگر کر سکتے
موت سے پہلے ہی مرجاتے اگر مر سکتے

اندھیرے صرف اندھیرے، نظر کدھر جائے
یہ شب بھی یاد رہے گئی اگر گذر جائے

یہ راہِ صنم خانہ ہے وہ راہِ حرم ہے
کس راہ پہ اُٹھتے ہیں قدم دیکھ رہا ہوں

پھر کیا رہی بھکنے سنبھلنے کی بات ہی
آنگن کی دھوپ تھی ادھر آئی ادھر گئی

تم تو اپنے آپ میں ہی گم رہتے ہو

تم سے کسی کا پیار نہ سمجھا جائے گا

وہ مرے سامنے ہی گیا اور میں

راستے کی طرح دیکھتا رہ گیا

کون احساس کی اس پیاس کو سمجھے گا وسیم

جو مجھ میں تجھ میں چلا آ رہا ہے صدیوں سے

(ع) کیسا دریا ہے کہ پیاسا تو نہ مرنے دے گا

(ع) سب سے جیتی بھی رہے سب کی چہیتی بھی رہے

فارسی مرکب اضافی: ۔مرکب اضافی دو کلمات میں زیر سے اضافت پیدا کرتی ہے جن کو وسیم بریلوی نے برت کر رعایتِ لفظی کا ثبوت دیا ہے۔

(ع) بہار جیسے شبِ انتظار گذری ہے

(ع) دلِ مغموم کیسا رونا ہے

(ع) وسیم میرے لئے گردشِ حیات نہیں

(ع) کیا یہی دورِ ترقی ہے وسیم

(ع) اندھیرا ذہن کا سمتِ سفر جب کھونے لگتا ہے

(ع) تو نے مجھ سے بھی کوئی گردشِ دوراں دیکھا

(ع) بڑے سلیقے سے اس دورِ بدگمانی میں

(ع) ایک جامِ شراب پیتا ہے

یہ سوگواری گلشن بتارہی ہے

ہائے قسمت کہ اب شریکِ سفر

میں ہی نادان تھا آدابِ سفر بھول گیا

چراغِ راہ کی قسمت پہ رحمآتا ہے

کتابِ زیست میں ایسا بھی باب ہوتا ہے

کتابِ ماضی کے اوراق اُلٹ کے دیکھ ذرا

(ع)پھر وہی تلخی حالات مقدر ٹھہری

(ع)یہی حادثاتِ غم ہیں،تو یہ ڈر ہے جینے والو!

یہی بزمِ عشق ہوگی، یہی دورِ جام ہوگا

(ع)مری زیست اک جنازہ جو راہِ وقت میں ہے

(ع)اس دورِ تنگ دل میں ترقی کے نام پر

(ع)مگر مسافرِ تنہا سے کارواں نہ بنا

وہی رسمِ راز ونیاز ہے مگر آج شرطِ وفا لئے

(ع)کسی بھی چشمِ کرم کا امیدوار نہ تھا

(ع)پھر بھی دل سے کہیں اندیشۂ غم جائے ہے

(ع)ٹھوکروں سے کیوں سکونِ دل نہیں

(ع)راہِ وفا کے فاصلے کچھ معتبر نہ تھے

(ع) ہم نے ٹی، وی کو کھلا وقتِ اذاں رہنے دیا

(ع) ہمارا عزمِ سفر کب کدھر کا ہو جائے

(ع) اس دورِ منصفی میں ضروری نہیں وسیمؔ

(ع) ہمیں نے کر دیا اعلانِ گمراہی ورنہ

(ع) زندگی دی ہے تو شرطِ عبادت نہ لگا،

(ع) ساری دنیا کی نظر میں ہے میرا عہدِ وفا

اضافت تخصیصی:۔ وہ اضافت ہے جس میں مضاف اپنے مضافِ الیہ سے خاص ہو جائے اضافت تخصیصی کہلاتی ہے۔ وسیمؔ بریلوی نے میں اس اضافت کو رعایت وتخفیفِ لفظی کو مدِنظر رکھتے ہوئے فنی مہارت سے برتا ہے۔ امثلہ ملاحظہ کریں:

(ع) ہمارے دور کا شاعر تھا اس سے ہم نہ ملے

(ع) وسیمؔ جب سے مری آرزو کی آن گئی

(ع) کتنی محکم تھی خزاں کی دسترس

عرب کے چاند کی آمد سے پہلے کس نے سوچا تھا

کہ تپتی ریت کی قسمت میں ایسی چاندنی ہوگی

میرے بچوں کے آنسو پونچھ دینا

لفافے کا ٹکٹ جاری نہ کرنا

(ع) کسی چراغ کا اپنا گھر نہیں ہوتا

(ع) اس کی آنکھوں میں کیا ڈھونڈتے ہو وسیمؔ

(ع) تمام شہر کی آنکھوں میں سرخ شعلے ہیں

(ع) کتاب ماضی کے اوراق الٹ کے دیکھ ذرا

(ع) ہم پہ بھی جینے کا الزام لگا جائے ہے

(ع) حسین خوابوں نے آنکھوں کا ساتھ جب چھوڑا

(ع) مجبوریوں کا شہر تھا بے گانگی کا دور

کتنی گناہگار ہے راتوں کی زندگی

ہمارے گھر کا پتہ پوچھنے سے کیا حاصل

اداسیوں کی کوئی شہریت نہیں ہوتی

حادثوں کی زد پہ ہیں تو مسکرانا چھوڑ دیں

زلزلوں کے خوف سے کیا گھر بنا چھوڑ دیں

راستوں میں بھی لٹنے کی روایت ہے وسیمؔ

توالی اضافت:۔ توالی اضافت سے مراد متواتر اضافت قائم کرنا ہے۔ ایک طرف یہ اضافت رعایتِ لفظی کا ذریعہ ہوتی ہے تو دوسری طرف صوتی آہنگ، غنائیت، ترنم، موسیقت اور دلنشیی کا باعث بن کر فن پارے اور فنکار کی انفرادیت کو بھی قائم و دائم رکھتی ہے۔ وسیمؔ بریلوی نے اس اضافت کو مستعمل کیا ہے۔ بعض امثلہ ملاحظہ کریں:

(ع) نہ ٹوٹے سلسلہ دورِ جام اے ساقی

(ع)آئینہ طوفان الم دیکھ رہا ہوں

(ع)کیسی توہین لفظ ہستی ہے

(ع)ہائے معصومیٔ دل انساں

(ع)دشمن تہذیب مشرق اور کیا چاہے گا تو

میں غم دوریٔ منزل مری دن بھر کی تھکن

(ع)اس دورِ ناشناس حقیقت میں اے وسیمؔ

(ع)دل شیشۂ ستم آشنا تو شکست کھا کے بکھر گیا

(ع) کیا ہم شریک گردش شام وسحر نہ تھے

شکستِ عشق بہرگام زندگی کے لئے

(ع)سکوتِ گور غریباں کو توڑ جاتا ہے

(ع)اہتمام شباب دوشیزہ

(ع)ہائے معصومی دل انسان

(ع) یہ دنیا آپکا نقشِ کفِ پا ڈھونڈتی ہوگی

(ع)سرورِ عشق احمدؐ کو کبھی گرتے نہیں دیکھا

(ع)آنکھوں سے خاکِ راہِ مدینہ لگا کے دیکھ

(ع)ذکر رسولِ پاک کی محفل سجا کے دیکھ

(ع)درِ حبیبِ خدا تک پہنچ گیا ہوتا

مرکب عطفی:۔ یہ مرکب معطوف الیہ ومعطوف کے اشتراک سے وجود میں آتا ہے۔ ان دونوں میں ربط حرف عطف سے پیدا ہوتا ہے نیز زیر سے بھی پیدا ہوتا ہے یعنی ’’وٗ‘‘ اور ’’زیر‘‘ کے عطوف الیہ اور معطوف کے باہمی ربط سے مرکب عطفی قائم ہوتا ہے۔ مرکب عطفی کو وسیم بریلوی نے فنی دست سے برتا ہے۔ امثلہ ملاحظہ کریں۔

(ع)فیصلہ حسن و عشق کا نہ ہوا

(ع)دو طنز تھے حیات پر شام وسحر نہ تھے

(ع)راہِ وفا میں آج مرے ہم سفر مجھے

(ع)پرندہ کیوں کسی شاخِ شجر کا ہوجائے

(ع)وسیم صبح کی تنہائی سفر سوچو

(ع)دشتِ شب میں وہ ایک چیخ کی گونج

(ع)جنھیں سلیقہ ہے تہذیب غم سمجھنے کا

(ع) کن شکستوں کے شب وروز سے گزرا ہوگا

(ع) یہ نہ سمجھا تھا کہ بے نام ونشاں گزرے گی

اب تو ہم ہیں در ودیوار سے باتیں ہیں وسیم

خانہ برباد کو گھرباد کہاں ملتا ہے

اک بسیرے کے لئے جو آب ودانہ چھوڑ دیں

وسیم بریلوی کے کلام میں صیغۂ متکلم حاضر اور غائب کا تکرار ہے امثلہ ملاحظہ کریں۔

کس اہتمام سے گذری ہے زندگی میری
نہ کوئی میرے لئے تھا نہ میں کسی کے لیے

(متکلم)

میری تلاش کو بے نام و بے سفر کردے
میں تیرا راستہ چھوڑوں تو در بدر کردے

(متکلم)

میں بھی تو اس باغ کا ایک پرندہ ہوں
مری ہی آواز میں مجھ کو گانے دے

(متکلم)

گھر ڈھونڈ رہے ہیں مرا راتوں کے پجاری
میں ہوں کہ چراغوں کو بجھا بھی نہیں سکتا

(متکلم)

یہ کس مقام پہ لائی ہے میری تنہائی
کہ مجھ سے آج کوئی بدگماں نہیں ہوتا

(متکلم)

ہراک اپنے لئے میرے زخم گنتا ہے
مرے لئے بھی کوئی ہو جو مجھ سے پیار کرے

(متکلم)

میں تو کھویا رہوں ترے پیار میں
تو ہی کہہ دینا تو بدلنے لگے

(متکلم اور حاضر)

میں یہ نہیں کہتا کہ مرا سر نہ ملے گا
لیکن مری آنکھوں میں تجھے ڈر نہ ملے گا

(متکلم اور حاضر)

تیرا خیال تیری طلب تیری آرزو
میں عمر بھر چلا ہوں کسی روشنی کے ساتھ

(متکلم اور حاضر)

میری تلاش کو بے نام و بے سفر کردے
میں تیرا راستہ چھوڑوں تو دربدر کردے

(متکلم اور حاضر)

(ع) میں خریدوں تجھے تو خریدے مجھے
(ع) میں تیری شام ہوں آجا مری سحر کردے

(متکلم اور حاضر)

تم نے بیکار ہی قسموں میں مجھے باندھ دیا
میرے ہونٹوں سے کہاں ذکر تمہارا ہوتا

(متکلم اور حاضر)

میں نے تو اس میں اک جہاں دیکھا
مجھ میں کیا بات اسے نظر آئی

(متکلم اور غائب)

وہ اتنا ٹوٹ کے مجھے ملا نہیں ہوتا
جو میرا ساتھ اسے چھوڑنا نہیں ہوتا

(متکلم اور غائب)

میں تو بھولا بھالا وسیم اور وہ فنکار سیاست کا
اس کے جب گھٹنے کی باری آئی مجھ کو جوڑ لیا

(متکلم اور غائب)

اس کو چاہا ہی ہے میں نے کچھ اس طرح
وہ کہیں بھی رہے صرف میرا لگے

متکلم اور غائب

میں اس کا دن بھی زمانے میں بانٹ کر رکھ دوں
وہ میری راتوں کو چھپ کر گزارنے والا

(متکلم اور غائب)

ماضی، حال اور مستقبل کا التزام:۔اس ضمن میں مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ کریں۔

اپنے ماضی کو نہ دہراؤ وسیم
سب کے سینے میں تمہارا دل نہیں

(حال و ماضی)

کوتاہی رہبر سے منزل نہ ملی ورنہ
دل بعد میں ڈوبا ہے بہکے تھے قدم پہلے

(حال و ماضی)

حسین خوابوں نے آنکھوں کا ساتھ جب چھوڑ
تو یہ لگا کہ میں گزرا ہوا زمانہ تھا

(حال و ماضی)

عجیب شرط سفر تھی جہاں پہ آج لئے
وہیں سے کل کے لئے راستہ بنانا تھا

(حال و مستقبل)

حال دکھ دے گا تو ماضی پہ نظر جائے گی
زندگی حادثہ بن کے گزر جائے گئی

(حال و مستقبل)

آج یہ ہے کل اور یہاں ہوگا کوئی
سوچو تو سب کھیل تماشا لگتا ہے

(حال و مستقبل)

آج پی لینے دے ساقی مجھے جی لینے دے
کل میری رات خدا جانے کہاں گزر گئی

(حال و مستقبل)

تجنیس لاحق

تجنیس لاحق سے مراد وہ دو حرف جو دو لفظوں میں برتے جائیں مگر اُن کی جائے مخرج جدا جدا ہو، امثلہ ملاحظہ کریں۔

روشنی ہے تو کس کام کی روشنی
آنکھ کے پاس جب کوئی منظر نہ ہو
کہاں تک آنکھ روئے گی کہاں تک کس کا غم ہوگا
مرے جیسا یہاں کوئی نہ کوئی روز کم ہوگا
(ع) تم تو اپنے آپ میں ہی گم رہتے ہو
(ع) بات بننے نہیں پاتی کہ بگڑ جاتی ہے
رات کے ٹکڑوں پہ چلنا چھوڑ دے

شمع سے کہنا کہ جلنا چھوڑ دے

میں نے تجھ سے تو بہت دیکھے مگر یہ تو بتا

تو نے مجھ سے بھی کوئی گردش دوراں دیکھا

اس نے میری راہ نہ دیکھی اور وہ رشتہ توڑ لیا

جس رشتے کی خاطر مجھ سے دنیا نے منہ موڑ لیا

(ع)بادکم ظرف نے گلشن میں ٹھہرنے نہ دیا

(ع)ہمیں خود میں سمٹنے کا فن نہیں آتا

(ع)پہلے تولو پھر کچھ بولو

ہماری آنکھ کے آنسو کی اپنی دنیا ہے

کسی فقیر کو شاہوں کا ڈر نہیں ہوتا

شاخ سے ٹوٹ کر جو ہواؤں میں تھے

ایسے پتے مرے خیر خواہوں میں تھے

تجنیس مرکب متشابہ: تجنیس مرکب متشابہ سے مراد وہ مرکب لفظ جو دوکلموں کے تناسب میں لکھا جائے تو تجنیس کے لفظ ثانی کے مطابق ہو۔امثلہ ملاحظہ کریں۔

لہو نہ ہو تو قلم ترجماں نہیں ہوتا

ہمارے دور میں آنسو زباں نہیں ہوتا

پیار کی پھانس کی طرح نکلتی بھی نہیں

خط جلا ڈالیے تحریر تو جلتی بھی نہیں

عجیب درد کا رشتہ دکھائی دیتا ہے

کہ ہر غم آشنا اپنا دکھائی دیتا ہے

تمہاری راہ میں مٹی کے گھر نہیں آتے

اس لئے تو تمہیں ہم نظر نہیں آتے

میں آسماں پہ بہت دیر رہ نہیں سکتا

مگر یہ بات زمیں سے تو کہہ نہیں سکتا

ہمارا عزم سفر کب کدھر کا ہوجائے

یہ وہ نہیں جو کسی رہ گزر کا ہوجائے

کیسے کہوں کہ وہ مرا غم خوار ہی نہ تھا

جو میرا ساتھ دینے کو تیار ہی نہ تھا

تمام عمر بڑے سخت امتحان میں تھا

وہ فاصلہ جو تیرے میرے درمیاں میں تھا

تلمیح:۔ لفظی معنی ہلکی نظر ڈالنے کے ہیں لیکن کلام میں کسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرنا تلمیح کہلاتا ہے۔مگرفنی اصطلاح میں تلمیح وہ طرز بیان جس سے الفاظ کی جزرسی ہوتی ہے۔اس ضمن میں وسیم بریلوی کے اشعار ملاحظہ کریں:

مالک نے تو کرائی فرشتوں سے بندگی

اپنے مقام آپ ہی انساں نے کھو دیے
میں تو گہرا کنواں ہوں اے لوگو!
کون میرے قریب آئے ہے
یہ زمانہ اکیلے مسافر کا ہے
اس زمانے کو پھر رہنما کون دے
بچھڑ گئے، تو کسی روز مل بھی جاؤ گے
یہ دنیا ایسی کہاں کی بہت بڑی ہے میاں
میں مخاطب ہوں، تو میرا نام بھی ہوگا کہیں
اس قدر بے ربط یہ تحریر ہو سکتی نہیں
میری حیات سے شاید وہ موڑ چھوٹ گئے
بغیر سمتوں کے راہیں جہاں نکلتی ہیں
عرب کے چاند کی آمد سے پہلے کس نے سوچا تھا
کہ تپتی ریت کی قسمت میں ایسی چاندنی ہوگی
کھیت سے بھوک اُگے دانۂ گندم جانے
آنکھ کے اشک کو اک موج تبسم جانے
مدینے حاضری دینے کا یہ معیار ہوجائے
وہی جائے کہ جس کو لوٹنا دشوار ہوجائے

ترے بے ضرر فرشتوں سے بھری پڑی ہے دنیا
مگر اس جہاں کی رونق تو گنہگار مانگے

رات ڈھلتی نہ تھی دن نکلتا نہ تھا
آپ سے پہلے موسم بدلتا نہ تھا

یہ مہر و ماہ دلیلیں ہیں ہر نظر کے لئے
کہ آسماں سجا تھا کسی سفر کے لئے

فلک ہوکے زمیں والوں کے غم میں مبتلا رہنا
نہ شان ایسی کہیں دیکھی نہ ایسی عاجزی پائی

دل مدینے میں رہے آنکھ میں بغداد رہے
زندگی ایسے جو گزرے تو بہت یاد رہے

الغرض پہلے شعر میں حضرتِ آدم جو سب سے پہلے انسان ہیں کے سامنے خالقِ آدم نے فرشتوں سے سجدہ کروایا تھا اور نسل آدم کو مقام بندگی اور طرزِ بندگی عطا کیا تھا مگر انسان نے اس مقام کو کھو دیا۔ اس پر وسیم بریلوی نے دوسرے مصرعہ میں طنز وتعریض کا وار بھی کیا ہے اور اس واقعہ کی طرف اشارہ بھی کیا ہے جو جنت میں وقوع میں آیا تھا۔ جس کا ذکر کلامِ پاک میں بھی موجود ہے، الحاصل وسیم بریلوی نے صنعت تلمیح کو مستعمل کیا ہے۔ وسیم بریلوی نے صنائع لفظی سے ڈکشن ولفظیات کو وقار واقدار عطا کر کے کلام کو خوش الحان وخوش آہنگ بنایا ہے۔ نیز ان صنائع اور الفاظ کی عمدہ ترتیب و پرداخت سے نیز الفاظ کے باہمی موافقت

سے غنائیت ، موسیقت اور خوش آہنگی کو کلام میں وجود بخشا ہے جس سے قارئین و سامعین کے ذہن میں ایک وجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر عنوان چشتی شعری آہنگ کے وجود سے متعلق راقمطراز ہیں:

''شعری آہنگ دو طرح کا ہوتا ہے۔ایک داخلی آہنگ جس میں جذبے کا آہنگ شامل ہے اور دوسرا خارجی آہنگ جس میں حروف ، الفاظ تراکیب وغیرہ کا آہنگ شامل ہے اور بحر وقوافی کا آہنگ بھی اسی زمرے میں آتا ہے شعری آہنگ ان دونوں کے ایک دوسرے میں تحلیل ہو کر ایک اکائی بن جانے سے وجود میں آتا ہے۔[۲۱]

شعری آہنگ کو مدنظر رکھتے ہوئے وسیم بریلوی کی مندرجہ غزلیں ملاحظہ کریں۔

کہی سنی پہ بہت اعتبار کرنے لگے
مرے ہی لوگ مجھ سنگسار کرنے لگے
پرانے لوگوں کے دل بھی ہیں خوشبوؤں کی طرح
ذرا کسی سے ملے اعتبار کرنے لگے
نئے زمانے سے آنکھیں ملا پاتے
تو لوگ گزرے زمانے سے پیار کرنے لگے
ہماری سادہ مزاجی کی داد دے کہ تجھے

بغیر پرکھے ترا اعتبار کرنے لگے

نظر میں چڑھتا نہی پھر نظر سے گرتا ہے

جو حد سے بڑھ کے کوئی انکسار کرنے لگے

کوئی اشارہ دلاسا نہ کوئی وعدہ مگر

جب آئی شام ترا انتظار کرنے لگے

تجھے ہی ڈھونڈ نکلے تھے تیرے دیوانے

تو بہ یہ ہوا تیری دنیا سے پیار کرنے لگے

(آنکھوں آنکھوں رہے)

لہو نہ ہو تو قلم ترجماں نہیں ہوتا

ہمارے دور میں آنسو زباں نہیں ہوتا

جہاں رہے گا وہیں روشنی لٹائے گا

کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

یہ کس مقام پہ لائی ہے میری تنہائی

کہ مجھ سے آج کوئی بدگماں نہیں ہوتا

بس اک نگاہ مری راہ دیکھتی ہوتی

یہ سارا شہر مرا میزباں نہیں ہوتا

ترا خیال نہ ہوتا تو کون سمجھاتا

زمیں نہ ہو تو کوئی آسماں ہوتا
میں اس کو بھول گیا ہوں یہ کون مانے گا
کسی چراغ کے بس میں دھواں نہیں ہوتا

وسیم صدیوں کی آنکھوں سے دیکھئے مجھ کو
وہ لفظ ہوں جو کبھی داستان نہیں ہوتا

(مزاج ۱۳)

زندگی ہے اور دل نادان ہے
کیا سفر اور کیا سامان ہے
میرے غم کو بھی سمجھ کر دیکھتے
مسکرا دینا بہت آسان ہے
میں نے ہنس ہنس کر گزارا ہے تجھے
زندگی! تجھ پر میرا احسان ہے
موت کو یوں یاد کرتے ہو وسیم
جیسے مرجانا بہت آسان ہے

(آنکھ آنسو ہوئی)

الحاصل مندرجہ بالا غزلیں شعری آہنگ کا منبع وصدر ہیں تقاضائے وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک غزل کی وضاحت کرتا ہوں۔ جو شعر، آہنگ کو بخوبی واضح کرتی ہے۔

کب چشم الم ہو تی ہے نم دیکھا رہا ہوں
میں عشق میں خودداری غم دیکھ رہا ہوں
اُن آنکھوں کو نم بعد ستم دیکھ رہا ہوں
یہ سازشی انداز کرم دیکھا رہا ہوں
آئینۂ طوفان الم دیکھ رہا ہوں
کتنا مرے سینے میں ہے دم دیکھ رہا ہوں
یہ راہ صنم خانہ ہے وہ راہِ حرم ہے
کسی راہ پہ اُٹھتے ہیں قدم دیکھ رہا ہوں
میں گردش دوراں کو سمجھنے کے لئے آج
اُلجھا کے ترے زلف کے خم دیکھ رہا ہوں
اللہ کے بندوں یہ وسیم آج یہ دن ہے
اللہ کے بندوں کا ستم دیکھا رہا ہوں

اس غزل میں مطلع ، مطلعِ ثانی اور صنائعِ لفظی میں طوالی اضافت تضمن المضر دوج ، صنعت موصل ، صنعت مستانف اور ردالعجز علی العروض مع التکرار کو برتا ہے۔

میں گردش دوران کو سمجھنے کے لیے آج
اُلجھا کے تری کے خُم دیکھ رہا ہوں

اس میں خُم کی حرکت دیگر قوافی کی مستعمل حرکت سے مختلف ہے۔

ان آنکھوں کو نم بعد ستم دیکھ رہا ہوں
یہ سازشی انداز کرم دیکھ رہا ہوں
اللہ کے بندوں یہ وسیمؔ آج یہ ہے
اللہ کے بندوں کا ستم دیکھ رہا ہوں

ان دونوں اشعار میں ستم کو بطورِ قافیہ برتا گیا ہے اور ان میں تکرار ہے۔ جو اصولِ قافیہ کے خلاف ہے:

بالتحقیق کلام میں وجد، موسیقی و رقص، ترنم، غنائیت، خوش الحانی، خوش آہنگی، نغمگی وغیرہ الفاظ کے عمدہ طرز انتخاب سے پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ شعر کا وجود الفاظ سے ہی ہوتا ہے اور شاعری احساسات و الفاظ کے بیچ کی منازل طے کرنے کی سعی مشکور ہے۔ عندالتحقیق واضح ہوتا ہے کہ وسیمؔ بریلوی کو گنجینہ گوہر کے انتخاب پر فنی دسترست حاصل ہے جو ایک عظیم شاعر کی پہچان بھی ہے۔ نیز صنف غزل کی جان بھی یہی گنجینہ گوہر ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر نجمہ رحمانی راقمطراز ہے۔

''لفظ اپنے لغوی معنوں میں تو محدود ہوسکتا ہے مگر فنکار کی فکر اسے ایک نئی معنویت دیتی ہے یعنی لفظ شاعر کے ذہن کے تابع ہوتا ہے وہ جس طرح چاہئے اس لفظ کے معنوی امکانات کو اپنے لحاظ سے تبدیل کرسکتا ہے۔'' ۲۲

ڈاکٹر ممتاز الحق راقمطراز ہیں کہ

''شعر کی زبان پر مبالغہ اور متشدد ہوتی ہے اگر شاعر اپنے دلی
جذبات اور ذاتی تجربات کو سادہ اور سپاٹ طریقے سے بیان کرے گا
تو سننے والوں پر اُس کا کوئی اثر قائم نہیں ہوسکتا وہ اپنے دلی جذباتی
اور ذاتی تجربات کو انفرادیت کو برقرار رکھنے کے لئے شعری زبان
کا استعمال کرتا ہے جو تشبیہات و استعہارات اور عالامت نگاری
اور پیکر تراشی کی خصوصیات سے آراستہ ہوتی ہے۔۲۳

تخلیقی زبان کے اربعہ عناصر تشبیہہ، استعارہ، پیکر اور علامت اور زبان تین خاصیتوں سے مملو ہوتی ہے۔ وضاحت، لچک، قطعیت۔ تشبیہہ سے مراد مشبہ بہ اور مشبہ کے باہمی ربط کو ادواتِ تشبیہہ کے ذرائع ظاہر کرنا۔ استعارہ سے مراد مستعار لہ اور مستعار منہ کے نقطہ اشتراک کو ظاہر کرنا مگر وجہ اشتراک ظاہر نہ ہو اور دونوں میں سے ایک مقدر ہو۔

تشبیہہ:۔ عابد شیر کی طرح بہادر ہے۔

اس میں مشبہ (عابد) مشبہ بہ (شیر) ادواتِ تشبیہہ (کی طرح) اور وجہ تشبیہہ (بہادری) بھی موجود ہیں۔

استعارہ:۔ ''عابد شیر ہے'' یہاں صرف مستعار لہ کا ذکر ہے جب مستعار منہ مقدر ہے اور وجہ اشتراک بھی ظاہر نہیں کیونکہ شیر کے سارے مشاہدات عابد پر منطبق ہوتے ہیں۔ نیز ادواتِ تشبیہہ کی طرح ادواتِ استعارہ کوئی نہیں ہے۔ اور عابد کو شیر قرار دیا گیا ہے۔

پیکر: اسے مراد وہ الفاظ جو قارئین یا سامعین کی قوتِ متخیلہ کو متوجہ و متحرک کرتے

ہیں نیز فنکار کے حواس کی کامل و اکمل بیداری کا تقاضا کرتے ہیں اور یہی الفاظ قارئین و سامعین کے دل پر ایک تصویر منعکس کرتے ہیں۔

علامت :۔ علامت چونکہ فنکار کے تحت الشعور کے مبہم احساسات کی ترجمانی کرتی ہے۔ کیونکہ شاعری احساسات اور الفاظ کے بیچ کی منازل طے کرنے کی سعی مشکور کا نام ہے اور علامت فنکار کی ذہنی کیفیت کی تخلیق ہوتی ہے بقول حامدی کشمیری

''کوئی لفظ جب اپنے معنی کے علاوہ کسی وسیع اور تہہ دار معنی کو پیش کرے تو وہ علامت کا درجہ حاصل کرتا ہے گویا علامت شعری ہنر مندی سے زبان کے ایک مخصوص استعمال کے طریقہ سے تشکیل پاتی ہے۔''۲۴

اور شمس الرحمٰن فاروقی اپنے ایک مضمون ''علامت کی پہچان'' میں راقمطراز ہیں:

''تخلیقی زبان چار چیزوں سے عبارت ہے، تشبیہ، پیکر، استعارہ اور علامت۔''۲۵

وسیمؔ بریلوی کے کلام سے تشبیہہ، پیکر، استعارہ اور علامت کی امثلہ ملاحظہ کریں:

زندگی اس طرح ہے دنیا میں
جیسے کانٹے پر اوس کا قطرہ
کسی حسین کا دامن ہو جس کی قسمت میں
وسیمؔ ایسا اک آنسو بھی میرے پاس نہیں

چھوڑ دو تم بھی مجھے سب کی طرح
راستو! میری کوئی منزل نہیں
ترے خیال میں یوں زندگی گذرتی ہے
کہ جیسے گود میں لیکر کوئی بہار چلے
بہت دنوں میں جو دیکھا تو دیکھ کر تم کو
خموش ہے دل شاعر کی اس طرح دھڑکن
گذشتہ شب کی تصور فروشیوں کے بعد
سہاگ رات کو جیسے تھکی تھکی سی دلہن
تو جیسے چاہے زمانے کو روشنی بخشے
مجھے چراغ کی مانند کیوں جلاتا ہے
کاٹ رہی ہے شاخ گلہری وہی کہ جس پر بیٹھی ہے
میری طرح یہ بھی جینے سے جنم جلی بیزار لگے
زندگی پھول سی نازک ہے، مگر خوابوں کی
آنکھ سے دیکھو، تو کانٹا سی نظر آئے ہے
زندگی دنیا میں ایسا اشک تھی
جو ذرا پلکوں پہ ٹھہرا، بہہ گیا
اترے ہوئے نشہ کی طرح کیا پتہ لگے

کس فاصلے پہ چھوٹ گئے زندگی سے ہم

شہرت سے بے نیاز ہے فن کار یوں وسیمؔ

خوشبو کی جیسے پھول کو اپنی خبر نہ ہو

کلی کی طرح اجل دوستوں کی بستی میں

وہ مسکرائے جیسے زندگی سے پیار نہ ہو

جس کو لوگ آپس میں مل کر بانٹ لیں

زندگی ایسا بھی تیرا غم نہیں

وہی ایک زندگی تھی، مگر اس طرح سے گزری

کہیں صبح بن گئی ہے، کہیں رات ہوگئی

میں گلاب تو نہیں ہوں، مگر اے چمن نصیبو!

مرادل بھی پھول جیسے ہی، کچھ اختیار مانگے

اسی اجالوں کی بستی میں وہ بھی رہتا تھا

جو ایک شب کی طرح زندگی گزارگیا

پتنگ جیسا یہ اڑنا بھی کوئی اڑنا ہے

کہ اڑ رہے ہیں مگر دوسروں کے ہاتھ میں ہے

اس طرح میرا ذوق سفر کوس رہا ہے

جیسے کہ نہ ملنا مری منزل کی خطا ہے

مجھے بجھادے مرا دور مختصر کردے
مگر دیئے کی طرح مجھ کو معتبر کردے
نئے مکان بنائے تو فاصلوں کی طرح
ہمیں یہ شہر بسانا بھی تو نہیں آیا
شمع کی طرح کسی بزم کے ہو جائے وسیم
ایک دو شب ہی جو تقدیر میں جلنا ہوتا
جہاں گلاب سا کھلتا کوئی نظر آئے
میں ایک شاخ کی مانند کانپ جاتا ہوں
کیا دکھ ہے سمندر کو بتا بھی نہیں سکتا
آنسو کی طرح آنکھ تک آ بھی نہیں سکتا
میرا کہلانے کا مطلب یہ تو نہیں ہے تو میرا ہو
تیرا میرا رشتہ جیسے پھول کا رشتہ خوشبو سے
ہمارا دل بھی تھا دنیا میں روشنی بانٹیں
مگر چراغ سا جلنا ہمیں نہیں آتا
دل میں مندر کا سا ماحول بنا دیتا ہے
کوئی اک شمع سی ہر شام جلا دیتا ہے
کھڑی ہیں دست بستہ خوشبوئیں پھولوں کی پلکوں پر

کسی کا جیسے نعت پاک کہنے کا ادارہ ہے
جہاں سے دین بھی ملتا ہے اور دنیا بھی
مدینہ ایسا خزانہ ہے دیدہ ور کے لئے

وسیمؔ بریلوی کے کلام سے استعارہ کی امثلہ ملاحظہ کریں

(ع)آفتاب غم کتنے لیکے صبح آتی ہے
(ع)شب میخانہ بھی جب تجھ پر گراں گذری گی
(ع)آنکھیں منظر ہوئیں۔ کان نغمہ ہوئے
(ع)یہ امانت اب ان آنکھوں سے سنبھلتی بھی نہیں
(ع)یہاں تو جو بھی ملا، اپنی لاش اٹھائے ہوئے ہے
(ع)یہ گونگوں کی محفل ہے نکلنا ہی پڑے گا
زمینی خاکساری کا بھرم رکھنے کی خاطر وہ
بلندی کو بہت دن دردِ سر ہونے نہیں دیتا
(ع)بڑے سلیقے سے اس دور بدگمانی میں
(ع)اور ہوا کا ایک ہی جھونکا اڑا لے جائے گا
(ع)زندگی اک راہ ہے منزل نہیں
(ع)کب سے بھٹک رہا ہوں مرے پائے فکر کو
حویلیوں میں میری تربیت نہیں ہوتی

تو آج سر پہ ٹپکنے کو چھت نہیں ہوئی

میں اس مکان میں رہتا ہوں اور زندہ ہوں

وسیم جس میں ہوا کا گذر نہیں ہوتا

وسیم بریلوی کے کلام سے پیکر کی امثلہ ملاحظہ کریں:

(ع) کتنے خودار ہو تے ہیں سائے

(ع)رہ گئے چھا کے خیالات اُوپر سکتے

(ع)شبنم نے بھی رکھے تھے شعلوں پہ قدم پہلے

(ع)یہ تصور ہی کبھی نیند نہ آنے دے گا

کون احساس کی اس پیاس کو سمجھے گا وسیم

(ع)اس کو کاندھوں پہ لے جارہے ہیں وسیم

اور وہ جینے کا حق مانگتا رہ گیا

(ع)میں اک صدا پہ ہمیشہ کو گھر تو چھوڑ آیا

(ع)سر سے جہاں لحاظ کی چادر اتر گئی

(ع)نہیں لمحہ بھی جس کی دسترس میں

(ع)محبت ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا

(ع) گھروں پہ دستک دینے خدا نہیں آتا

(ع)اگر ہواؤں کے پر باندھنا نہیں آتا

(ع)جبر کا زہر کچھ بھی ہو پیتا نہیں

(ع)عجب احساس ہے گردگنہ چھوکرگزر جائے

(ع)چند جذباتی سے رشتوں کے بچانے کو وسیم

(ع)اسی پہ ہوگیا قربان دو دلوں کا ملاپ

وسیم بریلوی کے کلام سے علامت کی امثلہ ملاحظہ کریں

(ع)عرب کے چاند کی آمد سے پہلے کس نے سوچا تھا

(ع)رات آکاش سے آنکھوں میں اتر آئے ہے

قطرہ ہوں اپنی حد سے گزتا نہیں

میں سمندر کو بدنام کرتا نہیں

(ع)زندگی دنیا میں ایسا اشک تھی

(ع)جن کے آنگن میں سورج اتارا گیا

(ع)مری زیست اک جنازہ ہے جو راہ وقت میں ہے

کہاں قطرہ کی غم خواری کرے ہے

سمندر ہے ادا کاری کرے ہے

(ع)جاننے والوں کی اس بھیڑ سے کیا ہوگا وسیم

گھر سے نکلا ہوں کہ دن جیت کے اب لوٹوں گا

(ع)سانس لینے کے لئے تو ذرا انساں ٹھہرے

(ع)شہر میں رہ کے بھی ہیں صحرائی

ڈوبتی زندگی اندھیروں میں
پھر کہیں سے دیا اٹھا لائی

جائیدادیں کہاں بٹیں ان میں
جائیدادوں میں بٹ گئے بھائی

(ع)کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوگا

زندگی کا لمبا سفر اور وسیمؔ
جیب میں دو قدم کا کرایہ نہیں

چراغ گھر کا ہو محفل کا ہو کہ مندر کا
ہوا کے پاس کوئی مصلحت نہیں ہوتی

اب تو سمجھوتہ کرتے بنے گی وسیمؔ
آپ کے ہاتھ سے وقت جاتا رہا

(ع)میں بھی تو اس باغ کا ایک پرندہ ہوں

(ع)تیری آنکھوں کا یہ پانی تو پرانا ہوگیا

(ع)گھٹا ہوا تھا جو گھر میں دھواں وہ کم نہ ہوا

وسیمؔ بریلوی رقمطراز ہیں جو علائم کی اہمیت و افادیت پر دلالت کرتا ہے۔

''غزل کی علامتیں ہماری صدیوں پر پھیلی ہوئی تہذیب کی اما
نتدار ہیں ان علامتوں کی دسترس سے آج بھی اس'' ہزار شیوہ
''زندگی کا کوئی پہلو نہیں جو باہر ہو۔صرف انہیں برتا سلیقے سے جائے
تا کہ حیات و کائنات کی حقیقتوں تک نگاہ کسی لطیف حسن کے سہارے
پہونچے اور علمگیر حقائق کی بصیرت حاصل ہو۔''۳۶

وسیمؔ بریلوی کے کلام میں تخاطب ، خود کلامی اور استفہامیہ اسلوب پایا جاتا ہے۔ خطیبانہ ، غنائیہ ، بلند آہنگ اور نشاطیہ لہجہ پایا جاتا ہے۔ احساس ، الفاظ ، جذبہ ، مضمون ، آہنگ ، فکر اور اسلوب میں جاوداں ربط و تعلق ہے۔بعض امثلہ ملاحظہ کریں:

اے وسیمؔ آنکھیں تمہاری سرُخ ہیں
رات بھی لگتا ہے نیند آ ئی نہیں

میرے شعروں کو سُن سُن کر یوں سرگوشی کرتے ہیں
اپنی تباہی کا اے لوگو ! جیسے مجھے احساس نہیں

زخموں کے اندمال کی خواہش نہیں وسیمؔ
اچھا ہے اپنی ذات سے اک انجمن ہوں میں

وسیمؔ بریلوی کی مندرجہ ذیل غزل بحر ہزج میں لکھی گئی ہے اور اس غزل کو اسلوب کے مختلف اصولوں کی روشنی میں بھی پرکھا جائے گا۔

آنکھ میں آنسو ہیں رونے کی تمنا دل میں ہے

اک قدم منزل سے باہر اک قدم منزل میں ہے

ضبطِ غم سے مٹ گئی آخر جوانی کی اُمنگ

پہلے دل مشکل میں تھا اب زندگی مشکل میں ہے

بحر ہزج	مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن	مفاعیلن
مصرع اول	آنکھ میں آن	سو ہیں رون	لے کی تمن	ادل میں ہے
مصرع دوم	اک قدم من	زل سے باہر	راک قدم	منزل میں ہے

شاعر	اشعار کی تعداد	الفاظ کی تعداد	اوسط الفاظ فی شعر
وسیمؔ بریلوی	۴	۷۳	۱۸ء۲۵

خوش گلو مصمتون کے حوالہ سے وسیمؔ بریلوی کی مندرجہ بالا غزل کو (''ر''،''ن''، ''س'' اور ''م'') کے اعتبار سے پیش کیا جائے تا کہ مصمتوں کی آوازوں کے ذریعے مندرجہ بالا غزل کے اسلوب ولہجہ کی خوش آہنگی وخوش الحانی سے شاعر کا اسلوب واضح ہو جائے :

شاعر	مصمتوں کی آوازوں کی تعداد	اوسطِ آواز فی شعر
وسیمؔ بریلوی	۴۱	۱۰ء۲۵

واضح ہوتا ہے کہ وسیمؔ بریلوی کی غزل میں خوش آہنگی وخوش الحانی پائی جاتی ہے۔

بدیسی الفاظ کے حوالہ سے:۔ وسیمؔ بریلوی کی مندرجہ بالا غزل کے حوالہ سے یہ الفاظ اُردو شاعری کے اسلوب کے افضل واعلیٰ ہونے کا پیمانہ ومعیار ہوتے ہیں نیز یہ الفاظ

اپنی زیبائشی اقدار کو قائم و دائم رکھ کر کلام کو مزین و تزئین بھی عطا کرتے ہیں :

شاعر	بدیسی الفاظ کی تعداد	اوسط الفاظ فی شعر
وسیمؔ بریلوی	۲۷	۶ء۵۷

اس سے واضح ہوتا ہے کہ وسیمؔ بریلوی کا اسلوب بدیسی الفاظ کے انتخاب کے اعتبار سے خوش الحان و خوش آہنگ ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی راقمطراز ہیں:

''وہی شعری اسلوب بہتر ہے جو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ممتاز و بلند آہنگ نظر آئے امتیاز اور بلند آہنگ کی اس کیفیت کو میں نے Sophisltcation سے تعبیر کیا ہے۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ ایسے اسلوب میں بدیسی الفاظ اور اضافتیں کثرت سے استعمال ہوتی ہیں۔[۲۷]

طویل اور معروف مصوتوں کے حوالہ سے :۔ طویل اور معروف مصوتوں سے مراد یائے معروف اور واؤ معروف ہے۔ اعداد و شمار میں ردیف کو معطل کر دیا گیا ہے۔

شاعر	مصوتوں کی تعداد	اوسط تعداد فی شعر
وسیمؔ بریلوی	۸	۲

عندالتحقیق واضح ہوتا ہے کہ طویل و معروف مصوتوں کا استعمال جو اسلوب کو خوش الحان و خوش گلو بناتا ہے نیز کلام کا روکھا پن ختم ہو جاتا ہے۔ غنائیت و سر یلا پن کلام میں نفوذ ہو کر دلکشی اور دلنشینی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ یہ ظاہری آہنگ ہی اسلوب شناسی میں ہماری مدد

کرتا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی اس ظاہری اسلوب شناسی کو ہی حقیقی و باطنی اسلوب شناسی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔ وہ رقمطراز ہیں:

''اس کا تعلق محض ظاہری، جامد اور مستقل آہنگ سے ہے جو آوازوں کے ناپ تول کر (کا) مرہونِ منت ہوتا ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ یہ ظاہری، جامد اور مستقل آہنگ بھی شاعرانہ اسلوب کا ایک امتیازی نشان ہے۔[۲۸]

الحاصل وسیم بریلوی کا اسلوب منفرد و ممتاز ہے جس پر مندرجہ بالا حوالہ جات و معروضات دلالت کرتے ہیں اور وسیم بریلوی نے رعایت لفظی، خوش گلو، مصمتوں، بدیسی الفاظ کے انتخاب برمحل اور طویل و معروف مصوتوں کے استعمال کے سے کلام کو خوشگوار بنایا ہے۔ نیز صنائع لفظی برت کر کلام کے فکری اور معنوی محاسن کو مزید قوت و طاقت عطا کی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ لمحے لمحے (وسیم بریلوی) حسیب سوز، ص،۲۶۴

۲۔ اقبال کے شعری اسالیب، ڈاکٹر سید صادق علی، ص،۹۔۱۰

۳۔ اقبال کے شعری اسالیب، ڈاکٹر سید صادق علی، ص، ۱۹، ۲۰

۴۔ تسلسل، شعبہ اُردو، یونیورسٹی جموں، ص، ۱۲۵، ۱۲۶

۵۔ اُردو اسالیب نثر، ڈاکٹر میر اللہ خان شاہین، ص، ۲۱۷

۶۔ تسلسل، شعبہ اُردو، یونیورسٹی جموں، ص،۱۱۲

۷۔ اُردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ، ڈاکٹر سنبل نگار، ص۲۸۰

۸۔ ''غزل نئے جہات'' سید محمد عقیل، ص۱۰۶

۹۔ ''اقبال: فن اور فلسفہ'' نور حسن نقوی، ص۱۱۔۶۲

۱۰۔ ''اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ'' ڈاکٹر سنبل نگار، ۲۳

۱۱۔ ''اردو شاعری کی روایت اور ترقی پسند غزل، اختر انصاری، ص۲۲

۱۲۔ وسیم بریلوی: شخص اور شاعر، قمر گوندوی، ۱۵۲

۱۳۔ اُردو غزل کی روایت اور ترقی پسند غزل، ڈاکٹر ممتاز الحق، ص۱۳

۱۴۔ اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ، ڈاکٹر سنبل نگار، ص۲۱۶

۱۵۔ اردو غزل کی روایت اور ترقی پسند، ڈاکٹر ضیاء الحق، ص۱۴

۱۶۔ اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ، ڈاکٹر سنبل نگار، ص۲۵۰

۱۷۔ شعر، غیر شعر اور نثر، شمس الرحمٰن فاروقی، ص ۱۸۵

۱۸۔ خطوط غالب جلد دوم، ڈاکٹر خلیق انجم، ص۳۰۷

۱۹۔ شعر غیر شعر اور نثر، شمس الرحمٰن فاروقی، ص، ۲۰۷

۲۰۔ اقبالؔ فن اور فلسفہ،نورالحسن نقوی۔ص۱۱۰
۲۱۔ اقبال کے شعری اسالیب،ڈاکٹر سید صادق علی،ص،۹۶
۲۲۔ جدید غزل کی علامتیں،ڈاکٹر نجمہ رحمانی،ص،۲۷
۲۳۔ جدید غزل کا فنی،سیاسی اور سماجی مطالعہ،ڈاکٹر ممتاز الحق،ص۲۵
۲۴۔ جدید غزل کی علامتیں،ڈاکٹر نجمہ رحمانی،ص،۱۸
۲۵۔ شعر،غیر شعر اور نثر،شمس الرحمٰن فاروقی،ص،۱۳۹
۲۶۔ تبسمِ غم پیشِ لفظ،زاہد حسن وسیمؔ بریلوی،ص،۱۳
۲۷۔ شعر،غیر شعر اور نثر،شمس الرحمٰن فاروقی،ص،۲۲۰
۲۸۔ شعر،غیر شعر اور نثر،شمس الرحمٰن فاروقی،ص،۲۳۹

حاصلِ مطالعہ

کرہ ارض پر آبادی اور رقبہ کے لحاظ سے سب سے بڑا براعظم ''ایشیا'' ہے۔ دنیا کی سب سے بلندترین پہاڑی چوٹی بھی اسی میں واقع ہے۔ یہ کئی اہم مذاہب کی ولادت گاہ بھی ہے کیونکہ نسل انسانی کے باپ حضرتِ آدم بھی سب سے پہلے اسی میں آئے تھے جو ساٹھ لاکھ زبانوں کو جانتے تھے۔ ہندوستان بھی اسی میں واقع ہے بقول اقبالؔ:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بُلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

ہندوستان میں واقع اُتر پردیش جو ۷۵ اضلاع پر مبنی ہے ہے جس میں ضلع بریلی بھی شامل ہے جو مردم خیز خطہ ارض ہے جس کی صنعتی پہچان سرمہ اور فرنیچر ہے۔ عظیم شخصیتوں کا نشیمن، علم و آگہی کا منبع، تاریخی واقعات کا گواہ، شجاعت کا شاہد، تاریخ کا شاہد ہے کہ روہیلہ سرداروں کے یقینِ محکم، عمل پیہم اور عزم مستحکم نے تن کے گوروں اور من کے کالوں کے لہو کو خشک کر دیا تھا جس سے اُن کی سیاسی ریشہ دوانیاں اپنی موت آپ ہی مر گئیں اور مذہبی پہچان امام احمد رضا خاں سے پوری دنیا میں ہے۔

بریل (Braille) انگریزی زبان کا لفظ ہے اس کا معنی ہے ''اندھوں کے لیے ایک نظامِ تحریر و طباعت'' بریل سے بریلی ہے اور بریلی کی صفت نسبتی بریلوی ہے۔ بریلی میں ۱۹۴۰ء میں زاہد حسن وسیمؔ بریلوی کی پیدائش ہوئی۔ تعلیمی سفر کا آغاز نواب گنج اسکول سے ہوا۔ پانچویں جماعت اسلامیہ اسکول سے، آٹھویں جماعت رام پور کے مرتضی اسکول سے، دسویں جماعت بوائز کرسچن اسکول سے، بارہویں جماعت بریلی اسلامیہ انٹر کالج سے بی۔

اے کالج سے اور ایم ۔ اے اُردو آگرہ یونی ورسٹی سے فرسٹ پوزیشن میں پس کی ۔ ایامِ ملازمت سنبھل، دہلی، بریلی اور روہیل کھنڈ میں گذارے۔ دہلی میں لکچرار کے عہدے پر فائز رہے۔ بریلی کالج میں پروفیسر پھر صدر شعبۂ اُردو کے عہد پر فائز ہو گئے۔ ۱۹۷۹ء سے ۲۰۰۰ تک اسی عہدہ پر فائز رہے نیز ۱۹۹۸ء میں روہیل کھنڈ یونی ورسٹی میں فیکلٹی آف آرٹس کے دین بھی ۲۰۰۰ء تک رہے اور Ncpul کے Vice chairman رہ چکے ہیں۔

شاعری کی ابتد شاعر کی ذات اور ذات سے جوڑے محرکات سے ہوتی ہے۔شاعری جو عطیہ ایزادی ہے وسیم بریلوی کو بطورِ وراثت ملا ہے۔ با قاعدہ شاعری کا آغاز ۱۹۵۵ء میں ہوا جو آج تک جاری و ساری ہے۔ ابتدا میں والد (شاہد حسن) سے اصلاح لی بعدہ ایڈو کیٹ منتقسم حیدری سے تقریباً تین سال اصلاح کا سلسلہ جاری رہا آنکہ شعری مجموعے (تبسم غم، آنسو میرے دامن تیرا، مزاج، آنکھوں آنسو ہوئی، میرا کیا ہے، آنکھوں آنکھوں رہے، موسم اندر کے باہر، انداز گذارش) منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔

غزل، نظم قطعہ، تنہائے، گیت اور نعت کو ذریعہ اظہار بنا کر احساسات، جذبات، خیالات، واقعات، تجربات، مشاہدات اور وارداتِ قلبی کی ترجمانی کی ہے۔ حساس طبع، محنتِ شاقہ، زندگی اور زندگی کے صبر آزما نشیب وفراز، ماحول میراث اور محرکات نے فنی دسترس عطا کی ہے۔ منفرد اسلوب، مسحور کن طرزِ بیان، فنی مہارت، رعایت لفظی، غنائیہ لب ولہجہ نے شاعروں کے پنڈال اور ایوانِ ادب میں یکساں مقبولیت عطا کی ہے باالتحقیق واضح ہو جاتا ہے کہ گذشتہ نصف صدی سے وسیم بریلوی مشاعروں کے بے تاج بادشاہ ہیں بعض

حضرات کی غلط فہمی ہے کہ وہ صرف مشاعروں کے شاعر ہیں جبکہ وسیم بریلوی مشاعرہ لوٹنے کے طرز سے بخوبی واقف ہیں اور ادبی وفنی معیاروں کی محافظ بھی ہیں۔اس غلط فہمی کی تردید اُردوادب کی تاریخ ہے کیونکہ اُردوادب کے نامور شعراولی، میر، غالب، اقبال، حالی، جوش، فیض وغیرہ وغیرہ نے بھی مشاعروں میں شرکت کی ہے۔وسیم کے فن اور شخصیت سے متاثر ہو کر قومی اور بین القوامی انعامات دہندگان نے انہیں انعامات (امتیاز میر، غزل، اعلیٰ تحقیقی، ساہتیہ ایوارڈ، غزل، غزل، نسیم ایوارڈ، ساہتیہ سارسوت، ادبی اعزاز، آنریری سٹیزن شپ اور گڈول لمبیسڈر، فراق انٹرنیشنل، سردار جعفری لٹریر ایوارڈ، کیفی اعظمی ایوارڈ، Us Maniar Grealir Award، جدہ ایوارڈ، ہندی اُردوایوارڈ، مسلم یونیورسٹی مشاعرہ ایوارڈ، منیز نیازی، حمیرہ رحمٰن، عشرت آفرین، ہوسٹسن، حیات ایوارڈ) سے نوازا ہے۔ الحاصل وسیم بریلوی کی شخصیت ایک فعال تحریک اور انجمن کا درجہ رکھتی ہے۔

زخموں کے اندمال کی خواہش نہیں وسیم
اچھا ہے اپنی ذات سے ایک انجمن ہوں میں

میں نے اپنے کرم فرما ومشفق نگران ڈاکٹر عبدالرشید منہاس کی نگرانی میں ''وسیم بریلوی کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی'' کے موضوع پر ڈاکٹر آف فلاسفی کا تحقیقی مقالہ تیار کیا ہے جو چھ ابواب پر مبنی ہے۔باب اول میں وسیم بریلوی کی حیات وشخصیت خاندان، پیدائش، تعلیم وتربیت، ملازمت، عقد، اور اولاد، آغاز شاعری، کتب بینی اور اشتیاق فن، باقاعدہ آغاز شاعری اور اصلاحِ سخن، مشاعروں میں شرکت اور اعزازات

وانعامات) کامفصل بیان کیا گیا ہے۔باب دوم میں وسیم بریلوی کی غزلیہ شاعر کوموضوعات (حسن وعشق ، آزادی روی، تصوف، حب الوطنی،غم ،جگر کے زخم ، زمانہ اورگردش زمانہ ، موت ، زندگی ، دیگر اہم موضوعات اور جدید موضوعات) کے حوالہ سے مفصل بیان کیا گیا ہے۔باب سوم میں وسیم بریلوی کی نظمیہ شاعری کوموضوعات (رومان، حب الوطنی، تقسیم وطن، ہجرت، واقعاتی موضوعات) کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے ۔باب چہارم میں ''وسیم بریلوی کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی'' (لفظ، ہندوستان کی وجہ تسمیہ،تہذیب، معاشرت اور ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی) عکاسی کی گئی ہے۔ باب پنجم میں وسیم بریلوی کی شاعری کے فن ،اسلوب اور ڈکشن(ہیئت، صنائع لفظی، تخاطب،خودکلامی اوراستفہامیہ،تشبیہ، استعارہ، پیکراورعلامت) کو بیان کیا گیا ہے۔

اگر چہ غزل اپنی اصل کے اعتبار سے عربی ہے مگر فارسی شاعری نے اس کو مستقبل ہئیت وصورت عطا کی اوراس کا نشانِ امتیاز بھی ہئیت ہی ہے ۔خمیر عشقیہ مضامین سے تیار ہوتا ہے ۔حکیم سنائی نے سب سے پہلے غزل کوترقی کی راہ پر چلایا۔ پہلا اُردو دیوان مسعود سعدسلیمان کا ہے اور مسعود سعد سلیمان ہی پہلا اُردوغزل گو ہے ۔الحاصل اُردوغزل کا آغاز گیارہوں صدی عیسوی میں ہوا تھا اورکلاسیکی اُردوغزل کی تخم ریزی امیر ابوالحسن یمن الدین خسرو نے کر کے ابتدائی نقوش بھی پیش کیے تھے۔

دکن میں اُردوغزل کے ابتدائی نقوش فروزمحموداور ملاخیالی کے کلام میں ملتے ہیں۔ ولی دکنی ولی کے پیش روحسن شوقی تھے۔ولی نے کلاسیکی اور جدیدغزل کی بنیادرکھی بقول جمیل

جالبی ’’ولؔی کا اجتہاد اتنا بڑا ہے کہ اُردوغزل نے جو رُخ بھی بدلا اس میں ولؔی ہی کو رہبر پایا‘‘
ولؔی کی دہلی آمد اور دیوانِ ولؔی کے دہلی پہنچنے سے شمالی ہند میں با قاعدہ اُردوغزل کا آغاز ہوا
تھا پھر غزل ایہام گوئی اور درِ عمل تحریک کے عہد سے گذر کر اس صنف نے کلاسیکی عہد میں
قدم رکھا کر ترقی کی کئی منازل طے کر کے اُردو شاعری کی آبرو بن گئی ۔ میرؔ و سوداؔ کا دور
کلاسیکی غزل کا زریں دور ہے ۔ کلاسیکی ادب سے مراد وہ ادب ہے جو قدیم ہو، اعلیٰ ہو،
آزمودہ ہو، تسلیم شدہ ہو اور ایک پختہ روایت بھی موجود ہو، مگر ہر قدیم ادب کلاسیکی نہیں ہو
سکتا۔ غالبؔ اس عہد کے آخری پڑاؤ پر نظر آتے ہیں ۔ اور اسی عہد میں غزل کی شعریات بھی
پایۂ تکمیل کو پہنچی ہے ۔ پھر یہ صنف جدید عہد سے گذر کر ترقی پسند عہد میں قدم رکھتی ہے ۔
آخر کار اس صنف کی فکر انگریز لفظی و معنوی تعیم اسے منفرد و ممتاز مقام عطا کرتی ہے جہاں
دیگر اصناف اسے کو نگاہِ رشک اسے دیکھتی ہیں ۔ بقول وسیمؔ بریلوی

کبھی لفظوں سے غداری نہ کرنا
غزل پڑھنا اداکاری نہ کرنا

حسن و عشق ، تصوف اور آزادہ روی کے علاوہ ذات و کائنات اور ملک و ملت سے
جوڑے موضوعات کو وسیمؔ نے موضوع بنایا ہے ۔ چیرہ دستی و جفا کاری ، بدروش و بداعمالی ،
بے بس انسانوں کی دبی کچلی زندگی ، زندگی و زمانے کی کج روی ، ناانصافی ، کشمکشِ زندگی ماضی
و یادِ ماضی ، حیات و موت ، قتل و غارت ، گمراہی و ضلالت ، ننگِ ملک و ملت ، حق تلفی ، سوءظن
و دار و رسن ، خون خواری و خون ریزی ، بوالہوسی جیسی تمام برائیوں کو پیش کیا ہے اور ستم ظریف

انسانوں کو آگاہ وخبردار کر کے آفاقی پیغام دیا ہے۔

میرے دیس کے دو روپ ہیں آؤ دیکھو
دودھ کی نہریں بھی تلوار کی جھنکاریں بھی

وسیم بریلوی نے غزل کے دلکش وسدابہار کہے ہیں۔مختصر بحروں میں مختصر مگر معیاری غزلیں کہیں ہیں ۔ اشعار بھی کم ہیں ۔غزل کی زبان کو نئی معنویت عطا کی ہے ۔غزل کی روایت کو بھی برقرار رکھا ہے ۔فنِ غزل سرائی پر دسترس حاصل ہے ۔غزلیں فنی معیار، بلند افکار اور فنی محاسن کا آئینہ ہیں نیز زمینی حقائق کو آسان، سادہ اور عام فہم زبان میں ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی کی ہے۔

باالتحقیق واضح ہوجاتا ہے کہ وسیم بریلوی کی شاعری میں ترنم،نغمگی اور موسیقیت پائی جاتی ہے۔ بلند آہنگ اور غنائیہ لب ولہجہ نیز دلکش ومسحور کن طرز بیان ہے۔رعایتِ لفظی پر فنی مہارت حاصل ہے ۔تخاطب، خود کلامی اور استفہامیہ اسلوب بیان ہے ۔اگرچہ وسیم بریلوی کو اپنے فن پر فنی مہارت حاصل ہے، کلاسیکی غزل کی ہیئت کو بخوبی برتا ہے مگر کہیں نہ کہیں فنِ قافیہ سے پہلوتہی کی ہے ۔الحاصل وسیم بریلوی نے کلاسیکی ہیئت ، زبانِ غزل، مختلف ومنفرد اسالیب اور تخلیقی زبان کو استعمال کر کے فن کو مجروح نہیں ہونے دیا اور شعریت کو بھی برقرار رکھ کر اپنے کلام کو زندہ جاوید مقام عطا کیا ہے جس کی اہمیت موجودہ دور میں ''اظہر من الشّمس'' ہے۔

حاصلِ مطالعہ

کرہ ارض پر آبادی اور رقبہ کے لحاظ سے سب سے بڑا براعظم ''ایشیا'' ہے۔ دنیا کی سب سے بلند ترین پہاڑی چوٹی بھی اسی میں واقع ہے۔ یہ کئی اہم مذاہب کی ولادت گاہ بھی ہے کیونکہ نسل انسانی کے باپ حضرتِ آدم بھی سب سے پہلے اسی میں آئے تھے جو ساٹھ لاکھ زبانوں کو جانتے تھے۔ ہندوستان بھی اسی میں واقع ہے بقول اقبالؔ:

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بُلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

ہندوستان میں واقع اُتر پردیش جو ۷۵ اضلاع پر مبنی ہے ہے جس میں ضلع بریلی بھی شامل ہے جو مردم خیز خطہِ ارض ہے جس کی صنعتی پہچان سرمہ اور فرنیچر ہے۔ عظیم شخصیتوں کا نشیمن، علم و آگہی کا منبع، تاریخی واقعات کا گواہ، شجاعت کا شاہد، تاریخ کا شاہد ہے کہ روہیلہ سرداروں کے یقینِ محکم، عمل پیہم اور عزم مستحکم نے تن کے گوروں اور من کے کالوں کے لہو کو خشک کر دیا تھا جس سے اُن کی سیاسی ریشہ دوانیاں اپنی موت آپ ہی مر گئیں اور مذہبی پہچان امام احمد رضا خاں سے پوری دنیا میں ہے۔

بریل (Braille) انگریزی زبان کا لفظ ہے اس کا معنی ہے ''اندھوں کے لیے ایک نظامِ تحریر و طباعت'' بریل سے بریلی ہے اور بریلی کی صفت نسبتی بریلوی ہے۔ بریلی میں ۱۹۴۰ء میں زاہد حسن وسیمؔ بریلوی کی پیدائش ہوئی۔ تعلیمی سفر کا آغاز نواب گنج اسکول سے ہوا۔ پانچویں جماعت اسلامیہ اسکول سے، آٹھویں جماعت رام پور کے مرتضی اسکول سے، دسویں جماعت بوائز کرسچن اسکول سے، بارہویں جماعت بریلی اسلامیہ انٹر کالج سے بی۔

اے کالج سے اور ایم ۔ اے اُردو آگرہ یونی ورسٹی سے فرسٹ پوزیشن میں پس کی ۔ ایامِ ملازمت سنبھل، دہلی، بریلی اور روہیل کھنڈ میں گذارے ۔ دہلی میں لکچرار کے عہدے پر فائز رہے ۔ بریلی کالج میں پروفیسر پھر صدر شعبۂ اُردو کے عہد پر فائز ہو گئے ۔ ۱۹۷۹ء سے ۲۰۰۰ تک اسی عہدہ پر فائز رہے نیز ۱۹۹۸ء میں روہیل کھنڈ یونی ورسٹی میں فیکلٹی آف آرٹس کے دین بھی ۲۰۰۰ء تک رہے اور Ncpul کے Vice chairman رہ چکے ہیں۔

شاعری کی ابتد شاعر کی ذات اور ذات سے جوڑے محرکات سے ہوتی ہے۔ شاعری جو عطیہ ایزادی ہے وسیم بریلوی کو بطورِ وراثت ملا ہے ۔ با قاعدہ شاعری کا آغاز ۱۹۵۵ء میں ہوا جو آج تک جاری و ساری ہے ۔ ابتدا میں والد (شاہد حسن) سے اصلاح لی بعدہ ایڈو کیٹ منتقسم حیدری سے تقریباً تین سال اصلاح کا سلسلہ جاری رہا آنکھ شعری مجموعے (تبسم غم، آنسو میرے دامن تیرا، مزاج، آنکھوں آنسو ہوئی، میرا کیا ہے، آنکھوں آنکھوں رہے، موسم اندر کے باہر، انداز گذارش) منظرِ عام پر آ چکے ہیں ۔

غزل، نظم قطعہ، تنہائے، گیت اور نعت کو ذریعہ اظہار بنا کر احساسات ، جذبات ، خیالات ، واقعات ، تجربات ، مشاہدات اور وارداتِ قلبی کی ترجمانی کی ہے ۔ حساس طبع ، محنتِ شاقہ ، زندگی اور زندگی کے صبر آزما نشیب و فراز ، ماحول میراث اور محرکات نے فنی دسترس عطا کی ہے ۔ منفرد اسلوب، مسحور کن طرزِ بیان، فنی مہارت ، رعایت لفظی، غنائیہ لب ولہجہ نے شاعروں کے پنڈال اور ایوانِ ادب میں یکساں مقبولیت عطا کی ہے باالتحقیق واضح ہو جاتا ہے کہ گذشتہ نصف صدی سے وسیم بریلوی مشاعروں کے بے تاج بادشاہ ہیں بعض

حضرات کی غلط فہمی ہے کہ وہ صرف مشاعروں کے شاعر ہیں جبکہ وسیم بریلوی مشاعرہ لوٹنے کے طرز سے بخوبی واقف ہیں اور ادبی وفنی معیاروں کی محافظ بھی ہیں۔اس غلط فہمی کی تردید اُردوادب کی تاریخ ہے کیونکہ اُردوادب کے نامور شعراولی، میر، غالب، اقبال، حالی، جوش، فیض وغیرہ وغیرہ نے بھی مشاعروں میں شرکت کی ہے۔وسیم کے فن اور شخصیت سے متاثر ہو کر قومی اور بین القوامی انعامات دہندگان نے انہیں انعامات (امتیاز میر، غزل، اعلیٰ تحقیقی، ساہتیہ ایوارڈ، غزل، غزل نسیم ایوارڈ، ساہتیہ سارسوت، ادبی اعزاز، آنریری سٹیزن شپ اور گڈ ول لمبیسڈر، فراق انٹرنیشنل، سردار جعفری لٹریری ایوارڈ، کیفی اعظمی ایوارڈ، Us Maniar Grealir Award، جدہ ایوارڈ، ہندی اُردوایوارڈ، مسلم یونیورسٹی مشاعرہ ایوارڈ، منیز نیازی، حمیرہ رحمٰن، عشرت آفرین، ہوسٹسن، حیات ایوارڈ) سے نوازا ہے۔ الحاصل وسیم بریلوی کی شخصیت ایک فعال تحریک اور انجمن کا درجہ رکھتی ہے۔

زخموں کے اندمال کی خواہش نہیں وسیم
اچھا ہے اپنی ذات سے ایک انجمن ہوں میں

میں نے اپنے کرم فرما و مشفق نگران ڈاکٹر عبدالرشید منہاس کی نگرانی میں ''وسیم بریلوی کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی'' کے موضوع پر ڈاکٹر آف فلاسفی کا تحقیقی مقالہ تیار کیا ہے جو چھ ابواب پر مبنی ہے۔باب اول میں وسیم بریلوی کی حیات وشخصیت خاندان، پیدائش، تعلیم وتربیت، ملازمت، عقد، اور اولاد، آغاز شاعری، کتب بینی اور اشتیاق فن، باقاعدہ آغاز شاعری اور اصلاحِ سخن، مشاعروں میں شرکت اور اعزازات

وانعامات) کامفصل بیان کیا گیا ہے۔باب دوم میں وسیؔم بریلوی کی غزلیہ شاعر کوموضوعات (حسن وعشق ، آزادی روی، تصوف، حب الوطنی، غم، جگر کے زخم ، زمانہ اورگردش زمانہ ، موت ، زندگی ، دیگر اہم موضوعات اور جدید موضوعات) کے حوالہ سے مفصل بیان کیا گیا ہے۔باب سوم میں وسیؔم بریلوی کی نظمیہ شاعری کوموضوعات (رومان، حب الوطنی، تقسیم وطن، ہجرت، واقعاتی موضوعات) کے حوالے سے پیش کیا گیا ہے ۔باب چہارم میں ''وسیؔم بریلوی کی شاعری میں ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی'' (لفظ، ہندوستان کی وجہ تسمیہ، تہذیب، معاشرت اور ہندوستانی تہذیب ومعاشرت کی عکاسی) عکاسی کی گئی ہے۔ باب پنجم میں وسیؔم بریلوی کی شاعری کے فن ،اسلوب اور ڈکشن (ہیئت، صنائع لفظی، تخاطب، خودکلامی اوراستفہامیہ، تشبیہ، استعارہ، پیکر اور علامت) کو بیان کیا گیا ہے۔

اگرچہ غزل اپنی اصل کے اعتبار سے عربی ہے مگر فارسی شاعری نے اس کو مستقبل ہئیت وصورت عطا کی اوراس کا نشانِ امتیاز بھی ہئیت ہی ہے ۔خمیر عشقیہ مضامین سے تیار ہوتا ہے ۔حکیم سنائی نے سب سے پہلے غزل کوترقی کی راہ پر چلایا۔ پہلا اُردو دیوان مسعود سعدسلیمان کا ہے اور مسعود سعد سلیمان ہی پہلا اُردوغزل گو ہے۔الحاصل اُردوغزل کا آغاز گیارہوں صدی عیسوی میں ہوا تھا اورکلاسیکی اُردوغزل کی تخم ریزی امیر ابوالحسن یمن الدین خسرؔو نے کر کے ابتدائی نقوش بھی پیش کیے تھے۔

دکن میں اُردوغزل کے ابتدائی نقوش فروزمحمود اور ملا خیالی کے کلام میں ملتے ہیں۔ ولؔی دکنی ولؔی کے پیش روحسن شوقی تھے۔ولؔی نے کلاسیکی اور جدید غزل کی بنیاد رکھی بقول جمیل

جالبی ''ولؔی کا اجتہاد اتنا بڑا ہے کہ اُردو غزل نے جو رُخ بھی بدلا اس میں ولؔی ہی کو رہبر پایا''
ولؔی کی دہلی آمد اور دیوانِ ولؔی کے دہلی پہنچنے سے شمالی ہند میں با قاعدہ اُردو غزل کا آغاز ہوا
تھا پھر غزل ایہام گوئی اور درِعمل تحریک کے عہد سے گذر کر اس صنف نے کلاسیکی عہد میں
قدم رکھا کر ترقی کی کئی منازل طے کر کے اُردو شاعری کی آبرو بن گئی ۔ میرؔ و سوداؔ کا دور
کلاسیکی غزل کا زریں دور ہے ۔ کلاسیکی ادب سے مراد وہ ادب ہے جو قدیم ہو، اعلیٰ ہو،
آزمودہ ہو، تسلیم شدہ ہو اور ایک پختہ روایت بھی موجود ہو، مگر ہر قدیم ادب کلاسیکی نہیں ہو
سکتا۔ غالبؔ اس عہد کے آخری پڑاؤ پر نظر آتے ہیں ۔ اور اسی عہد میں غزل کی شعریات بھی
پایۂ تکمیل کو پہنچی ہے ۔ پھر یہ صنف جدید عہد سے گذر کر ترقی پسند عہد میں قدم رکھتی ہے ۔
آخر کار اس صنف کی فکر انگریز لفظی و معنوی تعمیم اسے منفرد و ممتاز مقام عطا کرتی ہے جہاں
دیگر اصناف اسے کو نگاہِ رشک اسے دیکھتی ہیں ۔ بقول وسیؔم بریلوی

کبھی لفظوں سے غداری نہ کرنا
غزل پڑھنا اداکاری نہ کرنا

حسن و عشق، تصوف اور آزادہ روی کے علاوہ ذات و کائنات اور ملک و ملت سے
جوڑے موضوعات کو وسیؔم نے موضوع بنایا ہے ۔ چیرہ دستی و جفا کاری، بدروش و بداعمالی،
بے بس انسانوں کی دبی کچلی زندگی، زندگی و زمانے کی کج روی، ناانصافی، کشمکشِ زندگی ماضی
و یادِ ماضی، حیات و موت، قتل و غارت، گمراہی و ضلالت، ننگِ ملک و ملت، حق تلفی، سوءِ ظن
و دار و رسن، خون خواری و خون ریزی، بوالہوسی جیسی تمام برائیوں کو پیش کیا ہے اور ستم ظریف

انسانوں کو آگاہ و خبردار کر کے آفاقی پیگام دیا ہے۔

میرے دیس کے دو روپ ہیں آؤ دیکھو
دودھ کی نہریں بھی تلوار کی جھنکاریں بھی

وسیم بریلوی نے غزل کے دلکش وسدا بہار کہے ہیں۔مختصر بحروں میں مختصر مگر معیاری غزلیں کہیں ہیں ۔اشعار بھی کم ہیں ۔غزل کی زبان کو نئی معنویت عطا کی ہے ۔غزل کی روایت کو بھی برقرار رکھا ہے ۔فنِ غزل سرائی پر دسترس حاصل ہے ۔غزلیں فنی معیار، بلند افکار اور فنی محاسن کا آئینہ ہیں نیز زمینی حقائق کو آسان ،سادہ اور عام فہم زبان میں ہندوستانی تہذیب و معاشرت کی عکاسی کی ہے۔

بالتحقیق واضح ہو جاتا ہے کہ وسیم بریلوی کی شاعری میں ترنم ،نغمگی اور موسیقیت پائی جاتی ہے ۔ بلند آہنگ اور غنائیہ لب ولہجہ نیز دلکش و مسحور کن طرز بیان ہے۔رعایتِ لفظی پر فنی مہارت حاصل ہے ۔تخاطب،خود کلامی اور استفہامیہ اسلوب بیان ہے ۔اگر چہ وسیم بریلوی کو اپنے فن پر فنی مہارت حاصل ہے،کلاسیکی غزل کی ہیئت کو بخوبی برتا ہے مگر کہیں نہ کہیں فنِ قافیہ سے پہلوتہی کی ہے ۔الحاصل وسیم بریلوی نے کلاسیکی ہیئت ، زبانِ غزل،مختلف ومنفرد اسالیب اور تخلیقی زبان کو استعمال کر کے فن کو مجروح نہیں ہونے دیا اور شعریت کو بھی برقرار رکھ کر اپنے کلام کو زندہ جاوید مقام عطا کیا ہے جس کی اہمیت موجودہ دور میں ''اظہر من الشمس'' ہے۔

کتابیات

نمبر شمار	مصنف	تصنیف	ناشر	سن اشاعت
۱	محمد آصف ملک (مفتی)	عاصی شخص اور شاعر	عرشیہ پبلی کیشنز دہلی	۲۰۱۳ء
۲	اسداللہ خاں غالبؔ	دیوانِ غالبؔ	غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی	۱۹۸۶ء
۳	اقبالؔ	کلیاتِ اقبال اُردو	اعتقاد پبلشنگ ہاؤس دہلی	....
۴	خواجہ محمد اکرام الدین (پروفیسر)	وسیمؔ بریلوی کی شاعری	براؤن بک پبلی کیشنز	۲۰۱۶ء
۵	الطاف حسین حالیؔ	مقدمہ شعر وشاعری	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ	۲۰۰۷ء
۶	امیر اللہ خاں شاہین (ڈاکٹر)	اُردو اسالیب نثر	نازش بک ہاؤس	۱۹۹۹ء
۷	انوار الحسن (ڈاکٹر)	دیوانِ مومنؔ	ادارہ صبح ادب	۱۹۷۱ء
۸	انیس اشفاق (ڈاکٹر)	اُردو غزل میں علامت نگاری	اتر پردیش اُردو اکادمی	۱۹۹۵ء
۹	میر تقی میرؔ	انتخاب کلیات میرؔ	دانش پبلشنگ بمبئی	۲۰۰۲ء
۱۰	جاوید نسیمیؔ (ڈاکٹر)	وسیمؔ بریلوی کے ضرب المثل اشعار	ایم آر پبلی کیشنز	۲۰۱۲ء
۱۱	محمد جمال شریف (ڈاکٹر)	دکن میں اردو شاعری وؔلی سے پہلے	ادارۂ ادبیاتِ اردو	۲۰۰۴ء
۱۲	جمیل جالبی (ڈاکٹر)	تاریخ ادب اُردو	ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی	۱۹۸۷ء
۱۳	حمید اللہ ہاشمی (پروفیسر)	فن شعر وشاعری	اعجاز پبلشنگ ہاؤس	۲۰۱۳ء
۱۴	خلیق انجم (ڈاکٹر)	غالبؔ کے خطوط (جلد دوم)	غالب انسٹی ٹیوٹ	۱۹۸۵ء
۱۵	مرزا خلیل احمد بیگ	اردو کی لسانی تشکیل	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ	۲۰۱۰ء
۱۶	رشید احمد صدیقی	جدید غزل	ایم کے آفسیٹ پرنٹرس	۲۰۱۰ء
۱۷	زاہد حسن وسیمؔ بریلوی	تبسم غم	فرنیٹر پریس، دہرہ دون (یوپی)	۱۹۶۶ء
۱۸	زاہد حسن وسیمؔ بریلوی	آنسو مرے دامن تیرا	فرنیٹر پریس، دہرہ دون (یوپی)	۱۹۷۲ء
۱۹	زاہد حسن وسیمؔ بریلوی	مزاج	Zee Printers	۱۹۹۰ء
۲۰	زاہد حسن وسیمؔ بریلوی	آنکھ آنسو ہوئی	لبرٹی آرٹ پریس	۲۰۰۰ء
۲۱	زاہد حسن وسیمؔ بریلوی	میرا کیا	لبرٹی آرٹ پریس	۲۰۰۷ء
۲۲	زاہد حسن وسیمؔ بریلوی	آنکھوں آنکھوں ہے	لبرٹی آرٹ پریس	۲۰۰۷ء

۲۳	زاہد حسن وسیم بریلوی	موسم اندر باہر کے	لبرٹی آرٹ پریس	۲۰۰۷ء
۲۴	زاہد حسن وسیم بریلوی	انداز گزرش	زاری پبلشر اینڈ ڈسٹری بیوٹرز	۲۰۰۹ء
۲۵	سکینہ فاضل (ڈاکٹر)	فراق: شخصیت اور کارنامے	جے کے آفسیٹ پریس دہلی	۲۰۰۱ء
۲۶	سنبل نگار (ڈاکٹر)	اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ	ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ	۲۰۱۵ء
۲۷	شمس الرحمٰن فاروقی	شعر، شور انگیز	قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان	۲۰۰۷ء
۲۸	طاہر القادری (ڈاکٹر)	حقیقت تصوف	مکتبہ رضویہ	۲۰۰۶
۲۹	عبادت بریلوی	جدید شاعری		
۳۰	عبدالحق نعیمی (ڈاکٹر)	قرآن حکیم فصاحت و بلاغت		۲۰۱۱ء
۳۱	سید محمد عقیل	غزل کے نئے جہات		
۳۲	غلام آسی رشیدی	اردو غزل کا تاریخی ارتقاء	موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دہلی	
۳۳	قمر رئیس (ڈاکٹر)	منتخباتِ جامعہ اُردو نظم	سرسید بک ڈپو علی گڑھ	۱۹۷۷ء
۳۴	قمر گونڈوی	وسیم بریلوی شخص اور شاعر	براؤن بک پبلی کیشنز	۲۰۱۶ء
۳۵	کامل قریشی (ڈاکٹر)	اُردو غزل	اُردو اکادمی، دہلی	۱۹۸۷ء
۳۶	مسعود حسین خان	مقدمہ تاریخ زبان اُردو	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	۲۰۱۵ء
۳۷	ممتاز الحق (ڈاکٹر)	جدید غزل کا فنی، سیاسی اور سماجی مطالعہ	روشان پرنٹرس دہلی	
۳۸	نجمہ رحمانی (ڈاکٹر)	جدید غزل کی علامتیں	ایم آر پبلی کیشنز، دہلی	۲۰۰۵ء
۳۹	نور الحسن نقوی (پروفیسر)	تاریخ ادب اردو	ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ	
۴۰	نور الحسن نقوی (ڈاکٹر)	اقبال فن اور فلسفہ	ایجوکیشنل بک ہاؤس	۲۰۱۰ء
۴۱	وزیر آغا	اُردو شاعری کا مزاج		۱۹۷۴ء
۴۲	وسیم بیگم (ڈاکٹر)	آزادی کے بعد اردو غزل	عفیف آفسیٹ پرنٹرس	۲۰۰۹ء
۴۳	وشوناتھ	گولڈن تاریخ ہندوستان	کشمیری لال اینڈ سنز مائی ہیراں گیٹ جالندھر	۱۹۸۰ء
۴۴	یوسف سلیم چشتی (پروفیسر)	شرح دیوان غالب	ایم ایس پرنٹر	۲۰۰۹ء

رسائل و جرائد

نمبر شمار	رسائل و جرائد	مقامِ اشاعت	سنِ اشاعت
۱۔	اُردو دنیا	قومی کونسل برائے فروغ اُردو، زبان، دہلی	۲۰۱۲ء
۲۔	ایوانِ اردو	دہلی	مارچ ۲۰۱۶
۳۔	اردو ادب	دہلی	۱۹۸۸ء
۴۔	تزئین ادب	شیر پور	اپریل تا جون ۲۰۱۷ء
۵۔	تسلسل	جموں یونی ورسٹی، شعبۂ اُردو	۲۰۰۲ء
۶۔	تحریک ادب	Varanasi (U.P)	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۷ء
۷۔	دبستانِ علم و ادب	بڈگام	جون ۲۰۱۵ء
۸۔	درس بلاغت	دہلی	۲۰۰۹ء
۹۔	شاعر	بمبئی	ستمبر ۲۰۱۰ء
۱۰۔	لمحے لمحے	بدیواں	۲۰۰۸ء
۱۱۔	نقش کوکن	بمبئی	فروری ۱۹۷۶ء
۱۲۔	نوائے ادب	انجمن اسلام اُردو، ممبئی	۲۰۱۲ء